شیخ شوکت علی اینڈ سنز
ناشران و تاجران کتب بندر روڈ
فون نمبر ۳۰۲۳۰

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم

Library
No. 1887
Date ....
Boys Secondary Section

از
رئیس احمد جعفری

ناشر
اشاعت منزل ایبل روڈ لاہور

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ناشران :- ملک دین محمد اینڈ سنز۔ اشاعت منزل لاہور

طابع :- ملک محمد عارف

مطبوعہ :- دین محمدی پریس لاہور

بار :- دوئم

تعداد طبع :- دو ہزار

قیمت :- [redacted]

بلغ العلیٰ بکمالہ

کشف الدجیٰ بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ

صلّوا علیہ و آلہ

والدۂ محترمہ کے نام

تربیت سے تیری میں انجمؔ کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایۂ عزت ہوا
دفترِ ہستی میں ہے زرّیں ورق تیری حیات
ہے سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات

No. 1887
Date ....
Boys Secondary Section

یہ آلودۂ معصیت قلم، سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات کے احوال و سوانح کو اپنا موضوع بنا رہا ہے

اس حوصلہ کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے

افسانے کی انجمن میں داستانیں سنائیں، داستان گویوں کی صف میں بیٹھ کر افسانہ طرازی کی، لیکن سیرت کی بزم میں آتے ہوئے داستان کے پر جلتے ہیں اور افسانے کی زبان گنگ ہو جاتی ہے۔ یہاں حقیقت کی زبان کھلتی ہے، سچائی کے بول بولے جاتے ہیں، نہ مبالغہ آرائی کو شعار بنایا جا سکتا ہے، نہ زیبِ داستاں کے لئے افسانہ طرازی کا سہارا لیا جا سکتا ہے۔

با خدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار

اپنی طرف سے پوری کوشش کی ہے کہ تاریخ تاریخ رہے۔ سراپا حقیقت سرتاسر سچائی، اس کوشش میں کامیابی کہاں تک ہوئی ہے، اس کا فیصلہ کرنے والا

نہیں پڑھنے والے کرسکتے ہیں، اور انہی کا فیصلہ آخری فیصلہ ہے۔

اُردو زبان میں سیرتِ نبویؐ پر، دو چند نہیں سینکڑوں کتابیں موجود ہیں، ان میں مستند بھی ہیں، اور غیر مستند بھی، مختصر بھی اور طویل بھی، حشو زوائد سے پاک بھی اور حشو زوائد سے مملو بھی، بڑوں کے لئے بھی اور چھوٹوں کے لئے بھی، جاہلوں کے لئے بھی اور عالموں کے لئے بھی، قدامت پرستوں کے لئے بھی، اور روشن خیالوں کے لئے بھی، ظلم ہے، اگر ان مبارک کوششوں کی شکر و سپاس کے جذبہ کے ساتھ داد نہ دی جائے۔

لیکن اس اعتراف کے باوجود، یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّم ہے کہ اُردو زبان میں سیرتِ نبویؐ پر ایک ایسی کتاب کی شدید ضرورت تھی، جو جدید تعلیم یافتہ اصحاب کے ذہن و دماغ پر غیر ضروری بار ڈالے بغیر انہیں مختصر لیکن جامع طور پر داعیِ اسلام علیہ السلام کی سیرتِ پاک سے آشنا کر دے، نیز اس بات کی بھی شدید ضرورت تھی کہ وہ جدید طرزِ سوانح نگاری کے ماحول پر لکھی گئی ہو۔

جدید طرزِ سوانح نویسی کیا ہے؟ جدید اور قدیم طرز میں کیا فرق ہے؟ نامناسب نہ ہوگا اگر مختصراً اس سوال پر بھی گفتگو کر لی جائے!

قدیم طرزِ سوانح نویسی یہ تھا کہ صاحبِ سیرتؐ کے حالات و سوانح، تاریخ و سنین کی ترتیب سے بیان کر دیئے جائیں، اور جدید طرزِ سوانح نویسی یہ ہے کہ صاحبِ سیرت کے عنوانات حیات جُدا گانہ طور پر منطقی ترتیب کے ساتھ بسط و تفصیل اور

شرح و وضاحت کے ساتھ بیان کئے جائیں، میں نے یہی آخری طرز ملحوظ رکھا ہے، اور پوری کوشش کی ہے، کہ تحقیق کا دامن کہیں بھی ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔

اس کتاب کی ترتیب و تالیف اور تسوید و تحریر کے سلسلہ میں عربی کی جملہ مستند اور متداول کتبِ تاریخ و سیر کے علاوہ میں نے سیرت النبیؐ (مولانا شبلی و مولانا سید سلیمان ندوی)، رحمۃ للعالمینؐ (مولانا سلیمان منصورپوری)، رحلتِ مصطفٰےؐ (مولانا عبدالرزاق) سیرتِ نبویؐ (پروفیسر نواب علی) وغیرہ سے بھی پورا فائدہ اٹھایا ہے کہیں کہیں ان بزرگوں کی تحقیق سے مجھے اختلاف بھی کرنا پڑا ہے، بعض مقامات پر ان اصحابِ علم و کمال کے مختلف فیہ نظریات میں تطبیق بھی مجھے دینی پڑی ہے، کسی بزرگ کی جلالتِ علم و جلالت شان کا اعتراف کرنے کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ اس کی ہر رائے، ہر خیال، ہر نظریہ، ہر تحقیق بے چون و چرا قبول کر لی جائے، امام شافعیؒ نے تحقیقی نقطہ نظر سے صحابہ کرام تک کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا کہ "نحن رجال وھم رجال یعنی ہم بھی آدمی ہیں وُہ بھی آدمی تھے، مطلب یہ کہ صواب و خطا کا صدور جس طرح ہم سے ممکن ہے باہمہ عظمت و شان ان سے بھی ممکن تھا، تو میں یہی بات ماضی قریب یا ماضی بعید کے دُوسرے مورخین کے لئے کیوں نہیں کہہ سکتا۔

قارئینِ کرام سے میری درخواست ہے کہ اگر وُہ اس کتاب سے فائدہ

اٹھائیں تو میرے لئے دعا فرمائیں، اور اگر کہیں کوئی خامی دیکھیں تو مجھے مطلع فرمائیں
تاکہ تیسرے اڈیشن میں اس کی تصحیح کی جا سکے۔

رئیس احمد جعفری
معرفت اشاعت منزل
بل روڈ، لاہور

عُنوانات

اِبتدائیہ

(۱)
تارِیخ اور اُس کا پس منظر

۱۹ ــــــ ۲۹

تارِیخ کیا ہے؟
فلسفۂ تارِیخ
تارِیخ اور روایت
تارِیخ کے تین دور
تارِیخ کے مآخذ

(۲)
عرب جس کا چرچا ہے یہ کچھ وُہ کیا تھا؟

۳۰ ــــــ ۴۴

حدیث اور سیرت
وجہِ تسمیہ اور حدُود و اربعہ
عرب کی حیثیت
عربوں کا وسیلۂ معاش
عربوں کا عہدِ قدیم
ایک اہم فرق
ادیانِ عرب
عربوں کے اوصاف و عادات
بات کی پچ
اماں اور پناہ
تہوّر و شجاعت
ضیافت اور مہمان نوازی

عصبیت
انتقام
لڑکیوں سے نفرت
زناکاری
شراب نوشی
جوے بازی
شگون
ستارہ شناسی

انسان کی حیثیت سے

اندھیرے میں اُجالا
۴۷ ـــــ ۵۶
سلسلۂ نسب اور خاندان
عرب مستعربہ
ماضی کی طرف
ولادت وطفولیت
ابوطالب کا دور
ابوطالب کی محبت
جنگِ فجار
حلف الفضول
کعبہ کی از سرِ نو تعمیر
محبوبیتِ عامہ

ایامِ شباب

۵۷ ـــــ ۶۶
حضرت خدیجہؓ سے شادی
ازواجِ مطہراتؓ
حکمِ نکاح کی تجدید
وفات کے بعد
ازواجِ مطہرات کے ساتھ سلوک
اولادِ اطہارؓ

ابتلا و آزمائش

۶۷ ـــــ ۷۳
اعلانِ نبوت کے بعد
اپنی صداقت پر اعتماد

طائف کا سفر

قبائل کو دعوتِ اسلام

ابوجہل کی شرارت

عقبہ بن ابی معیط

استقلال کی انتہا

چاند سورج

نبیِ اُمّی

۷۴ ــــــــ ۸۰

چند مثالیں

مسجد نبوی کی تعمیر

جنگِ احزاب

رسُولؐ کا حصہ

ذکاوت و ذہانت

بخشش و عطا

جائداد کا عطیہ

مولفۃ القلوب

سخاوت

خلقِ عظیم

۸۱ ــــــــ ۸۷

سراپا ادب و خلق

چند اور واقعات

مروّت اور لحاظ

پاسِ خاطر اور یادِ ماضی

حضرت انسؓ کی روایت

انکسار و فروتنی

مالی حالت

عورت کا احترام

رحمتِ عالمؐ

۸۸ ــــــــ ۹۸

فتحِ مکہ

عفوِ تقصیرات

جنگ بدر کا واقعہ

ثمامہ کا واقعہ

سعدؓ کا سوال

ابوسفیان کی التجا
ایک اور واقعہ
قرض خواہ یہودی
عبداللہ بن ابی
ذی قرد کا واقعہ
فتح خیبر کے بعد
رسولؐ کی بد دعا
یادِ ماضی
حضرت فاطمہؓ سے محبت

صفات و کردار

۹۹ ——— ۱۰۷
حضرت خدیجہؓ
ایک شادی میں شرکت
ابراہیم کا انتقال
بشریت کا اعلان
چوری کا ایک واقعہ
جنگِ احد کا ایک واقعہ
کون بچائے گا؟
پاسِ عہد
انصارؓ سے تعلق خاطر
ایک اور واقعہ
خوفِ خدا
ایک اہم خطبہ
ایک وصیّت
آخری خطبہ

علالت اور وصال

۱۰۸ ——— ۱۲۰
رخصت کی علامتیں
احساسِ نبوی
بیماری کی شدت
پاسِ وفا
نماز کا اہتمام
سنبھالا
وفات

صحابہ کا غم

مرثیے

ملاحظات

۱۲۱ ـــــــ ۱۲۲

نبیؐ کی حیثیت سے

نبوّت ورسالت

۱۲۷ ـــــــ ۱۳۱

رویائے صادقہ

وحیِ الٰہی

ورقہؓ بن نوفل

تبلیغ

۱۳۲ ـــــــ ۱۴۷

اسلام کا ابتدائی دور

کوہِ صفا کا وعظ

ردِّ عمل

چشم دید شہادت

مشورے

قبائل کا دورہ

مذہبی سفارت

اندازِ تبلیغ

چند مثالیں

خالدؓ بن ولید

عمروؓ بن عاص

عدیؓ بن حاتم

حضرت حمزہؓ

حضرت عمرؓ کا اسلام

ہجرت

۱۴۸ ـــــــ ۱۵۵

حضرت جعفرؓ کی تقریر

انصار کی بصیرت

آنحضرت کی ہجرت

مدینہ میں داخلہ

مسجدِ نبوی کی تعمیر

برادری کا رشتہ

نطقِ رسالت

۱۵۶ —— ۱۶۰

سحرِ حلال

ایک اور واقعہ

امیر حمزہ رضؓ کا واقعہ

ایک اور قصہ

مواخاۃ

جمالِ نبوّت

۱۶۱ —— ۱۶۵

چند شواہد

طارق رضؓ بن عبداللہ کی روایت

طہارت اور پاکیزگی

حُسنِ اخلاق

معراج

۱۶۶ —— ۱۶۷

تکذیب و تصدیق

علمِ غیب و معجزات

۱۶۸ —— ۱۷۱

ایک اور درخواست

وفد غامد

عمیر کی سازش

سراقہ بن جعشم کا واقعہ

عدی بن حاتم طائی

شمعِ نبوّت کے پروانے

۱۷۲ —— ۱۷۶

حضرت ابوایوب انصاری

ایک فاقہ زدہ شخص

ابن نضر کی جاں نثاری

جنگِ احد کا ایک واقعہ

ابودجانہ اور طلحہ رضؓ

ایک انصاریہ کا واقعہ

عروہ بن مسعود ثقفی

انتہائے عشق

ملاحظات	**عورت**
۱۷۷ —— ۱۷۸	۱۸۹ —— ۱۹۲
مفکّر اور حکیم کی حیثیّت سے	آبگینے
علم کی ترغیب	پیسے عورت
۱۸۱ —— ۱۸۳	حدِ قذف
رہائی کی شرط	حجۃ الوداع
عبرانی زبان	عورتوں سے ہمدردی
فکر و تدبّر	**سرمایہ داری اور انفرادی ملکیّت**
۱۸۴ —— ۱۸۸	۱۹۳ —— ۱۹۶
حجرِ اسود کا واقعہ	غلامی
ایک خاص واقعہ	سرمایہ داری
عبادت نافلہ	سُود کی ممانعت
ابو العاص کا واقعہ	انفرادی ملکیت
صلح حدیبیہ	**اسرار و حکم**
امامہ بنت حمزہ	۱۹۷ —— ۲۰۲
حسنین کے اسیرانِ جنگ	ایمان کی حلاوت
	بندہ اور خدا

مسلمان کی شان

والدین

عبادت نافلہ

عبداللہؓ بن عمرو بن عاص

قابلِ رشک

سکوت و کلام

کسبِ حلال

فرق و امتیاز

اصلی طاقت

تبلیغِ اسلام

جنت کی خوشبو

زندگی کی قدر

صحت اور دولت

عورت اور گھر

وراثت

رحم کی فضیلت

دولت کی تعریف

مساوات

فصاحت و بلاغت اور خطابت

۲۰۳ ——— ۲۰۶

غمِ فرزند

کمالِ خطابت و بلاغت

زبان دانی

رواداری

۲۰۷ ——— ۲۱۰

وفدِ نجران

مسجد اور عیسائی

یہودیوں کی شرارت

بیعتِ رضوان

اسیرانِ جنگ سے برتاؤ

غلام اور غلامی

۲۱۱ ——— ۲۱۴

زید بن حارثہ

حسنِ سلوک کی وصیت

اسامہ بن زید
غلاموں کی یاد

مسئلہ جانشینی

۲۱۵ ـــــ ۲۱۷
سکوت کی مصلحت
حضرت ابوبکرؓ کی طرف رجحان
طرزِ حکومت

ملاحظات

۲۱۸ ـــــ ۲۱۹

جہاد

۲۲۳ ـــــ ۲۲۸
اسلام کا جہاد
جہاد پر پابندیاں
ممنوعات
لوٹ مار کی ممانعت
تہوّر اور شجاعت

جنگِ بدر

۲۲۹ ـــــ ۲۳۶
کاروانِ قریش
مسلمانوں کی تیاریاں
حباب بن منذر کا سوال
رسولؐ کی دعا
صف آرائی
جنگ کا آغاز
اسیرانِ جنگ
رہائی کی شرط
غزوہ بدر کے نتائج
ابوسفیان کا عہد
حضرت فاطمہ کی شادی

جنگِ اُحد

۲۳۷ ـــــ ۲۴۷
آنحضرتؐ کا مشورہ
منافق کی منافقت

شوقِ شہادت
آمنا سامنا
جنگ کا آغاز
جنگ مغلوبہ
حضرت حمزہؓ کی شہادت
جنگ کا رنگ
مصعبؓ کی شہادت
حضرت فاطمہؓ کی آمد
جنگ کا انجام
مدینہ کی واپسی
ابوسفیان کا تعاقب
سورۂ آلِ عمران
دوسرے واقعات

جنگِ خندق

۲۴۸ — ۲۵۶

غزوۂ بنی مصطلق
جنگِ خندق
مسلمانوں کی پریشانی
شدید ترین محاصرہ
جنگ کی ابتدا
باقاعدہ جنگ
ذوالفقار علی کرم
بنو قریظہ کی شرارت
تائیدِ غیبی
بنو قریظہ کا انجام
فیصلہ کا پس منظر

صلح حدیبیہ

۲۵۷ — ۲۶۳

قریش سے استیذان
حضرت عثمانؓ کے قتل کی افواہ
قریش کی سفارت اور صلح نامہ
پاسِ عہد
ابوبصیر کا واقعہ
صلح کے نتائج

جنگِ خیبر

۲۶۴ —— ۲۷۵

یہود کے ساتھ پہلا معاہدہ

مسلسل بدعہدی

خبثِ نفس کی انتہا

مخالفت کے اسباب

آنحضرتؐ کا برتاؤ

مسلمانوں کا لشکر

غطفان کی کنارہ کشی

خیبر کے قلعے

حملہ کا آغاز

یہود کی قوت کا خاتمہ

جنگِ موتہ

۲۷۶ —— ۲۷۸

دشمن کی تیاریاں

گھمسان کا رن

سیف اللہ

حضرت جعفرؓ کا غم

جنگِ حنین

۲۷۹ —— ۲۸۲

بے سروسامانی کا عالم

طائف اور اوطاس

قرآن کے الفاظ

تقسیمِ غنائم

خاص واقعات

جنگِ تبوک

۲۸۳ —— ۲۸۶

نازک دور

مسلمانوں کا ایثار اور جوش

حضرت علیؓ کا منصب

تیس ہزار کا لشکر

کفار ہمت ہار گئے

مدینہ کو واپسی

حجِ اکبر

شمعِ اسلام کے پروانے

۲۸۷ —— ۲۹۷

حضرت بلالؓ

حضرت عمارؓ کا خاندان

حضرت صہیبؓ کا دورِ ابتلا

ابو سلمہؓ کی ہجرت

انسؓ بن نضر

حضرت خبیبؓ کی شہادت

صید اور صیاد

شوقِ شہادت

کعبؓ بن مالک کا امتحان

ملاحظات

۲۹۸ —— ۳۰۲

فاتح کی حیثیت سے

فتحِ مکّہ

۳۰۵ —— ۳۱۳

بنو خزاعہ پر حملہ

نبیؐ سے فریاد

اتمامِ حجت

قریش کی ندامت

مکّہ کی طرف کوچ

داخلہ کے احکام

مکّہ میں داخلہ

بُت شکنی

خطبۂ نبوی

عکرمہ اور صفوان بن امیّہ

فتح کے بعد

حجۃ الوداع

۳۱۴ —— ۳۲۰

سنہ ۱۰ھ

خطبۂ دوم

خطبۂ خُمِ غدیر

۳۲۱ —— ۳۲۲

حضرت علیؓ کی شکایت

واقعۂ تخییر

۳۲۲ ــــــــ ۳۲۷

ازواجؓ کا مطالبہ

ایلا

حضرت عمرؓ کی بیتابی

ازواجؓ سے استفسار

واقعہ کی اہمیت

ملاحظات

۳۲۸ ــــــــ ۳۳۱

معلّم کی حیثیت سے

تعلیماتِ نبوی

۳۳۵ ــــــــ ۳۴۵

سوال و جواب

تعلیماتِ نبوی (۲)

حرب و پیکار

پاسِ عہد

اِسلامی اخوت

اِسلامی حقوق

غیبت اور بدظنی

مسلمان کی شان

استخلاف فی الارض

جہاد فی سبیل اللہ

عورت

سزا و عقوبت

خلاصۂ کلام

ملاحظات

۳۴۶ ــــــــ ۳۴۷

رسولِ اکرمؐ کی حیاتِ مبارک کے چند پہلو

۳۴۹ ــــــــ ۳۷۰

رسول اللہ صلعم کے کاتب

رسول اللہ صلعم کا حلیہ
رسول اللہ صلعم کی شجاعت اور سخاوت
رسول اللہ صلعم کے بالوں کا بیان
کیا آپ خضاب کرتے تھے؟
رسول اللہ صلعم کے آزاد کردہ غلام
رسول اللہ صلعم کے گھوڑوں کے نام
رسول اللہ صلعم کے خچروں کے نام
رسول اللہ صلعم کے اونٹوں کے نام
رسول اللہ صلعم کی دودھ دینے والی اونٹنیاں
رسول اللہ صلعم کی بکریاں
رسول اللہ صلعم کی تلواریں
رسول اللہ صلعم کی کمانیں اور نیزے
رسول اللہ صلعم کی زرہیں
رسول اللہ صلعم کی ڈھالیں

حدیث و سنت

ملاحظات

۳۷۴ ــــــ ۳۷۵

حدیث کی دینی حیثیت

۳۷۶ ــــــ ۴۲۴

حزم و احتیاط
ابن حجر کا بیان
مدلسین پر نقد
خلفائے راشدینؓ اور حدیث
حضرت ابوبکرؓ
حضرت عمرؓ
ذہبی کی رائے
طاہر جزائری کی رائے
تقیید علم
ایک اہم اقتباس
حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز
حدیث کی حیثیت
موطا امام مالکؒ
حدیث کی دینی حیثیت
منکرین حدیث کا اعتراض

احادیث کا پایہ صحت
حدیث و قرآن
ابن عمر کا واقعہ
حدیث اور صحابہؓ
شاہ ولی اللہ کی رائے
رسول اور امرا
حدیث کی ظنیت
حدیث اور عائلی مصالح
حضرت ابوبکرؓ کا واقعہ
عینی شہادت
شہادت در شہادت
مشاجرات صحابہؓ
صحابہؓ کی عدالت
ابن حجر کی رائے پر محاکمہ
تدوین حدیث
نقد و نظر

ملاحظات
۴۲۷ ـــــــ ۴۲۸

مغربی مؤرخین کے اعتراضات
۴۲۹ ـــــــ ۴۳۰
مسلمانوں کا تحمل
اسما کا واقعہ
ابو آفاق کا واقعہ
ابن سینا
کعب اشرف
نصرانی تعصب
یہود کی شکایت
ایک سوال
ابو العفیق
عورتوں کی عصمت دری

ابتدائیہ

تارِیخ اور اُس کا پس منظر!

قبل اس کے کہ ہم پیغمبرِ عربؐ اور رحمتِ عالمؐ کی حیاتِ مُبارک کا ایک مرقع پیش کریں، ضروری ہے کہ عرب کی تاریخ پر بھی گفتگو کر لیں، کہ بغیر اس گفتگو کے آنے والے صفحات کے مباحث و مسائل تِشنہ اور نامکمّل رہیں گے۔

تارِیخ کیا ہے؟

گزرے ہُوئے واقعات، اگر مُبالغہ کے ساتھ بیان کیے جائیں، تو وُہ داستان ہے رنگ آمیزی اور تصوّر آفرینی پر عمارت تیار کی جائے تو وُہ کہانی ہے، صحت و استناد کو پیشِ نظر رکھا جائے، تو وُہ تارِیخ ہے، تارِیخ ایک نازک سا آبگینہ ہے، جو مُبالغہ آرائی کا متحمل نہیں ہو سکتا، جو جانبداری کو برداشت نہیں کر سکتا، جو اپنے اصول اور ضابطہ میں سخت ہے، تارِیخ کی زبان دُشمن کی تعریف کرنے پر مجبُور ہوتی ہے، تاریخ کا قلم، دوست کی عیب چینی اپنا فرض سمجھتا ہے، تاریخ مصوّر کا وُہ کیمرہ ہے، جو باریک سے باریک خط کو بھی اپنی گرفت میں لے لیتا ہے، سُورج کی وُہ کرن ہے جو تاریک سے تاریک مقام کو بھی روشن کر دیتی ہے،

تاریخ کو نہ کسی سے دوستی کا دعویٰ ہے نہ دشمنی کا، تاریخ ایک آئینہ ہے، جس میں وہی نظر آتا ہے، جو حقیقتہً اور واقعتہً ہے، تاریخ کا کام صرف رونمائی ہے۔ خوبی اور خوبصورتی، بدروئی اور بدنمائی سے بحث کرنا نہیں، کون اچھا تھا اور کون برا؟ تاریخ کے دائرۂ بحث سے یہ بات خارج ہے، کون کیا تھا؟ تاریخ کا موضوعِ گفتگو صرف اتنا ہے، پہل کس کی تھی؟ اور خطا کس کی؟ واقعات و حالات کی علت العلل کیا تھی؟ ان موشگافیوں سے بھی تاریخ کا دامن پاک ہے، صورتِ حال کیا تھی؟ اصل واقعہ کیا تھا؟ بس تاریخ کی حد یہیں ختم ہو جاتی ہے۔

فلسفۂ تاریخ

تاریخ کا فلسفہ کیا ہے؟ مقصد کیا ہے؟ ضرورت کیا ہے؟ یہ ایک سوال ہے، جو قدرتاً ہر شخص کے دل میں پیدا ہو سکتا ہے، لیکن جواب بہت صاف اور واضح ہے، جس طرح افراد و اشخاص اپنے بڑوں اور بزرگوں کی سیرت اور کردار، حالات اور کوائف سے سبق حاصل کرتے ہیں، بالکل اسی طرح، قومیں اور ملتیں بھی اپنے سے پہلے کی قوموں اور ملتوں کی سیرت اور کردار، حاصل کرتی ہیں، نئی نسل، پرانی نسل کی سیرت اور کردار، حالات اور کوائف سے سبق لیتی ہے، گزرے ہوئے واقعات، اگر صحت اور استناد کے ساتھ پیشِ نظر ہوں، تو ان غلطیوں سے دامن بچایا جا سکتا ہے، جو اشخاص و افراد یا اقوام و ملل کی بربادی اور ہلاکت کا سبب بنیں، ان کارناموں کو دلیلِ راہ بنایا جا سکتا ہے، جنہوں نے کسی فرد، طبقہ یا قوم کو، کامیابی اور کامرانی کی منزل پر پہنچا دیا۔ تاریخ کو عالمِ وجود میں لانے والا

صرف یہی ایک محرّک ہے۔

تاریخ اور دعایت!

دُنیا میں سب سے پہلے، مرتّب منظّم اور مکمّل صورت میں، تاریخ کو عالمِ وجود میں لانے والے عرب ہیں۔ عربوں سے پہلے تاریخ داستان اور افسانہ کے رنگ میں ملتی ہے جب تک عربوں کا آفتابِ اقبال نصف النّہار پر رہا، تاریخ اپنے صحیح رنگ، اور اصلی خدوخال کے ساتھ منظرِ عام پر مُودار ہوئی۔ لیکن جب عربوں کا دَورِ عروج ختم ہُوا، اور تاریخ وارتقا کی باگ، یورپ کے ہاتھ میں آئی، تو تاریخ سے پروپیگنڈے اور دعایت کا کام لیا جانے لگا۔

اب تک تاریخ ذریعۂ معلُومات تھی، یورپ کے ہاتھ میں جب یہ کھلونا آیا تو حصولِ مقاصد کا آلہ کار بن گیا، جس طرح جھُوٹ بول کر، اور غلط بیانی کر کے، افراد و اشخاص میں جنگ کرائی جا سکتی ہے، اِسی طرح جھُوٹ کو رہنما بنا کر اور غلط بیانی کا سہارا لے کر، قوموں اور ملتوں کو بھی حرب و پیکار میں مُبتلا کیا جا سکتا ہے، چنانچہ یورپ نے تاریخ کو آلۂ کار بنا کے اور کذب و دروغ کی داستانیں اس کی زبان میں بیان کر کے بڑے وسیع پیمانہ پر کشت و خون کرایا، قوموں کو غلام بنایا، اور غلام بنانے کے بعد، اسی حربہ سے کام لے کر، انہیں آپس میں لڑایا، اور ایک، دُوسرے کے خِلاف ایسی دُشمنی اور عداوت پیدا کر دی جو مستقل اور مستمر صُورت اختیار کر چکی ہے۔

ترکیہ اور یُونان کی آویزش، بلقانی ریاستوں، ہندوؤں اور مسلمانوں کی خونریز لڑائیاں، عربوں اور یہودیوں کی ٹکر، یہ اور اس قبیل کے واقعات نتیجہ ہیں، یورپ کی خانہ ساز تاریخ کی

کرشمہ سنجیوں اور بہار آفرینیوں کے، یہ دُنیا کبھی بھی جنگ کا میدان نہ بنتی، اگر یورپ نے تاریخ کا غلط استعمال نہ کیا ہوتا۔

تاریخ کے تین دَور!

فنِ تاریخ کی ابتدا و ارتقاء پر اگر ہم ایک نظر ڈالیں، تو بڑی آسانی کے ساتھ اِسے تین ادوار میں مُنقسم کر سکتے ہیں۔

(۱)

پہلا دَور ہے قبل از اسلام کا!

اِسلام سے پہلے دُنیا کی کسی قوم نے، تاریخ کو مرتّب اور منظّم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ دُنیا کی قدیم ترین قوموں میں جو آج بھی موجُود ہیں۔ صرف تین قومیں زندہ ہیں:۔

(۱) چینی (۲) یُونانی (۳) ہندی

ان تینوں قوموں کے پاس تاریخ کا کوئی ذخیرہ نہیں ہے۔ وید اور اپنشد، مہابھارت اور گیتا، حیاتِ مسیحؑ اور تاریخِ کلیسا، مہاتما بُدھ اور کنفوشس، سب افسانہ اور کہانی اور شاعری کے پردہ کے پیچھے چھُپے ہوئے ہیں، ان قوموں کے پاس دیومالا اور اساطیر کے سوا، نہ اپنی کوئی تاریخ ہے، نہ اپنے ہادیوں، اور مہاتماؤں، نبیوں اور پیغمبروں کی، جو کچھ ہے وُہ ایسی داستان، جو باپ سے بیٹے کو وراثت میں ملی ہے، نہ جس کا راوی معلوم ہے، نہ جس کی تصدیق کا کوئی ذریعہ ہے

(۲)

دُوسرا دَور شروع ہوتا ہے اسلام سے!

مُسلمانوں کو، اپنے دین اور اپنے رسُول ؐ سے اِتنا والہانہ تعلّق تھا کہ انہوں نے دین کی ایک ایک بات حتیٰ کہ پُورا قرآن زبانی یاد کر لیا۔ رسُول ؐ کے نقشِ قدم پر چلنے کے لیئے اِتنے بیتاب تھے کہ رسُول ؐ کی نقل و حرکت، نشست و برخاست، کھانا پینا، آنا جانا، ملنا جلنا گفتار و کردار، ہر چیز کا ایک ایک پہلو، اور ایک ایک گوشہ اپنے ذہن و دماغ میں محفوظ کر لیا۔ اِحتیاط اور صداقت کا یہ عالم کہ ایک ایک خبر (حدیث) کے لیئے برسوں تکلیف اور صعُوبت برداشت کی، صدہا میل کا پاپیادہ سفر کیا۔ فقر و فاقہ کی زندگی بسر کی، لیکن جب تک اس کی تصدیق نہ کر لی چین اور آرام سے نہ بیٹھے، صرف یہی نہیں بلکہ راویوں کے ثقہ اور عدم ثقہ ہونے کی ایسی اور اتنی چھان بین کی کہ اسماء الرجال نام کا پُورا ایک فن مرتّب اور مدوّن ہو گیا، جس میں ہر راوی حدیث کے حافظہ، صداقت، کردار اور سیرت کا پُورا نقشہ کھینچ دیا۔ دُنیا کی کوئی قوم ایسی بے داغ، مستند اور مکمّل تاریخ نہیں پیش کر سکتی جیسی مسلمانوں کے پاس ہے۔

مُسلمانوں کی تاریخ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں جانب داری اور رنگ آمیزی سے کہیں کام نہیں لیا گیا ہے، صرف بیان واقعات پر اکتفا کیا گیا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ بعض سادہ لوح مُسلمان، اس بیان واقعات کی سادگی سے دھوکا کھا جاتے اور غلط فہمی میں مُبتلا ہو جاتے ہیں، اگر ان کے سامنے سبب اور علّت کا سلسلہ ہوتا تو وُہ ٹھوکر نہ کھاتے لیکن یہ غلط فہمی اور فریب خوردگی درحقیقت نتیجہ ہے امعانِ نظر سے واقعات پر غور نہ کرنے کا، اگر تاریخ کے تمام واقعات سامنے ہوں اور ژرف نگاہی کے ساتھ، ان کے اسباب و بواعث کی چھان بین کی جائے تو غلط فہمی خود بخود ختم ہو جاتی ہے اور فریب خوردگی کا سلسلہ عالمِ وجود

میں آتا ہی نہیں۔

یورپ نے اِس دیانت دارانہ تاریخ نگاری سے بہت ناجائز فائدہ اٹھایا۔ اُس نے واقعات تارِیخ اسلام سے لئے، اور سبب و عِلّت کا ماخذ اپنے ذہن و دماغ کو بنایا، اور کھرے سے کھوٹا، حق سے باطل، سچ سے جھُوٹ پیدا کر لیا۔ ہمارے بہت سے پڑھنے والوں اور لکھنے والوں نے اس عِلّتِ غائی کو نظر انداز کر دیا، یا فریب کھا گئے، یا غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے، انگریزی خواں طبقہ نے تو آنکھ بند کر کے یورپ کے مزخرفات کو تاریخ کا درجہ دیا، اور اُس پر ایمان لے آیا۔ حالانکہ ان سب لوگوں کو سوچنا چاہیئے تھا، اور سوچنا چاہیئے کہ مؤرخینِ اسلام ہی کی وُہ پہلی جماعت دُنیا میں ہے جس نے تارِیخ کو ایک فن کا درجہ دیا، اور روایت کے ساتھ درایت کو بھی، ایک مستقِل حیثیت دی، عام طور پر روایت دیکھی جاتی ہے، درایت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے، لیکن اسلام کی تارِیخ روایت سے زیادہ درایت کو اہمیّت دیتی ہے، وُہ صرف یہ نہیں دیکھتی کہ فلاں واقعہ کے بارے میں فلاں فلاں لوگ کیا کہتے ہیں؟ اور یہ کہ وُہ ثقہ اور عدول ہیں یا نہیں؟ وُہ یہ بھی دیکھتی ہے کہ ثقہ اور عدول ہونے کے باوجود، وہ رواۃ بحیثیت راوی کے کس پایہ کے ہیں؟ جھُوٹ تو نہیں بولتے؟ مبالغہ آرائی تو نہیں کرتے؟ رنگ آمیزی سے تو کام نہیں لیتے؟ یادداشت کے کمزور تو نہیں ہیں؟ روایت باللفظ کرتے ہیں یا بالمعنیٰ؟ اگر بالمعنیٰ کرتے ہیں، تو ان کی فہم و دانش کا کیا عالم ہے؟ مخاطب کی بات اور اُس کا پُورا مفہوم سمجھنے پر قادر ہیں یا نہیں؟ ان تمام مرحلوں سے بڑے بڑے ثقہ اور عدول اصحاب کو گزرنا پڑتا ہے، تب جا کے ان کی روایت تسلیم کی جاتی ہے، اور اس لائق سمجھی جاتی ہے

کہ اس پر اعتماد کیا جائے، اور اس سے استناد کیا جائے۔

پھر ایک بات اور یاد رکھنی چاہیئے، صرف حدیث ہی میں نہیں مورخین اسلام نے اپنی تاریخوں میں بھی، پوری دیانت اور ذمہ داری کے ساتھ صرف ایک راوی پر اکتفا نہیں کیا ہے، پورا سلسلۂ رواۃ بیان کیا ہے، یعنی اُن تمام لوگوں کا حوالہ نام بنام دیا ہے جو اس واقعہ کے دیکھنے سُننے میں شریک ہیں سلسلۂ رواۃ کو پیشِ نظر رکھ کر، آپ فوراً اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان راویوں میں کون راوی سچا ہے؟ کون جھوٹا؟ کون ثقہ اور عدول ہے؟ کون متروک و مردود؟ اس پورے سلسلہ میں اگر ایک آدمی بھی کمزور اور ضعیف ہے، تو آپ بڑی آسانی سے پوری روایت رد کر دے سکتے ہیں؟ کیا دنیا کی کسی قوم نے اپنی تاریخ میں یہ اہتمام ملحوظ رکھا ہے؟

اس باب میں مسلمانوں کی احتیاط اور ژرف نگاہی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سلسلۂ رواۃ کا اہتمام، صرف حدیث اور تاریخ ہی میں نہیں، محاضرات و قصص تک میں پورے اہتمام کے ساتھ پیش نہاد خاطر رکھا گیا ہے، کتاب الاغانی کا بڑا حصہ، عہدِ عباسیہ کے گوّیوں اور سازندوں کی تاریخ پر مشتمل ہے، عہدِ عباسیہ کی بزم آرائیاں اور طرب انگیزیاں اس کا موضوع ہیں، عہدِ جاہلیت کے حروب و ایام کی داستان سرائی اس کا عنوان ہے لیکن اغانی میں بھی سلسلۂ رواۃ موجود ہے، ہر راوی کو آپ پرکھ لے سکتے ہیں، ہر روایت کی آپ جانچ کر لے سکتے ہیں، اور یہ نہ کر سکتے ہوتے تو آج اغانی کا شمار بھی مستند کتب تاریخ اور کتب حوالہ میں ہوتا، لیکن اپنی تمام ادب طرازیوں اور فصاحت و بلاغت کی معجز نمائیوں کے باوجود، وہ صرف محاضرات و قصص کی ایک کتاب ہے، تاریخ نہیں، حالانکہ موجودہ معیارِ تاریخ نگاری کے لحاظ

سے، وُہ دنیا کی چند مُستند ترین کتابوں میں سے ہے، لیکن اِسلام کی تارِیخ میں اِس کی کوئی جگہ نہیں، کوئی منزلت نہیں، کیا اَس احتیاط اور چھان بین میں دنیا کی کوئی قدیم یا جدید قوم مُسلمانوں کا مقابلہ کر سکتی ہے؟

(۳)

تیسرا دَور ہے، عصرِ جدید!

عصرِ جدید میں تارِیخ، تارِیخ نہیں رہی حصُولِ مقصد کا آلۂ کار بن گئی ہے، یا دوسرے الفاظ میں یُوں سمجھیئے، ایک قابل وکیل کا بیان بن گئی ہے، جس میں وُہ پُوری ذہانت اور قابلیت سے کام لے کر حقائق اور واقعات کو نظر انداز کر دیتا ہے، اور صرف یہ پیشِ نظر رکھتا ہے کہ جیت جائے، حریف کو کردہ اور ناکردہ گناہوں کا مرکز و منبع ثابت کر دیتا ہے، اور اپنے موکل کو تمام جرائم اور لغزشوں سے معصوم و منزہ قرار دیتا ہے، وُہ بڑی چالاکی سے اپنا کیس مرتب کرتا ہے، اور اسے ذرا نہیں سوجتا کہ اپنے موکل کو بچانے کے، وُہ حق و صداقت کا کس بیدردی سے قتلِ عام کر رہا ہے، وُہ داستانوں اور کہانیوں کو تارِیخ بنا دیتا ہے، وُہ قصّوں اور افسانوں کو روایت کا درجہ دے دیتا ہے، اور یہ سب کچھ وُہ غلط فہمی یا ناواقفیت یا نادانی سے نہیں کرتا، جان بوجھ کر ارادۃً کرتا ہے، اس کا مقصد احقاقِ حق نہیں ہوتا، صرف دُوسرے کو متہم کرنا اور اپنے کو بچانا ہوتا ہے۔

تارِیخ کے ماخذ!

اسلام کی منظم و مرتب معتبر و مُستند تاریخ سے قطع نظر کر کے، دُوسری قومیں، تاریخ کا

ماخذ کیا قرار دیتی ہیں؟ آخر تاریخ کا کچھ نہ کچھ ماخذ تو ہونا چاہیئے ؛ مانا کہ ان کے پاس اسماء الرجال کا فن نہیں، سلسلۂ رواۃ کا دفتر نہیں، روایت کے ساتھ درایت کا فن نہیں، پھر بھی قدیم و جدید قوموں کی تاریخ کس بُنیاد پر قائم ہے؟

اس سوال کا جواب نہایت صاف الفاظ میں یہ دیا جاسکتا ہے کہ قدیم تاریخ کی بُنیاد و اساس ہے، قیاس، آثار اور داستان! بس صرف یہی، اس کے سوا کچھ نہیں عام طور پر مورخین عالم نے تاریخ کے جو ماخذ قرار دے رکھے ہیں، اور جن سے وُہ اپنے تخیلات کی عمارت تیار کرتے ہیں وُہ یہ ہیں:-

(۱) **روایات** ـــــــ وُہ روایات جن کی تحقیق و تصدیق کا کوئی ذریعہ نہیں لیکن جو اباً عن جدٍ، سینہ بسینہ منتقل ہوتی چلی آرہی ہیں، اس خس و خاشاک میں سے مورخ، اپنی ذہانت سے کام لے کر کام کی چیزیں چُنتا ہے۔

(۲) **اساطیر** ـــــــ وُہ دُور از کار، اور بعید از عقل کہانیاں اور داستانیں، جو نفسیاتی اعتبار سے، سامع کے اندر شجاعت، بلند حوصلگی، قومی، غیرت، جوش و خروش، تہوّر اور بسالت پیدا کرنے کی موجب بنیں، لیکن جن کی تحقیق و تصدیق کا کوئی نہ ہو، جو محض ذہن و ذکاوت کی پیداوار ہوں، اور مورّخ اپنے ذاتی قیاس و قرینہ سے کام لے کر ان میں سے کچھ کو سچ سمجھ لے

(۳) **اشعار** ـــــــ وُہ نظمیں اور مثنویاں، اور گیت جن کے مصنّف تک لامعلوم ہیں، ظاہر ہے جس تصنیف کا مصنّف ہی پردۂ عدم کی تاریکیوں میں گم ہو، اس کی تصنیف اور خود اس کے بارے میں کوئی صحیح اور مستند رائے نہیں قائم کی جاسکتی، لیکن اشعار کے سیاق و سباق

سے مؤرّخ بہت کچھ ڈھونڈ نکالتا ہے۔

(۴) آثار ــــــــــ بہت سی قومیں، آن بان شان کے ساتھ صفحۂ ہستی پر نمودار ہوئیں اور مٹ گئیں، ان کی تاریخ مرتب کرنے میں آثار یعنی قدیم عمارتوں، پُرانے قلعوں اور کھنڈروں سے بھی مورّخ کافی مواد حاصِل کر لیتا ہے، مثلاً سندھ کے مہنجوڈارو، پنجاب کے ٹیکسلا، بہار کے نالندہ بھوپال کے سانچی ٹوپ، اور اس طرح کی دوسری عمارتیں، جو زیرِ زمین تھیں، اور اب کھود کر برآمد کی گئیں یا مثلاً دلّی، آگرہ فتح پور سیکری، جے پور، گوالیار وغیرہ کے شاہی قلعے، اور عمارتیں، جو اب تک کم و بیش اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں، ان کے نقش و نگار، طرزِ تعمیر اور آرائش و زیبائش سے زمین کے نیچے سے برآمد کی ہوئی عمارتوں کے حاصل شدہ سکّوں اور برتنوں سے، اسلحہ اور ساز و سامان سے زیورات اور مصنوعات سے، لباس اور سامانِ آرائش سے بھی، بہت سے اندازے ہو جاتے ہیں۔

(۵) قیاس ــــــــــ قیاس سے بھی مورّخ بہت کچھ مدد لیتا ہے، مثلاً کسی پُرانی قوم کے شعر میں انگیا کا ذکر آیا ہے، اس سے وُہ اندازہ لگائے گا کہ اُس زمانہ میں طرزِ پوشش یہ تھی، کسی زیرِ زمین شہر کی عمارتوں سے پتھر کی چھریاں اور چاقو برآمد ہوئے، اس سے مورّخ یہ قیاس کرے گا کہ اس زمانہ تک حجری دور تھا، لوہے کا استعمال شروع نہیں ہوا تھا۔

(۶) کتبات ــــــــــ بہت سے شہروں اور ویرانوں میں یا قدیم عمارتوں کے کھنڈروں اور عمارتوں میں کسی بادشاہ یا وزیر کے لگائے ہوئے کتبے کسی نمایاں مقام پر نصب ہیں، ان کتبوں کی زبان اگرچہ مرچکی ہو، یا حروف اتنے دُھندلے ہوں کہ پڑھے نہ جا سکتے ہوں

پھر بھی مورخ اس غیر معروف زبان کو پڑھنے اور ان دُھندلے حروف کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور اکثر کامیاب ہوتا ہے اور پھر اس زمانہ کے تمدن اور تہذیب سے متعلق معلومات حاصل کرتا ہے

(۷) رسم و رواج ——— کسی قوم میں قدیم سے جو رسمیں چلی آرہی ہیں، جو رواج جاری ہے، جو ریت برتی جارہی ہے، مورّخ ان سے بھی کام لیتا ہے، اور ضروری باتیں اخذ کرکے عدم کو وجود میں لے آتا ہے۔

(۸) قدیم تحریریں ——— یعنی سفرنامے وغیرہ، ان کی حیثیت اگرچہ تاریخ کی نہیں ہوتی، نہ ان کا پایۂ استناد زیادہ بلند ہوتا ہے، نہ ان کی تصنیف کا مقصد تاریخ کا لکھنا ہوتا ہے، پھر بھی مورّخ ان سے فائدہ اٹھانے اور غیر متعلق باتوں سے متعلق باتیں پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور کسی نہ کسی حد تک کامیاب ہوتا ہے۔

یہ ہیں، قدیم تاریخ کے ماخذ، انہی کے سہارے مورّخ، آگے بڑھتا ہے، مواد تیار کرتا ہے، اسے ترتیب اور تہذیب دیتا ہے، پھر استخراج و استنتاج کرتا ہے، اور ایک کتاب تیار کر لیتا ہے، ایسی کتاب کی تدوین و تصنیف اور تالیف میں خواہ کتنی ہی کدوکاوش سے کام لیا گیا ہو، اور خواہ وُہ کتنی ہی دیدہ کاوی اور عرق ریزی سے لکھی گئی ہو، لیکن اس کا پایۂ استناد بہرحال مشکوک رہتا ہے، حق الیقین کے درجہ تک صرف اسلام کی تاریخ پہنچاتی ہے جو حشو و زوائد سے بالکل پاک ہے، اور جس میں راوی، روایت اور درایت پر ہر لمحہ کڑی نظر رہتی ہے۔

---

(۲)

عرب جس کا چرچا ہے یہ کچھ، وہ کیا تھا؟

گزشتہ اوراق میں ہم اجمال کے ساتھ تاریخِ اسلام کی خصوصیات پر روشنی ڈال چکے ہیں، اب قبل اس کے کہ ہم آگے بڑھیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے کے عرب پر ایک سرسری نظر ڈال لیں اور یہ بھی معلوم کر لیں کہ عربوں کی، عرب حکومتوں کی، دین عرب کی؛ اور رسولِ عرب کی جو تاریخ ہم پیش کر رہے ہیں، اس کا انداز و اسلوب کیا ہے؟

حدیث اور سیرت!

حدیث اور سیرت میں کیا فرق ہے؟

حدیث میں رسالت مآبؐ کے اقوال و آثار منقول ہوتے ہیں، یہ اقوال و آثار روایت بالمعنی، یا باللفظ پر مبنی ہوتے ہیں، اور روایت کرنے والے کے سامنے، یہ وعید ہوتی ہے، کہ "من کذب علی معتمداً فلیتبوء مقعدہ فی النار" یعنی میرے بارے میں جو دروغ گوئی سے کام لے اسے چاہیئے کہ جہنم میں اپنا گھر بنا لے۔ اس لئے حدیث کے بارے میں تو بہت زیادہ احتیاط راویوں نے برتی لیکن اس احتیاط کے باوجود وضّاعین حدیث کافی تعداد میں

پیدا ہوئے، اور انہی کے شر سے بچنے کے لئے اسماء الرجال جیسا عظیم ذخیرہ وجود میں آیا، جس کے بارے میں مشہور جرمن مستشرق، ڈاکٹر اسپرنگر نے، "الاصابہ" کا ایک قدیم نسخہ تصحیح کرنے کے بعد شائع کرتے ہوئے اپنے مقدمہ میں لکھا تھا:۔

"نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری، نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال سا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے"۔

لیکن سیرت میں، بہت سے واعظ، اور موقع پرست کھل کھیلے، اور انہوں نے سیرت نبویؐ کے بیان کرنے میں اور سیرت کے سلسلہ میں روایتیں پیش کرنے میں بہت زیادہ مبالغہ اور رنگ آمیزی سے کام لیا، واقدی کی روایات، اپنی تمام ادبی اور تخیلی خوبیوں کے باوجود اسی لئے ثقات کے دربار میں بار نہ پا سکے، اور ایک واقدی کیا، اس طرح کے تمام رواۃ کو مجہول اور متروک قرار دے دیا گیا، جس قوم نے اپنے نبیؐ کے اقوال کی روایت میں اس درجہ احتیاط سے کام لیا تھا، کیونکر ممکن تھا کہ وہ اس کی سیرت اور سوانح کے باب میں بے احتیاطی برتتی؟ چنانچہ سیرت کے سلسلہ میں بھی بہت زیادہ چھان بین کی گئی، اور وہی روایتیں قبول کی گئیں، جو درایت کی کسوٹی پر اُتریں، اور جن کے راوی جرح کے میدان سے صاف نکل آئے، کوئی شبہ نہیں، ایسی روایتوں کا جانچنا اور پرکھنا بہت مشکل کام ہے، بہت زیادہ احتیاط اور دیدہ ریزی کا کام ہے، لیکن سیرت نبویؐ کا لکھنا کون سا آسان کام ہے، جسے یہ منزل صعب طے کرنی ہے، وہ یہ کڑیاں بھی ہنسی خوشی جھیل لے گا۔

ان اصولوں کو بیان کرنے کے بعد اب ہم اپنے اصل موضوع پر آتے ہیں۔

وجہ تسمیہ و حدود اربعہ!

عرب ــــــ اِس نام کا مفہوم اور مطلب کیا ہے، مورخین نے، اس سلسلہ میں کافی ذہانت اور عرق ریزی سے کام لیا ہے، بہت سی توجیہیں کی ہیں اور انہیں اقرب الی الصواب قرار دینے کی کوشش کی ہے، لیکن ان توجیہات میں زیادہ تر دُور از کار اور بعید از قیاس ہیں، ان سب میں جو توجیہہ، بہت زیادہ قرینِ عقل اور قرینِ قیاس ہے، اور السنہ سامیہ سے مطابقت رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ عرب کے معنی ہیں دشت و صحرا، یہ توجیہہ حقیقت نفس الامری سے بہت قریب ہے، قیاس اور عقل بھی اسی کی تائید میں ہیں، لہٰذا اسی کو صحیح سمجھنا چاہیئے۔

عرب کا رقبہ تقریباً ۱۲ لاکھ مربع میل ہے، عرض تقریباً ۶ سو میل اور طول تقریباً ۱۵ سو میل، عرب کا بہت بڑا حصہ صحرائے بے آب و گیاہ ہے، یکسر ریگ زار اور بنجر، یہی وجہ ہے کہ عرب، حضریت سے بہت کم آشنا ہوئے، اور بدویت کے خوگر ہو گئے۔ ان کی زندگی زیادہ تر خانہ بدوشی کے عالم میں گزرتی رہی۔

حدُودِ اربعہ!

مغرب میں بحرِ قلزم، مشرق میں خلیج فارس، جنوب میں بحرِ ہند، شمالی حصہ خشکی پر مشتمل ہے۔ اور یہ شام و عراق سے متصل ہے، گویا تین طرف سمندر ہے، اور ایک طرف خشکی، اسی لئے اسے جزیرہ نہیں، جزیرہ نما کہتے ہیں۔

عرب کی حیثیت!

عرب اپنی حیثیت، صلاحیت اور محلِ وقوع کے لحاظ سے ایک عجیب و غریب جگہ ہے

عرب کا غالب ترین حصّہ دشت و جبل اور کوہ و صحرا پر مشتمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ خطہ ہمیشہ تہذیبِ عصری سے بیگانہ اور الگ رہا، لیکن قدرت نے، اس کے بعض حصوں کو سرسبزی اور شادابی بھی عطا فرمائی ہے، زرخیزی اور شادابی کے آثار بھی جستہ جستہ پائے جاتے ہیں، سبزہ و نخلستان کی جلوہ ریزی بھی، صحرانوردوں اور بادیہ پیماؤں کے لئے وجہ جذب و کشش ہے۔

معاون کے سلسلہ میں بھی قدرت نے عرب کے ساتھ خاص فیاضی روا رکھی ہے سونے اور چاندی کی کافی کانیں ہیں لیکن زیادہ تر اچھوتی، وہاں تہذیبِ جدید کے اثرات اب تک پورے طور پر نہیں پہنچ سکے، یہی وجہ ہے کہ قدرت کی دی ہوئی نعمتوں سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھایا جا سکا، دنیا کو بالخصوص، بڑی حکومتوں کو، سونے چاندی سے زیادہ، پٹرول کی ضرورت ہے، دنیا کی ترنگ اور اُمنگ اسی شرابِ دو آتشہ سے قائم ہے، اور عرب کی زمین، پٹرول کا گنجینہ اور خزینہ ہے، دُنیا میں جتنا پٹرول پایا جاتا ہے، اس کا بڑا اور معقول حصّہ عرب کے دامن میں ہے جس پر استعماری حکومتوں کی للچائی ہوئی نظریں پڑتی رہتی ہیں۔ برطانیہ کو شرقِ اردن اور عراق و موصل سے، فرانس کو شام و لبنان سے، امریکہ کو سعودی عربیہ سے، جو اتنی غیر معمولی دلچسپی ہے اس کا راز یا پٹرول ہے، یا محلِ وقوع، جس کے پاؤں یہاں جم گئے، مشرق اس سے بے نیاز نہیں رہ سکتا، وُہ مشرق کو متاثر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

عربوں کا وسیلہ معاش !

عرب چونکہ زرعی ملک نہیں ہے، جہاں کھیتی باڑی ہو سکے، صنعتی ملک بھی کبھی نہیں رہا کہ وہاں کارخانوں اور ملوں کا جال پھیلا ہوتا، اپنے معادن اور قدرتی ذخائر سے بھی اس نے کبھی خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھایا کہ وُہ خود کفیل ہوتا، اور اپنی اقتصادی حالت مضبوط و مستحکم بنا سکتا

یہی وجہ تھی کہ عربوں کا ذریعۂ آمدنی اور وسیلۂ معاش، بعثت اسلام سے پہلے پہلے یا غارت گری اور لوٹ مار تھا، یا تجارت، زیادہ تر لوٹ مار سے کام چلتا تھا، کچھ قبیلے تجارت سے بھی فائدہ اٹھاتے تھے، اور اسی شغل میں زندگی بسر کرتے تھے، عرب تاجروں کے قافلے بڑے من چلے ہوتے تھے، اسلام سے پہلے ان کی تگ و دو زیادہ تر شام اور آس پاس کے دوسرے علاقوں تک تھی، اور اسلام کے بعد وُہ اپنا مال تجارت لے کر چین، افریقہ، مالابار اور ساحل ہند تک پہنچتے تھے، اور اسی معیشت کو، مدارِ حیات بنائے ہوئے تھے۔

جس طرح خود عرب سادہ مزاج اور سادہ طبع تھے، سادگی کی زندگی بسر کرتے تھے، اسی طرح ان کی تجارت بھی، بہت سادہ چیزوں پر مشتمل ہوتی تھی، سونا، چاندی، نافہ ہائے مشک، تیل پھلیل، یمنی چادریں، یہ اور اسی طرح کی چیزیں لے کر، راستے کے خطرات کا مقابلہ کرتے ہوئے دُور دراز مقامات تک پہنچتے تھے، اور اپنی روزی کما کر اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ بھرتے تھے۔

عرب کا عہدِ قدیم !

عربوں کے عہدِ قدیم کی تاریخ کا اندازہ لگانا آسان نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں خواہ کتنی

ہی کاوش کی جائے جو مواد حاصل ہوگا وُہ اندازہ اور قیاس کی حد سے گزر کر علم اور یقین کی منزل تک نہیں پہنچے گا۔

عہدِ قدیم کی تاریخ کا ماخذ، عہدِ جاہلیت کے اشعار، قدیم ترین کتبات، کھنڈرات اور آثارِ قدیمہ، اساطیر اور کہانیاں، داستانیں اور افسانے، بس یہی کچھ ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔

اس ماخذ کو پیشِ نظر رکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ عہدِ قدیم میں عرب اپنا ایک مخصوص تمدن رکھتا تھا، اور وُہ تمدن بہتر اور برتر تھا۔ اس دورِ تمدن وارتقا میں عربوں نے فارس کے متعدد مقامات پر فاتحانہ قبضہ کر رکھا تھا، اپنے محلات اور قلعے تیار کر لئے تھے، ان قصور وایوان کے آثار ونقوش اب تک موجود ہیں مستشرقینِ یورپ اور محققینِ فرنگ نے انہی چیزوں کو سامنے رکھ کر یمن کے تمدن کی برتری کا اعتراف کیا ہے، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالات بھی ہمارے اس خیال کی تائید میں ہیں، اور آثار البلاد (قزوینی) کا مطالعہ بھی، اس حقیقت کے بہت سے شواہد پیش کرے گا۔

ایک اہم فرق!

بلاشبہ عرب، اپنے دورِ تمدن میں بہتر اور برتر تھے، لیکن یہ بہتری اور برتری سارے عرب پر حاوی نہیں تھی، یہ تمدن وحضارت کا دور، صرف انہی علاقوں تک محدود تھا، جو متمدن، مہذب اور ثقافتی علاقوں سے قریب اور متصل تھے، ورنہ سارے عرب میں اس کی کارفرمائی نہ تھی، شام وایران سے جو عرب علاقے ملحق تھے، وہاں حضارت بھی تھی اور ثقافت بھی، اور اصل عرب، جسے ہم اندرونِ عرب سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں، تہذیب سے دُور، تمدن

سے ناآشنا، حضارت سے بیگانہ، اور ثقافت سے الگ تھا، وُہ بادیہ کے سوا کچھ نہ تھا، بقولِ حالی ؂

زمیں سنگلاخ اور ہوا آتش افشاں — لوؤں کی لپیٹ بادِ صرصر کے طوفاں
پہاڑ اور ٹیلے، سراب اور بیاباں — کھجوروں کے جُھنڈ اور خارِ مغیلاں
نہ کھیتوں میں غلّہ نہ جنگل میں کھیتی
عرب، اور کل کائنات اُس کی یہ تھی

عربوں کی زباں آوری مسلّم ہے، وُہ اپنے سوا، ساری دنیا کو عجمی (گونگا) سمجھتے تھے، اور واقعہ بھی یہ ہے کہ ان کی طاقتِ لسانی اور فصاحتِ بیان کا کوئی حریف نہ پیدا ہو سکا، مترادفات کی کثرت کا یہ عالم کہ ایک ایک لفظ کے لئے درجنوں بلکہ سینکڑوں الفاظ موجود لیکن یہ مترادفات زیادہ تر ان اشیا کے ہیں جو عام طور پر برتی جاتی تھیں، مثلاً گھوڑا، اونٹ، یا جن سے عام طور پر سابقہ رہتا تھا، جیسے شیر، بلّی، لیکن وُہ چیزیں جو تہذیب و تمدّن کی نشانی ہیں، نہ صرف یہ کہ ان کے مترادفات نہیں بلکہ وہ خود سراپا مستعار ہیں، مثلاً چراغ سے سراج بنا لیا، لوٹا، پاجامہ اور کرتہ تک کے لئے جو الفاظ ہیں وُہ خالص عرب نہیں، معرّب، سکّہ کے لئے بھی خالص عربی الفاظ نہیں ملیں گے، وُہ بھی زیادہ تر معرب ہیں۔

ادیانِ عرب!

آغازِ اسلام تک، عرب مختلف مذاہب و ادیان کا گہوارہ رہا ہے، وُہ توحید کے سوا ہر عقیدہ کو اپنے دامن میں سمیٹنے کی اہلیت رکھتا تھا، درحقیقت عرب قدیم کی وہی صورت تھی، جو ہند

میں ہندویت کی تھی، ایک لامذہب، مُلحد، زندیق، منکرِ توحید، نیم موحد، سبزی خور، گوشت خور، بہت سے بتوں کو پوجنے والا، خدا کو بالکل نہ ماننے والا ہندو ہے، اگر وُہ ہندو سماج کا ایک فرد بن کر رہتا ہے، اِسی طرح عرب قدیم کا حال تھا، ہر عقیدہ کا فرد، عرب قومیت کا ایک جزو تھا، اگر، وُہ عرب سماج کا ایک جزو بن کر زندگی بسر کرتا تھا، اسلام نے سب سے پہلی مرتبہ اس قلعہ کو ڈھایا، اور سماج و قومیت کے بجائے، مذہب اور عقیدہ کو، بنیاد و اساس قرار دیا۔

بہر حال اسلام سے پیشتر، عرب میں متعدد مذاہب کا سکّہ چلتا تھا، عیسائیت بھی تھی، یہودیت بھی موجود تھی۔ مجوسیّت کے پاؤں بھی جمے ہوئے تھے، کچھ ایسے بھی تھے جو ایک خدا پر عقیدہ رکھتے تھے، کچھ ایسے بھی تھے، جو سرے سے خدا کے منکر تھے، لیکن سکّہ رائج الوقت بُت پرستی تھا، بُت پرستی عربوں کی رگ رگ اور نس نس میں سمائی ہوئی تھی، بت پرستی کے فروغ کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ گو وہاں عیسائیت اور یہودیت موجود تھی، لیکن بجائے اس کے کہ ان مذاہب نے عرب کے بُت پرستوں کو، اپنے مذہب کی طرف مائل کیا ہوتا، یا اپنے مذاہب کی کچھ باتیں، ان میں رائج کر دی ہوتیں، خود بت پرستوں کی صحبت میں رہتے رہتے آدھے بت پرست بن گئے، یہ واقعہ ہے کہ بُت پرستی عیسائیت، یہودیت، مجوسیت، الحاد، لامذہبی اور توحید سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوئی، البتہ یہ عقیدے ---------- اپنی انفرادیت کے حفظ و بقا کے ساتھ ساتھ بُت پرستی سے بہت زیادہ متاثر ہوئے، اور خود اپنے ایمان، عقیدہ اور مذہب میں انہوں نے اتنی لچک پیدا کر لی کہ وُہ بھی اسی رنگ میں رنگ گئے۔

عربوں کے اوصاف وعادات !

عربوں میں تعلیم نام کو نہ تھی، ساری قوم تقریباً جاہل تھی، اسی لئے عرب قدیم کو عہدِ جاہلیت سے تعبیر کرتے ہیں، یہ جہالت علم کی بھی تھی، اور عمل کی بھی، عقیدہ کی بھی، اور ایمان کی بھی، خواندگی کا یہ عالم تھا کہ آغاز اسلام میں کُل سترہ آدمی ایسے تھے، جو کتابت جانتے تھے باقی سب امّی تھے، اس جہالت کا ایک فائدہ بھی تھا یعنی حافظہ غضب کا تھا، جو بات ایک دفعہ سن لی، حفظ ہو گئی، جو شعر سماعت میں آگیا، یاد ہو گیا، جو واقعہ سُنا، ازبر ہو گیا، افراد و قبائل سے قطع نظر مویشیوں اور جانوروں تک کے نسب نامے، پُوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ انہیں یاد تھے۔

بات کی پیچ !

وفا، عہد عربوں کا ایمان تھا، جو بات ان کے مُنہ سے نکل جائے، وُہ پتھّر کی لکیر بن جاتی تھی، بات کی پیچ میں وہ تباہ و برباد ہونا، ہلاک ہونا گوارا کر لیتے تھے لیکن اسے پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی انہیں یہ کہے کہ یہ قول کا کھوٹا ہے، اور اگر کسی سے ایسا جرم سرزد ہوتا تھا، تو شعرائے عرب اپنے اشعار میں اس کی ہجو کر کے اس کی زندگی اجیرن کر دیتے تھے۔

امان اور پناہ !

عرب جس شخص یا خاندان کو اپنے ہاں پناہ دیتے تھے، اس کی حفاظت آخری سانس تک کرتے تھے، اس کے لئے بڑی سے بڑی قوت سے ٹکرا جاتے تھے، اپنے خاندان کا برباد ہو جانا بھی ایک کھیل سمجھتے تھے۔

نعمان بن منذر، فرماں روائے حیرہ کی جب کسریٰ سے ٹھنی تو وہ بھاگ کھڑا ہوا، کسریٰ کی طلب کے باوجود اس کے پاس نہیں گیا، ہانی بن مسعود کے پاس پناہ گیر ہوا، ہانی نے اسے پناہ دی اور اس کے مال و اولاد کو اپنے ذمہ لے لیا۔ پھر کسریٰ نے ہانی سے یہ دونوں چیزیں طلب کیں، اس نے بے اندیشہ وسواس انکار کر دیا، اور وقت کی سب سے بڑی طاقت کے لئے یا دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے، مرنے اور مٹنے کے لیے تیار ہو گیا۔

مشہور شاعر امرا القیس نے اپنے سلاح جنگ، اور کچھ زرہیں سموال بن عادیا کے پاس امانۃً رکھوا دیں، حارث غسّانی نے مطالبہ کیا کہ یہ چیزیں اسے دے دی جائیں سموال نے بے دھڑک انکار کر دیا۔ وُہ فوج لے کر چڑھ آیا، یہ قلعہ بند ہو گیا، حارث نے قلعہ کے باہر اس کے بیٹے کو گرفتار کر لیا، اور سموال کو آواز دی، وُہ قلعہ کی دیوار پہ نمودار ہوا، حارث نے کہا، اب کیا کہتے ہو؟ اگر بات مان لو، تو یہ لڑکا تمہارے پاس پہنچ جائے گا۔ ورنہ اسے یہیں ہلاک کر دوں گا۔ سموال نے پھر بھی انکار کیا، اس نے وہیں اس کے سامنے لڑکے کو ہلاک کر دیا۔ مگر سموال کے ماتھے پہ بل بھی نہ آیا۔

ہر دو مذکورہ واقعات، کتاب الاغانی، اور دُوسری کتابوں میں بسط و تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔

تہوّر و شجاعت!

تہوّر اور شجاعت میں بھی عرب بے عدیل تھے، لڑنا مرنا، ان کا معمولی مشغلہ تھا، بڑی شان سے جان دیتے تھے، موت کی دہشت سے ذرا بھی متاثر نہیں تھے، جو آدمی ان کے ہاں

بستر علالت پر مرتا تھا، اسے وُہ حقیر سمجھتے تھے، جو میدانِ جنگ میں جان دیتا تھا، اس کی توقیر کرتے تھے، رحم سے ناواقف تھے، سنگ دلی ان کا جوہر تھا، ان کی لڑائی پشتوں اور نسلوں تک جاری رہتی تھی۔

ضیافت اور مہمان نوازی!

ضیافت اور مہمان نوازی میں سب سے آگے تھے، حاتم کا نام تو ضرب المثل بن چکا ہے، لیکن حاتم تو ایک مثالی نام ہے، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ ہر عرب، اس وصفِ خاص میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھا، غریب سے غریب عرب بھی، اپنی آخری پونجی مہمان پر قربان کر دینے میں تامّل نہیں کرتا تھا، وُہ عرب بڑا معزز سمجھا جاتا تھا، جس کے ہاں رات بھر آگ جلتی رہے، یعنی رات بھر بن جانے مہمانوں کا انتظار ہوتا رہے کہ وُہ آئیں، اور ان کے لئے فوراً اونٹنی ذبح کی جائے، اور فوراً اس کا گوشت بھون کر اُن کے سامنے رکھ دیا جائے۔

عصبیّت!

ان محاسن کے ساتھ ساتھ معائب بھی تھے، سب سے بڑا عیب عصبیّت کا تھا، وُہ اپنے سوا سب کو حقیر و ذلیل سمجھتے تھے، قبیلہ قبیلہ میں عصبیّت تھی، فرد اور شخص میں عصبیت تھی، یہی عصبیّت جنگ کی آگ بھڑکاتی تھی، اور دفعتہً پانی کی طرح خون بہنے لگتا تھا، اور اس کا سلسلہ بہت دنوں تک جاری رہتا تھا۔

انتقام!

انتقام لینے میں عرب بڑے چوکس تھے، بھول جانا اور معاف کر دینا تو گویا وہ جانتے

ہی نہیں تھے، باپ اگر انتقام نہیں لے سکا تو بیٹے کو وصیت کر جائے گا اور وُہ جوان ہو کر پہلا کام یہ کرے گا کہ باپ کا انتقام لے گا، بیٹا اگر انتقام نہ لے سکا کسی وجہ سے تو وہ مرتے وقت اپنے بیٹے کو وصیّت کر جائے گا، اور یہ اپنی جوانی کا افتتاح، دادا کا انتقام لے کر کریگا فرض کیجیے کسی استحالہ کی وجہ سے یہ بھی کامیاب نہ ہو سکا، تو یہ اپنے بیٹے کو وصیت کر جائیگا اور پرپوتا بڑا ہو کر اپنی جوانی کا ثبوت، پردادا کا انتقام لے کر دے گا۔

لڑکیوں سے نفرت !

سارے عرب میں تو نہیں، لیکن عرب کے اکثر حصہ میں لوگ داماد بننا باعثِ توہین سمجھتے تھے، وُہ پیدا ہوتے ہی لڑکیوں کو قتل کر دیتے تھے۔ ان میں کچھ ایسے بھی تھے، جو زندہ دفن کر کے اپنی بہادری کا ثبوت دیتے تھے، لڑکیوں کے لاگو باپوں میں ایسے لوگ بھی تھے، جو تنگ دستی اور مُفلسی کے باعث انہیں ہلاک کر دیتے تھے۔ ایسے ہی لوگوں کو قرآن نے "خشیۃ املاق" یعنی غربت کے ڈر سے قتل کرنے کو منع فرمایا ہے۔ اور جو لوگ بے گناہ بچیوں کو زیرِ زمیں دفن کر دیتے تھے انہی کے بارے میں قرآن نے کہا ہے۔ "واذا الموءودۃ سئلت بایّ ذنب قتلت" !

زناکاری !

زناکاری عام تھی، اور متعدد طریقوں سے رائج تھی، سوتیلی ماؤں تک سے مجامعت کی جاتی تھی، غیر عورتوں کو زنا کا تختۂ مشق بنایا جاتا تھا، کئی کئی بہنوں سے بیک وقت شادی کی جاتی تھی۔ بیویوں کی کوئی تعداد معیّن نہیں تھی، جتنی عورتوں سے مرضی ہو شادی کی

جا سکتی تھی، اسلام نے نمودار ہو کر ان برائیوں اور خرابیوں کا استیصال کیا اور حدود معیّن کیے۔

شراب نوشی!

عرب شراب بہت پیتے تھے، اور بے تکان پیتے تھے، اور اسے مجد و شرف میں شمار کرتے تھے، عرب جاہلیت کے شعراء نے اپنے قصیدوں اور شعروں میں شراب کی تعریف کے پل باندھے ہیں، جو عرب شراب نہیں پیتا تھا، وہ کم مایہ اور ہیچ سمجھا جاتا تھا۔

شراب نوشی کی عادت عربوں میں اس درجہ جڑ پکڑ چکی تھی کہ اور برائیوں کو تو اسلام نے فوراً ترک کرا دیا، لیکن شراب نوشی رفتہ رفتہ ترک کرائی، پہلے اس کی نماز کی حالت میں ممانعت کی "لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُکَارٰی" یعنی نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو، پھر اسے "رجس من عمل الشیطان" یعنی ناپاک، اور شیطانی کام قرار دیا، اور پھر باقاعدہ اس کی حرمت نافذ کر دی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ عادت کس درجہ مستحکم ہو چکی تھی۔

جوئے بازی!

جوا بھی خوب کھیلتے تھے، بازی بدتے تھے، شرط جیتتے اور ہارتے تھے۔ اور اس کام کو بھی فضائل اور حسنات میں شمار کرتے تھے، اس پر فخر کرتے تھے۔

شگون!

شگون لینے کے بھی عادی تھے، مختلف علامتوں سے اچھائی اور برائی، سفر و حضر، صحت و علالت، کامیابی اور ناکامی کے شگون لیا کرتے تھے، اور ان کی صحت پر کامل اعتقاد اور ایمان رکھتے تھے۔

ستارہ شناسی!

عربوں کی زندگی خانہ بدوشوں کی زندگی تھی، آج یہاں ہیں، کل وہاں، جہاں پانی دیکھا ٹک گئے، جہاں نخلستان نظر آیا کمر کھول دی، جہاں سبزہ دیکھا خیمہ نصب کر دیا، ان کی ساری زندگی سفر اور مسافرت میں بسر ہوتی تھی، چونکہ عرب ایک صحرائی ملک ہے، ریت کے سمندر میں انہیں شناوری کرنا پڑتی تھی، لُو اور دھوپ کی تپش سفر کو جاری رکھنے میں حائل ہوتی تھی، لہٰذا ان کا سفر زیادہ تر رات میں ہوتا تھا، جب ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چلتی تھیں، اور طبیعت کسل و ماندگی کے بجائے امنگ اور ترنگ پر مائل ہوتی تھی۔

اس زمانہ میں، نہ موٹریں تھیں، نہ ریل، نہ ہوائی جہاز، سفر، کم تر گھوڑے پر اور زیادہ تر اونٹ پر کیا جاتا تھا، وُہ دنیا تمدن، اور ارتقا کی دنیا نہیں تھی، نہ قطب نما تھا، نہ بیرومیٹر، لیکن انہیں لمبے لمبے سفر، رات کی تاریکی میں کرنے پڑتے تھے، ریت کے سمندر میں بھی، اور پانی کے سمندر میں بھی، وُہ ستاروں کو اپنا راہنما بناتے تھے، اور انہی کی رہنمائی میں سفر کے مراحل طے کرتے تھے۔

اسی وجہ سے عربوں نے ستارہ شناسی میں اور موسم کے پہچاننے میں غیر معمولی کمال حاصل کر لیا تھا، وُہ بغیر کسی ظاہری علامت کے محض اپنے تجربہ اور مشاہدہ کی رُو سے اندازہ لگا لیتے تھے، اب طوفان آنے والا ہے، اب آندھی آئے گی، اب پانی برسے گا، اور ان کا یہ فیصلہ کبھی غلط نہیں ہوتا تھا۔ اسی طرح وُہ ستاروں کو پہچانتے تھے، اور بحر و بر کے سفر کرتے تھے، عربوں کے اشعار میں اکثر ستاروں کے نام آتے ہیں، اس سے اندازہ ہوتا

کس درجہ ماہر تھے۔
ہے بلکہ وہ جاہل ہونے کے باوجود، اُن فنون میں جن کا تعلق ضروریاتِ زندگی سے تھا،

اغانی میں عربوں کی ستارہ شناسی، اور موسم شناسی کے بہت دلچسپ واقعات
پوری تفصیل کے ساتھ مندرج ہیں!

انسان کی حیثیت سے

اندھیرے میں اُجالا

ہوئے پہلوئے آمنہؓ سے ہویدا

دُعائے خلیل و نویدِ مسیحا

اسلام دُنیا کا پہلا مذہب ہے، جس نے اس جاہلانہ خیال کی بار بار تردید کی کہ نبی، رسول، پیغمبر، انسان سے ماورا اور فوق البشر ہوتا ہے، وُہ خدا کے نور سے پیدا ہوتا ہے، وُہ جزوِ خداوندی ہوتا ہے، اِسلام نے اِس حقیقت پر بہت زیادہ زور دیا، کہ عبدیت کا جہاں تک تعلق ہے، سب انسان برابر ہیں، خود نبی کریمؐ نے بھی بارہا اس حقیقت کو دہرایا "مَا اَنَا بَشَرٌ مِثْلُکُمْ" نبی کا اصل امتیاز یہ ہوتا ہے کہ وُہ نبی ہونے کی صلاحیت بدءِ فطرت سے لے کر آتا ہے، نبوت کے منصب پر فائز ہونے سے پیشتر بھی اس سے کوئی گناہ کبیرہ سرزد نہیں ہوتا۔ اس سے کوئی ایسی بات رونما نہیں ہوتا، جو مجدِ انسانی کے خلاف ہو، اور نبوت کے منصب پر فائز ہونے کے بعد وُہ سب سے بہتر اور برتر انسان بن جاتا ہے، اس کا کردار بہت زیادہ محکم ہوتا ہے، اس کی سیرت سب سے زیادہ پاکیزہ ہوتی ہے، اس کے اخلاق و

عادات میں بہت زیادہ رفعت اور طہارت ہوتی ہے، وُہ عبادت وریاضت سب سے زیادہ کرتا ہے، عام بندے ہرگز راہِ خدا میں وُہ صعوبتیں نہیں جھیل سکتے، جو وُہ ہنسی خوشی برداشت کر لیتا ہے، برداشت کر لیتا ہے اور اُف نہیں کرتا، وُہ کسی کا دشمن نہیں ہوتا، کسی کا دوست نہیں ہوتا، اس کی دوستی بھی خدا کے لئے ہوتی ہے اس کی دشمنی بھی خدا کے لئے۔

اب ہم رسالت مآبؐ کی حیاتِ طیبہ کے مختلف پہلوؤں کو پیش کرتے ہیں، اور سب سے پہلے، بہ حیثیت انسان کے آپ کی جو منزلت تھی، اسے نظر کے سامنے لاتے ہیں۔

سلسلۂ نسب اور خاندان!

آپ کا مختصر سلسلۂ نسب یہ ہے:۔

محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصیٰ، عبداللہ کئی بھائی تھے، اور سب بھائی مختلف حیثیتوں سے نامور تھے، مثلاً حضرت عباس، حضرت حمزہ اور ابوطالب، عبداللہ سب سے چھوٹے، اور باپ کے چہیتے تھے، نوجوانی کے عالم میں انتقال ہوا۔ باپ کے انتقال کے بعد آپؐ تولد ہوئے۔ دادا نے محمدؐ نام رکھا، ماں یعنی حضرت آمنہؓ نے ایک بشارت کی بنا پر احمدؐ نام تجویز کیا۔ حق یہ ہے کہ آپ احمدؐ بھی تھے اور محمدؐ بھی۔

عرب مستعربہ!

عرب کی متعدد قسمیں ہیں۔

ایک قسم تو اُن اقوام وقبائل پر مشتمل ہے جو ہلاک اور برباد ہوگئیں، مثلاً طسم اور

جدیس دُوسری قسم میں خالص عرب ہیں، یہ نہ باہر سے آئے نہ باہر گئے، عرب ہی میں رہے، انصار اور اہلِ یمن اسی سلسلہ کی کڑی ہیں، تیسری قسم عرب مستعربہ کہلاتی ہے۔ یہ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد ہے، حضرت اسمٰعیلؑ باہر سے آئے۔ عرب میں مقیم ہو گئے، بنو جرہم میں آپ نے شادی کی، آج کے عرب کا بہت بڑا حصّہ عرب مستعربہ یعنی اولادِ اسمٰعیل ہی ہے

ماضی کی طرف!

عرب مستعربہ کو برسرِ اقتدار، اور برسرِ حکومت لانے والے قصیٰ تھے، یہ ڈوبتے ہوئے اسماعیلی خاندان کے مہرِ منیر تھے، بنو جرہم نے بنو اسمٰعیل کو مکّہ سے نکال دیا تھا۔ اس لئے کہ بنو اسمٰعیل، وثنیت یعنی بت پرستی میں ان کے شریک نہ ہوئے، انہیں اپنی توحید پر اصرار رہا لیکن قصیٰ نے اس خاندان کو جو بنو جرہم کی دراز دستیوں کا ہدف تھا، پھر ابھارا، بڑھایا، پھیلایا، اور حکومت کے تخت پر پہنچا دیا۔ قصیٰ نے مکّہ پر قبضہ کرنے کے بعد متعدد اصلاحات نافذ کیں، مثلاً

(۱) رفادہ ——— یعنی غریب حجاج کی خبر گیری۔

(۲) سقایہ ——— یعنی حجاج کو پانی پلانے کا انتظام۔

(۳) حجابتہ ——— یعنی کعبہ کی کلید برداری اور تولیت۔

(۴) دارالندوہ ——— یعنی اسمبلی جہاں سیاسی صلاح و مشورہ کا کام ہوتا تھا۔

ولادت و طفولیت!

تاریخِ ولادت میں اختلاف ہے، لیکن کثرتِ آرا، اس طرف ہے، کہ آپ ۹ ربیع

ربیع الاوّل کو، اور بعض دُوسری ثقہ روایتوں کے بموجب ۱۲؍ ربیع الاول کو پردۂ عدم سے عالم وجود میں آئے۔ دوشنبہ کا مبارک دن تھا، آپ کی ولادت کا وہی سال تھا، جو کہ ابرہہ کی فوج کشی کا تھا، جب وُہ اپنے ہاتھیوں کی فوج لے کر چڑھ دوڑا تھا، عیسوی سال کے لحاظ سے ۱۰؍ اپریل ۵۷۱ء یا ۲۰؍ اپریل ۵۷۱ء ہوئی۔

عبدالمطلب، پوتے کی پیدائش سے بہت خوش ہوئے، ان کی گود میں ایک یتیم بچہ تھا، لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ مشرق و مغرب کی بادشاہت اس کے مُبارک قدموں کے نیچے ہوگی، سعادت و برکت اس کے سر پر سایہ فگن ہے، اور انسانیت کی فلاح اور انسانیتِ کبریٰ کا وجود، اسی پر منحصر ہے، جوشِ مسرّت میں نام محمدؐ رکھا، بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ یہ نیا نام کیسا؟ خاندانی ناموں کے طرز و اسلوب سے انحراف و اعراض کیوں؟ جواب دیا "تاکہ وُہ سزاوارِ ستائش رہے۔" اور کون کہہ سکتا ہے عبدالمطلب کی یہ تمنّا پوری نہ ہوتی؟

ابوطالب کا دَور!

شرفاء مکّہ کے عام اصول اور رواج کے مطابق آپ حلیمہؓ کے سپرد کر دیئے گئے کہ بادیہ میں رہیں، اور وہیں پروان چڑھیں۔ ہر چھ مہینے کے بعد وُہ آتی تھیں اور ماں کی مشتاق نگاہوں کو دیدار کا شربت پلا جاتی تھیں، ماں کی ٹوٹی امیدوں کا یہی سہارا اور بیوگی کی تاریک راتوں کا یہی چاند تھا۔

لیکن قدرت خود جن افراد کی تربیت اور نگہداشت کرتی ہے، انہیں ظاہری اور مادی وسائل سے بالکل محروم کر دیتی ہے، ابھی آپ نے زندگی کی صرف چار بہاریں دیکھی

تھیں کہ محبت کرنے والی ماں کو بھی پیامِ اجل آگیا، اب بوڑھے دادا نے اس معصوم بچّہ کو عصائے پیری بناکر پروان چڑھانا شروع کیا۔ اور چار سال کے بعد، جب کہ آپ کی عمر صرف آٹھ سال کی تھی، وُہ بھی ۸۲ سال کی عمر میں داغِ مفارقت دے گئے، اب ماں، باپ اور دادا کی محبت جس ایک دل میں سماگئی وُہ ابوطالبؓ تھے۔ انہوں نے اپنے ننھے اور یتیم بھتیجے کو آغوشِ محبت میں پالنا شروع کیا۔

ابوطالبؓ کی محبت!

ابوطالبؓ حضرتؐ سے بہت محبت کرتے تھے، اپنی اولاد سے بھی زیادہ ساتھ لے کر سوتے، باہر جاتے تو بھی ننھا بھتیجا ساتھ ہوتا، اس شفقت و محبت کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ بھی چچا سے بہت مانوس ہوگئے اور بڑی محبت کرنے لگے۔

آپ کی عمر ۱۲ سال کی تھی کہ حسب دستور ابوطالبؓ نے کاروباری سفر کی تیاری شام کے لئے شروع کردی، راستہ کی تکالیف کے خیال سے آپ کو ساتھ لے جانے کا ارادہ نہیں تھا، لیکن جب رختِ سفر باندھ کر چلنے لگے، تو آپ ان سے لپٹ گئے، اور ساتھ چلنے کے لئے مچل گئے، ابوطالبؓ اپنے محبوب بھتیجے کی دل شکنی نہ کرسکے، اور سفر پر ساتھ لے گئے۔

بچپن میں آپ کا زیادہ وقت بکریاں چرانے میں صرف ہوتا تھا۔ تعلیم و تعلّم کا عرب میں رواج نہیں تھا، لہذا آپ کی تعلیم کا سوال بھی نہیں پیدا ہوا، بکریاں چرانے کے سوا جو وقت بچتا تھا، وہ آپ چچا کے کاموں میں ہاتھ بٹانے میں صرف کرتے تھے۔

جنگ فجار!

عرب بڑے جنگ جُو تھے، ذرا ذرا سی بات پر تلوار سُونت لیتے تھے، مولانا حالی نے اپنے مسدّس میں اسی کا نقشہ کھینچا ہے ؎

کہیں تھا مویشی چرانے پہ جھگڑا　　کہیں پہلے گھوڑا بڑھانے پہ جھگڑا
لبِ جُو کہیں آنے جانے پہ جھگڑا　　کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا

یونہی روز ہوتی تھی تکرار ان میں
یونہی چلتی رہتی تھی تلوار ان میں

ایک مرتبہ قریش اور قیس کے قبیلوں میں ٹھن گئی، قریش کے سب خاندانوں نے اس جنگ میں جوش و خروش سے شرکت کی، ہر خاندان کی صف جدا جدا تھی، ہاشم کے خاندان کا پرچم زبیر بن عبدالمطلب کے ہاتھ میں تھا، یہ سب سے پہلی جنگ ہے، جس میں آپ نے بھی اپنے خاندان کی طرف سے شرکت کی، لیکن آپ جنگ و جدل سے طبعاً نفور تھے، لہذا آپ نے اس میں کوئی خاص عملی حصّہ نہیں لیا، یہی جنگ، حرب فجار کے نام سے مشہور ہے، اس جنگ میں آپ کی عمر ۱۵ سال کی تھی، دشمنوں کے جو تیر آ آ کر گرتے تھے، آپ انہیں سمیٹ لیتے تھے، اور اپنے چچاؤں کو دے دیتے تھے کہ وُہ ان کا استعمال کریں، بڑے زور کا رَن پڑا پہلے قیس غالب آئے، پھر قریش! قریش کا سردار حرب بن امیہ تھا جو امیر معاویہ کا دادا تھا۔

آپ نے اگرچہ اس جنگ میں شرکت کی لیکن خود کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا اس جنگ

کو حربِ فجار کا نام اس لئے دیا گیا کہ یہ ایامِ حرام میں پیش آئی، اور ایامِ حرام جنگ کرنا عربوں کے طے شدہ اصول کے مطابق ناجائز تھا۔

حلف الفضول!

حرب فجار کا خاتمہ صلح پر ہوا۔ یہ جنگ اپنے اثرات کے اعتبار سے کافی خطرناک تھی، لیکن اس کا ایک خوشگوار پہلو بھی تھا۔

خدا شرّے برانگیزد کہ خیرے ما دراں باشد!

اِس جنگ کا ایک اچھا نتیجہ یہ نکلا کہ ظلم و زیادتی کے خلاف دلوں میں کھٹک شروع ہوگئی، اور آخرکار زبیر بن عبد المطلب کے حسب منشا ایک قرارداد پر عرب کے سربرآوردہ قبائل نے اتفاق کر لیا کہ ہر مظلوم کی خواہ کسی قبیلہ سے تعلق رکھتا ہو، حمایت کی جائے اور کسی ظالم کو مکہ میں نہ رہنے دیا جائے، اِس معاہدہ میں آپ بھی شریک تھے، اور ہمیشہ آپ کو اس پر فخر رہا اور آپ اسے سراہتے رہے۔

اِس معاہدہ کو حلف الفضول اِس لئے کہتے ہیں کہ بنو جرہم کے دَور میں پہلے بہل جن لوگوں کے ذہن و دماغ میں یہ بات آئی، ان سب کے ناموں کا مادہ "فضل" تھا۔ وہ پہلا معاہدہ رائگاں گیا، اور یہ دوسرا معاہدہ برسرِ کار آیا۔

کعبہ کی از سرِ نو تعمیر!

قدامت اور کہنگی کے باعث، قریش نے کعبہ کی عمارت از سرِ نو تعمیر کرنے کا کام شروع کیا، عمارت بن گئی، اب وقت آیا، کہ حجرِ اسود، اپنے سابقہ مقام پر آویزاں کیا جائے،

یہ مسئلہ نزاعی بن گیا، ہر قبیلہ کا سردار چاہتا تھا کہ یہ شرف مجھے حاصل ہو، آخر تلواریں سونت لی گئیں، قریب تھا کہ ایک نئی اور خونریز جنگ شروع ہو جائے کہ ابوامیہ بن مغیرہ کی دانشمندی کام آئی، اور اس کی رائے کے مطابق یہ طے پایا کہ کل صبح جو شخص سب سے پہلے حرم کعبہ میں داخل ہو، وہی ثالث مان لیا جائے، اور اس کا فیصلہ سب تسلیم کر لیں، سویرے سویرے سب سے پہلے جو ہستی جلوہ فرما ہوئی وُہ آنحضرت ؐ تھے، آپ نے چادر بچھا کر حجرِ اسود رکھ دیا، اور سرداروں سے کہا کہ وُہ اس کے کونے پکڑ لیں، اس طرح سب کو شرکت کا موقع مل گیا، اور سب ساتھ ساتھ اٹھا کر لے چلے، مقام پر پہنچ کر آپ نے اپنے دستِ مبارک سے حجرِ اسود اٹھایا اور نصب کر دیا، آپ کی حسنِ تدبیر نے ایک طرف تو ہولناک جنگ کا امکان ختم کر دیا، اور دوسری طرف سب کو شریکِ سعادت ہونے کا موقعہ دے دیا۔

صلی اللہ علیہ وسلّم

محبُوبیّتِ عامہ!

آپؐ کی زندگی بچپن سے طیّب و طاہر تھی۔ آپ کا کوئی دشمن نہ تھا، آپ کسی کے دشمن نہ تھے، آپ کی حق گوئی راست بازی، دیانت و امانت، شرافت و وجاہت کے عزیز دوست اپنے بیگانے سب قائل تھے۔ آپؐ کے اجلال و احترام میں سب کی گردنیں جھکتی تھیں خواہ وُہ آپ سے بڑے ہوں یا چھوٹے، دوست ہوں یا ساتھی۔

یہی وجہ ہے کہ جب آپؐ نے نبوت کا اعلان کیا تو جو لوگ آپؐ کی دعوت پر لبیک نہیں کہہ سکے، وُہ بھی آپؐ کے تقدس اور سچائی کے باعث آپؐ کا احترام کرتے تھے، او

اِس دعوے کی بہترین مثال، ابوطالبؓ کا وجود ہے!

ابوطالبؓ اپنے قدیم مذہب پر قائم تھے؟ اور اس قدیم مذہب کو بیخ و بُن سے اُکھاڑ پھینکنے والا، جاہلیت، بت پرستی اور کفر کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرنے والا مجاہد ابوطالب کے گھر میں، ابوطالب کی گود میں پروان چڑھ رہا تھا، وُہ مجبور رہتے کہ اس سے محبت کریں، اسے چاہیں، اس کے لئے سینہ سپر ہوں، اس کے مخالفوں اور دشمنوں کیلئے سدِّ سکندری ثابت ہوں، اس موقع پر دو واقعات کا ذکر ضروری ہے:۔

(۱) آنحضرتؐ کی صداقت و نبوت پر بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے ابوطالب کے لختِ جگر حضرت علیؓ تھے، حضرت علیؓ نے آنحضرتؐ کا "نیا دین" چھپ چھپا تے اختیار کر لیا ایک دفعہ آپ کسی درّہ میں پوشیدہ طور پر نماز پڑھ رہے تھے، آپؐ امام تھے اور حضرت علیؓ مقتدی، اتفاقاً ابوطالبؓ کا ادھر سے گزر ہوا، وُہ یہ عجیب اور انوکھا طریقِ عبادت دیکھ کر متحیر ہوئے، نماز کے بعد سوال کیا۔

"یہ کون سا دین ہے؟"

آپؐ نے فرمایا

"ہمارے جدِّ اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ کا دین!"

ابوطالبؓ نے کہا

"میں خود تو یہ دین نہیں اختیار کر سکتا لیکن تم مجاز ہو، کوئی شخص تمہارے آڑے نہ آ سکے گا"

حضرت علیؓ کو بھی آپ نے ممانعت نہیں فرمائی، اور وُہ باقاعدہ دینِ اسلام کے پیرو بنے رہے۔

(۲) پھر جب "اسلام" کا چرچا پھیلا، اور شر انگیزوں کی ایک جماعت "داعیِ اسلامؐ" کی جان لینے پر تل گئی تو ابوطالبؓ کو اندیشہ پیدا ہوا، قبائل عرب کہیں حمیت مذہبی سے بے خود ہو کر حملہ نہ کر دیں، ابوطالبؓ نے ایک معرکہ آرا قصیدہ موزوں کیا، اس قصیدہ میں آپ نے حرم محترم کی حرمت اور اپنے خاندان کی شرافت کو خاص طور پر نمایاں کیا، پھر آنحضرتؐ کی دیانت اور صداقت کی مدح کی، اور کہا، "ہم محمدؐ پر ایمان نہیں لائے ہیں، لیکن جب تک دم میں دم ہے، ان کی حفاظت کریں گے اور انہیں کسی قسم کی ایذا نہیں پہنچنے دیں گے"! اس قصیدہ کا ایک شعر خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

وَنُسْلِمُہٗ حَتّٰی نُصَرَّعَ حَوْلَہٗ

وَنَذْهَلُ عَنْ اَبْنَائِنَا وَالْحَلَائِلِ

یعنی "ہم محمدؐ کو دشمنوں کے سپرد صرف اسی وقت کر سکتے ہیں جب ہم لڑتے لڑتے ان کے جلو میں مر جائیں، اور اپنے بیٹوں اور بیویوں سے بھلا نہ دیئے جائیں"!

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابوطالبؓ کے دل میں آپ کی کتنی محبت اور وقعت تھی؟

ایّامِ شباب!

تجارت، تاہّل، حیاتِ عائلی!

سنِّ رُشد کو پہنچنے کے بعد آپؐ نے اپنا وسیلۂ حیات تجارت کو بنایا۔ قریش کا پیشہ تجارت ہی تھا، آپؐ کے خاندان میں بھی یہی پیشہ چلا آرہا تھا، ابوطالبؓ کے ساتھ آپ نے عہدِ طفولیت میں کئی سفر کئے، اور وُہ سب تجارتی تھے، تجارت کی غرض سے آپؐ نے یمن اور شام وغیرہ کے بھی کئی سفر کئے۔

تجارت شروع کرنے سے پیشتر ہی آپؐ کی امانت اور دیانت کا سکّہ لوگوں کے دلوں پر بیٹھ چکا تھا۔ رائے عامہ نے آپؐ کو "امین" کا خطاب دے رکھا تھا، تجارتی ساکھ میں سب سے زیادہ جو چیز اہمیت رکھتی ہے وُہ وعدہ کا پاس اور امانت داری ہے اور یہ دونوں جوہر منصبِ نبوت پر فائز ہونے سے پیشتر ہی آپؐ میں موجود تھے، ایک صحابیؓ کا بیان ہے کہ میں نے آپؐ سے کچھ کاروبار کیا، معاملہ تکمیل تک نہیں پہنچا تھا کہ میں پھر آنے کا وعدہ کر کے

رخصت ہوگیا، تین دن تک اپنا وعدہ مجھے یاد نہ آیا، تین دن کے بعد یاد آیا تو دوڑا دوڑا گیا آپؐ وہیں تشریف فرما تھے، نہ غصّہ فرمایا، نہ برہمی کا اظہار کیا، کہا تو صرف اتنا "تم نے مجھے بڑی تکلیف دی، تین دن سے میں یہیں بیٹھا تمہارا انتظار کر رہا ہوں!"

آپؐ کی دیانت اور امانت سے متاثر ہو کر، حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو پیام بھیجا، کہ ان کا مال تجارت لے کر دورے پر جائیں، نفع کا جو حصّہ میں دوسروں کو دیتی ہوں آپؐ کو اس کا دوگنا دوں گی۔ آپؐ نے یہ دعوت قبول کر لی اور خدیجہؓ کا مال تجارت لے کر بصرے تشریف لے گئے۔ حضرت خدیجہؓ آپؐ کی دور کے رشتہ سے عزیزہ دار تھیں، بہت دولتمند تھیں، اہلِ مکّہ کے کاروانِ تجارت میں تمام قریش کا جتنا سامان ہوتا تھا تنہا خدیجہؓ کا ان سب کے برابر، حضرت خدیجہؓ بھی بڑے پاک خصائل کی بی بی تھیں اسی لئے لوگوں نے آپ کا نام طاہرہ رکھ دیا تھا۔ اس سفر میں خدیجہؓ کا غلام میسرہ بھی ساتھ تھا، اس تجارت میں امید سے زیادہ نفع ہوا، حضرت خدیجہؓ آپ کی اس کارگزاری سے بہت زیادہ مسرور اور متاثر ہوئیں۔

حضرت خدیجہؓ سے شادی!

حضرت خدیجہؓ بیوہ تھیں، اس سے قبل آپ کی دو شادیاں ہو چکی تھیں، حضرت خدیجہؓ آپ کی ذات ستودہ صفات سے اس درجہ اثر پذیر ہوئیں کہ خود آپؐ کے پاس پیام نکاح بھیجا، اس وقت آپ کی عمر صرف ۲۵ سال کی تھی، اور حضرت خدیجہؓ زندگی کی چالیس بہاریں دیکھ چکی تھیں، بااین ہمہ آپؐ نے پوری بے لوثی اور بے نفسی سے یہ پیام قبول فرما لیا سادگی کے ساتھ یہ تقریب اتمام کو پہنچی، نکاح خوانی ابو طالبؓ نے کی۔ مہر پانچسو طلائی درہم

قرار پایا، حضرت خدیجہؓ کی پہلے دو شوہروں سے تین اولادیں تھیں، دو صاحبزادے، ایک صاحب زادی۔

شادی کے بعد آپؐ نے تجارت کا سلسلہ بھی کچھ کچھ جاری رکھا اور مختلف شہروں کا دورہ بھی فرماتے رہے، لیکن وقت کا بڑا حصہ اب عبادت و ریاضت میں بسر ہونے لگا، یہ دنیا کیا ہے؟ اس کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ راستی کیا ہے؟ باطل کیا ہے؟ حق کیا ہے؟ ناحق کیا ہے؟ یہ سوالات تھے، جو آپؐ کے دل و دماغ میں پیدا ہوتے رہتے تھے۔

ازواجِ مطہراتؓ!

آنحضرتؐ حضرت خدیجہؓ کا احترام بھی کرتے تھے، اور محبت بھی، جب تک خدیجہؓ زندہ رہیں، آپؐ نے دوسری شادی نہیں کی، خدیجہؓ کی وفات کے وقت آپکی عمر ۵۰ سال کی تھی، خدیجہؓ کی وفات ہجرت سے ۳ سال پہلے واقع ہوئی، ان کی وفات کے بعد آپؐ نے حضرت عائشہؓ اور بعد میں حضرت سودہؓ سے نکاح کیا جو بیوہ تھیں، آپ کی ایک اور بیوی حضرت میمونہؓ بنت حارث بھی بیوہ تھیں۔

۳ھ میں رمضان کی پندرھویں تاریخ کو آپؐ نے حضرت عمرؓ کی بیوہ صاحبزادی حضرت حفصہؓ سے شادی کی، یہ غزوۂ بدر میں بیوہ ہوئی تھیں۔

۴ھ میں آپؐ نے حضرت ام سلمہؓ سے نکاح فرمایا۔

۵ھ میں آپ نے حضرت جویریہؓ سے شادی کی، یہ میدانِ جنگ سے گرفتار کر کے لائی گئی تھیں، جویریہؓ کے والد سردار تھے، وہ آپؐ کے پاس آئے، اور کہا، میری شان کے

خلاف ہے کہ میری بیٹی کنیز بنے، آپ اسے آزاد کر دیں، آپؐ نے جواب دیا، کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ یہ معاملہ خود جویریہؓ کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے؟ استصواب کے جواب میں جویریہؓ نے کہا، میں آنحضرتؐ کی خدمت میں رہنا چاہتی ہوں، آنحضرتؐ نے جویریہؓ سے اس واقعہ کے بعد شادی کر لی۔ اس شادی کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام جنگی قیدی (مرد اور عورت سب) جو اہلِ فوج میں تقسیم ہو گئے تھے، رہا کر دیئے گئے، خود فوج نے کہا جس خاندان سے رسولِ اکرمؐ نے رشتۂ ازدواج پسند فرمایا ہو وہ غلام نہیں رہ سکتا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ "جویریہؓ کے نکاح کی بدولت ان کا سارا قبیلہ آزاد ہو گیا، کوئی لڑکی اپنے خاندان کے لئے اس سے زیادہ مبارک کیا ہو گی؟"

اسی سنہ میں آپؐ نے حضرت زینبؓ سے نکاح کیا، حضرت زینبؓ آپؐ کی پھوپھی زاد بہن تھیں، آپؐ نے ان کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام اور متبنّٰی زید سے کر دیا، زینبؓ کو یہ نسبت دل سے ناپسند تھی لیکن تعمیلِ ارشاد میں رضامند ہو گئیں، لیکن زید اور زینبؓ میں ہمیشہ شکر رنجی رہی، زید نے کئی دفعہ طلاق دینی چاہی مگر آپؐ نے روکا۔ آخر جب کسی طرح نباہ نہ ہو سکا تو طلاق ہو گئی، یہ شادی، مساواتِ اسلامی کے اس اصول کے ماتحت ہوئی تھی کہ اسلام میں بندہ و صاحب، ومحتاج و غنی کی کوئی تفریق نہیں ہے لیکن دونوں کے دل نہ مل سکے طلاق کے بعد قدرۃً آپؐ کو زینبؓ کی دلجوئی کا خیال آیا، کیونکہ آپؐ ہی کی تعمیلِ ارشاد میں زینبؓ نے خلاف مرضی یہ شادی منظور کر لی تھی، لہذا آپؐ نے تلافی یوں کی کہ نکاح کر لیا، اس نکاح نے اس غلط اور جاہلی عقیدہ کو بھی مٹا دیا کہ متبنّٰی حقیقی بیٹے کی طرح ہوتا ہے۔ اسلام نے تمام

غیر فطری اور غیر حقیقی عقائد کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا۔ متبنّیٰ کا معاملہ بھی ایسا ہی تھا، اولاد خدا دیتا ہے، انسان کی خود ساختہ اولاد، وُہ حق اور منزلت نہیں حاصل کر سکتی، جو صرف اصل اولاد کے لئے مخصوص ہے۔

سنہ ۶ھ میں آپؐ نے امیر معاویہؓ کی بیوہ بہن حضرت ام حبیبہؓ سے شادی کی، یہ مہاجر قافلۂ اسلام کے ساتھ حبش میں مقیم تھیں، آپؐ نے شاہِ حبش نجاشی کے ذریعہ پیام بھیجا جو قبول کر لیا گیا، اور وہیں حبش میں خالدؓ بن سعید بن العاص نے آنحضرتؐ کی طرف سے ایجاب قبول کیا، نجاشی نے حضورؐ کی طرف سے چار سو اشرفیاں مہر کی صورت میں ادا کیں، پھر اجلال و اکرام کے ساتھ، اُس نے آپؓ کو جہاز میں بٹھا کر مدینہ روانہ کر دیا۔ آپؐ اکثر حضرت ام حبیبہؓ سے نجاشی کے بارے میں حالات دریافت فرمایا کرتے تھے۔

اسی سنہ میں آپؐ نے حضرت ماریہ قبطیہؓ سے نکاح کیا۔ اس نکاح کی صورت یہ ہوئی کہ آپؐ نے ملوکِ عصر کو دعوتِ اسلام کے سلسلے میں خطوط لکھے، ایک خط عزیز شاہ مصر کو بھی بھیجا، وہ اسلام تو نہیں لایا لیکن اس نے کچھ تحفے آپؐ کی خدمت میں ارسال کیے، ان تحائف میں دو لڑکیاں بھی تھیں، ماریہ اور سیرین، یہ دونوں خاتونیں دربارِ نبویؐ میں پہنچنے سے پیشتر اسلام قبول کر چکی تھیں، آپؐ نے ماریہؓ کو نکاح میں لے لیا۔

سنہ ۷ھ میں آپؐ نے حضرت صفیہؓ سے نکاح کیا، حضرت صفیہؓ ایک یہودی خاتون تھیں، جنگِ خیبر میں ان کے والد بھی قتل ہو گئے اور شوہر بھی، باپ خیبر کا رئیس تھا، اور شوہر قبیلۂ نضیر کا سردار تھا، اصول کے لحاظ سے یہ کنیز بن چکی تھیں لیکن آنحضرتؐ نے انہیں آزاد

کر کے اوران کے گزشتہ عروج واقتدار کا لحاظ کر کے شادی کر لی بلکہ زیادہ صحیح روایت یہ ہے، آپؐ نے آزاد کرنے کے بعد حضرت صفیہؓ کو اختیار دیا کہ اپنے گھر چلی جائیں یا آپ کے حبالۂ عقد میں آجائیں، انہوں نے دوسری صورت پسند کی، اور حضور کے حبالۂ عقد میں آ گئیں، شادی کے وقت صفیہؓ کی عمر ۳۵ سال کی تھی۔

حکمِ نکاح کی تحدید

جب تک اسلام نے بیویوں کی تعداد نہیں مقرر کی تھی، ہر آدمی کو اختیار تھا، جتنی شادیاں چاہے کرے، اور اس زمانہ کی معاشرت اور تہذیب کے لحاظ سے یہ بات بہت معمولی تھی، بعد میں اسلام نے حد مقرر کر دی کہ ایک شخص ۴ سے زیادہ بیویاں نہیں رکھ سکتا، جن لوگوں کی چار سے زائد بیویاں تھیں، انہوں نے طلاق دے دی، اور انہوں نے دوسرے نکاح کر لئے، مگر آپؐ طلاق نہیں دے سکتے تھے، اس لئے کہ ازواجِ مطہراتؓ امہات المومنین تھیں ان کی دوسری شادی نہیں ہو سکتی تھی۔

آپؐ نے زیادہ تر بیوہ اور سن رسیدہ عورتوں سے (حضرت عائشہؓ کے سوا) شادی کی، اور ان شادیوں کے نتائج بہت خوشگوار مترتب ہوئے، جس جس قبیلہ سے آپؐ کا رشتۂ ازدواج ہوا، وہ اسلام کا محافظ اور جاں نثار بن گیا، آپؐ نے جس بے نفسی اور بے لوثی سے شادیاں کیں، انہوں نے آپؐ کے مخالفوں اور دشمنوں پر بھی آپؐ کے حسنِ اخلاق، شرافت اور پاکبازی کا سکہ بٹھا دیا۔

وفات کے بعد!

آنحضرتؐ نے اس دنیا سے پردہ فرمایا تو ۹ بیویاں موجود تھیں، حضرت خدیجہؓ، اور حضرت زینبؓ آپؐ کی زندگی میں وفات پا گئیں، جو زندہ تھیں، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:-

۱۔ حضرت عائشہؓ

۲۔ حضرت سودہؓ بنت زمعہ، سابق شوہر سکران بن عمرو،

۳۔ حضرت حفصہؓ، سابق شوہر خنیس بن حذافہ،

۴۔ حضرت ام سلمہؓ مخزومی، سابق شوہر ابوسلمہ،

۵۔ حضرت ام حبیبہؓ بنت ابی سفیان، سابق شوہر عبیداللہ بن جحش

۶۔ حضرت زینبؓ بنت جحش، سابقہ شوہر زید بن حارثہ،

۷۔ حضرت جویریہؓ

۸۔ حضرت میمونہؓ، یہ بھی بیوگی کی حالت میں حرم نبوی میں داخل ہوئیں۔

۹۔ حضرت حفصہؓ، سابق شوہر کنانہ

ازواجِ مطہراتؓ کے ساتھ سلوک

آنحضرتؐ کو، عورتوں کے حقوق کا بڑا خیال تھا، ازواجِ مطہراتؓ کے ساتھ مساوات اور انصاف کا برتاؤ کرتے تھے، دل سے حضرت عائشہؓ کو زیادہ چاہتے تھے، لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ یہ محبت، مساوات اور انصاف پر غالب آئی ہو، مرض الموت میں بھی جب کہ نقل و حرکت آپ کے لئے دشوار تھی، پابندی سے ہر بیوی کے ہاں باری کے دن جاتے

تھے، حضرت عائشہؓ سے دلی لگاؤ سب سے زیادہ تھا لیکن تقویٰ اور محاسبۂ نفس کی انتہا اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ اس اضطراری اور سراسر غیر اختیاری تعلق پر بھی انفعال کا جذبہ طاری رہتا تھا، چنانچہ مرض الموت میں بار بار آپ فرماتے تھے "خدایا جو کچھ میرے بس میں ہے اسے کرتا ہوں، اور جو بس سے باہر ہے (دلی محبّت) اسے تو معاف کرنے والا ہے"

حضرت عائشہؓ سے دلی لگاؤ اور محبت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دوران علالت میں آپؐ بار بار فرمایا کرتے تھے "موت مجھ پر آسان ہو گئی ہے، کیونکہ میں نے جنت میں عائشہؓ کی ہتھیلی دیکھ لی ہے"! ایک بار اسی مرض الموت کے دوران میں آپ نے فرمایا "عائشہ مِسواک لاؤ، اپنے منہ سے چاب کر مجھے دو تاکہ موت کی سختیاں مجھ پر آسان ہو جائیں"!

دوسری امہات المومنین حضرت عائشہؓ سے آپؐ کا دلی لگاؤ جانتی تھیں، چنانچہ مرض الموت میں آپؐ بار بار فرماتے تھے "آج کس کے ہاں جانے کی باری ہے" تو انہوں نے اپنی باریاں حضرت عائشہؓ کو دلی رضامندی کے ساتھ دے دیں، اور آپؐ نے حجرۂ عائشہؓ ہی میں بالآخر وصال فرمایا۔

اولادِ اطہار!

آپؐ کی تمام اولادیں (سوا حضرت ابراہیمؑ) کے حضرت خدیجہؓ کے بطنِ مبارک سے ہوئیں، سب سے پہلے جو صاحبزادے تولّد ہوئے۔ ان کا نام قاسم تھا، اسی لحاظ سے آپؐ کی کنیت ابوالقاسمؐ تھی، قاسم کے بعد زینب پیدا ہوئیں، پھر طیب و طاہر۔ طیب و طاہر نے چار سال کی عمر میں وفات پائی طیب و طاہر نے بہت چھوٹی عمر میں انتقال کیا، پھر حضرت رقیہؓ

پیدا ہوئیں، بعد کو حضرت اُمِ کلثوم رضؓ، پھر حضرت فاطمۃ الزہرا رضؓ۔

حضرت ماریہ قبطیہ رضؓ کے بطن سے ابراہیمؑ پیدا ہوئے، یہ بھی نوعمری میں انتقال کر گئے، ابراہیمؑ کے انتقال کا حضورؐ کو بہت صدمہ ہوا، آنکھیں پُرآب تھیں اور آپ فرما رہے تھے "اے ابراہیمؑ تیرے غم میں ہم سوگوار ہیں!"

اولاد میں سب سے زیادہ حضرت فاطمہ رضؓ سے محبت تھی، حضرت فاطمہ رضؓ بھی دنیا میں سب سے زیادہ باپؐ کو چاہتی تھیں۔

حضرت زینب رضؓ کا نکاح ہجرت سے پہلے خالہ زاد بھائی ابوالعاص سے ہوا۔ ۸ھ میں ان کی وفات ہوئی، ایک بچّی امامہ چھوڑ گئیں۔ حضرت رقیہ رضؓ کی شادی حضرت عثمان رضؓ سے ہوئی، انہوں نے ۳ھ میں مدینہ آکر وفات پائی، آپ رضؓ کے انتقال کے بعد حضرت ام کلثوم رضؓ کی شادی بھی حضرت عثمان رضؓ سے ہوئی، ۹ھ میں انہوں نے اس دنیا سے کنارا کیا، حضرت فاطمہ رضؓ کی شادی حضورؐ نے اپنے چہیتے چچازاد بھائی حضرت علی رضؓ سے کی، حضرت فاطمہ رضؓ کے بطن سے دو صاحبزادے ہوئے، حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ رضی اللہ عنہما۔

حضرت فاطمہ رضؓ کی شادی ۱۸ سال کی عمر میں ہوئی، سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضؓ نے اپنا پیام دیا، پھر حضرت عمر رضؓ نے، بعدازاں حضرت علی رضؓ نے، آپؐ نے حضرت علی رضؓ کا پیام منظور کر لیا۔ تاجدارِ دو عالمؐ نے اپنی چہیتی بیٹی کو جو جہیز دیا وُہ کیا تھا؟ بان کی چارپائی، چمڑے کا گدا، ایک چھاگل، ایک مشک، ۲ دو چکیاں اور ۲ دو مٹی کے گھڑے۔ حضرت علی رضؓ

نے جو مہر دیا وہ کیا تھا؟ ایک زرہ جو جنگِ بدر میں ہاتھ آئی تھی، اور جس کی قیمت تقریباً سوا سو روپے کے لگ بھگ تھی، زرہ کے علاوہ حضرت علیؓ کا کل سرمایہ کیا تھا؟ ایک بھیڑ کی کھال اور ایک یمنی چادر۔

شادی کے بعد حضرت فاطمہؓ ایک الگ گھر میں اٹھ گئیں، آنحضرتؐ اس نئے گھر میں تشریف لائے، میاں بیوی کو دعائے خیر و برکت دی اور حضرت فاطمہؓ سے فرمایا "میں نے اپنے خاندان میں سب سے افضل شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے"؛

ابتلاو آزمائش، استقلال و استقامت!

رسولِ کریمؐ نے اپنے تئیں ایک انسان کی حیثیت سے دُنیا کے سامنے پیش کیا، دنیا نے دیکھا، پرکھا اور جانچا، پھر سرِ تسلیم خم کر دیا کہ اس آسمان کے نیچے، اور اس زمین پر آج تک ایسا کامل العیار انسان پیدا نہیں ہو سکا، نہ قیامت تک پیدا ہو سکے گا۔ دنیا کو یہ بھی ماننا پڑا کہ افضل البشر اور خیر الناس کا خطاب محمدؐ کے سوا کسی اور انسان پر زیب نہیں دے سکا، اس لئے محمدؐ نے دنیا سے الگ رہ کر اپنی زندگی نہیں گزار دی، ایک انسان کی طرح ان تمام مرحلوں کو طے کیا، جن سے زندگی میں کسی انسان کو سابقہ پڑ سکتا ہے، اور ہر مرحلہ پر دنیا کو یہ ایمان لانا پڑا کہ ایسا انسان جو اس کردار کا حامل ہو، صرف وہی سزاوارِ نبوت ہو سکتا ہے۔

اعلانِ نبوّت کے بعد!

جب آپؐ نے اپنی نبوّت کا اعلان کیا تو کفّارِ عرب کا ایک بڑا حلقہ پیچ و تاب کھانے لگا، آپؐ کو طرح طرح کی اذیتیں دینا، مبتلائے مصائب کرنا، توہین کرنا، پریشان

کرنا، آپؐ کے راستے میں کانٹے بچھانا اُس نے اپنا شعار بنا لیا، لیکن آپؐ کی جبینِ استقامت پر بل نہیں آئے، آپؐ ہر خطرہ سے بے پرواہ ہو کر، ہر مخالفت سے بے نیاز ہو کر، ہر دُشمنی سے غیر متاثر ہو کر، رب کا پیغام، رب کے بندوں تک پہنچاتے رہے، انہیں سیدھے راستہ کی دعوت دیتے رہے، انہیں بتاتے رہے کہ تم غلط راستے پر چل رہے ہو، حق اور صداقت کا راستہ وُہ ہے جس کی طرف میں بلا رہا ہوں۔

کافروں نے آپؐ کا، اور آپؐ کے خاندان کا بائیکاٹ کر دیا، اور اس ترکِ موالات کا سلسلہ تقریباً تین سال تک جاری رہا، یہ تین برس مصائب و نوائب کے دن تھے، لیکن خدا کے برگزیدہ نبیؐ نے، ان مصائب . . . کی ذرا بھی پروانہ کی، اور اپنے کام میں لگا رہا، ایک روز آپ مسجدِ حرام میں تشریف لائے، وہاں بہت سے سردارانِ عرب بیٹھے ہوئے تھے، ابوجہل بھی موجود تھا، اُس نے آپؐ کا مذاق اڑانا شروع کیا بعض دوسرے لوگوں نے بھی اس کا ساتھ دیا، آپؐ نے ان باتوں کے جواب میں اگر کچھ فرمایا تو یہ، "وُہ دن قریب آرہا ہے کہ جس دین کی تم مخالفت کر رہے ہو، کل اسی میں (جوق در جوق) داخل ہو گے" اور واقعات کی شہادت موجود ہے کہ بالآخر یہ ارشادِ نبویؐ پورا ہو کر رہا۔

اپنی صداقت پر اعتماد!

ابوطالبؓ کا انتقال بجائے خود آنحضرتؐ کے لئے ایک بہت بڑا سانحہ تھا، ابوطالبؓ کے چند ہی روز بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا بھی انتقال ہو گیا، حضرت خدیجہؓ کے انتقال کا بھی آپ کو بہت صدمہ ہوا، یہ وہ بیوی تھیں جنہوں نے زندگی کے ہر دَور میں پوری وفا شعاری

اور محبت کے ساتھ آپ کا ساتھ دیا تھا، کفار کے لئے بھی ابوطالبؓ اور خدیجۃ الکبریٰؓ کا وجود بہت بڑی روک تھا، ان دونوں کے انتقال کے بعد، وہ کھل کھیلے، اور آنحضرتؐ کو نت نئی اذیتیں دینے میں آزاد ہو گئے۔

ایک مرتبہ کسی بدبخت نے آپؐ کے سر پر کیچڑ ڈال دی۔ آپؐ اسی حالت میں گھر تشریف لائے حضرت فاطمہؓ یہ حالت دیکھ کر بیقرار ہو گئیں۔ وُہ جلدی سے اُٹھیں، اور آپ کا سر دھونے لگیں، سر دھوتی جاتی تھیں اور روتی جاتی تھیں، کہ فصاحت وصداقت کے پیامبرؐ کی آواز سے گونجی۔

"بیٹی تو روتی کیوں ہے؟ تیرے باپ کا مُحافظ خود خدا ہے!"

کتنا اطمینان، کتنا استقلال تھا ان الفاظ میں!

طائف کا سفر!

خدیجہؓ اور ابوطالبؓ کی وفات کے بعد چونکہ کفار کا جوشِ ایذارسانی بہت بڑھ گیا تھا، لہذا آپؐ نے دعوت وارشاد کے لئے کسی دُوسرے شہر میں جانے کی ٹھانی، چنانچہ آپؐ طائف تشریف لے گئے، طائف میں خاندان عمیر سب سے بڑا، اور سب کا سردار تھا، یہ خاندان تین بھائیوں پر مشتمل تھا، سب سے پہلے آپؐ ان تینوں کے پاس پہنچے، اور اسلام کی دعوت دی، ایک نے کہا: "اگر خدا نے تجھے پیمبر بنا کر بھیجا ہے تو خود ہی کعبہ کا پردہ چاک کرنے کا سامان کیا ہے"۔ دُوسرے نے جواب دیا "کیا خدا کو (منصبِ نبوت کے لئے) تیرے سوا کوئی اور نہیں جڑتا تھا؟" تیسرا بولا: "اگر آپؐ سچے ہیں تو آپؐ سے بات چیت کرنا

ادب کے خلاف ہے، اور اگر جھوٹے ہیں تو شائستہ گفتگو نہیں"!

آپؐ عمیر کے ہاں سے مایوس ہو کر پھرے، اس خاندان کے لوگوں نے شہر کے غنڈوں اور شورہ پشتوں کو بھڑکا دیا، اور وہ آپؐ پر ٹوٹ پڑے، اس حلقہ کی طرف سے جب آپؐ گزرے، تو مجمع نے آپؐ کے پائے مبارک پر پتھراؤ شروع کیا، یہاں تک کہ آپؐ کی نعلین (جوتے) خون سے بھر گئیں، جب آپؐ زخموں کی شدت سے نڈھال ہو کر بیٹھ جاتے، یہ شقی آپؐ کا بازو تھام کر پھر کھڑا کر دیتے، اور جب آپؐ پھر چلنے لگتے تو آپؐ پر پتھروں کی بارش شروع ہو جاتی، سنگ باری کے ساتھ ساتھ آپؐ کے تعاقب میں گالیاں اور تالیاں بھی چلیں، آخر آپؐ انگور کے ایک باغ میں پناہ گزین ہو گئے، اس وقت ایک فرشتہ نظر آیا، اس نے کہا "یا رسولؐ اگر آپ کہیں تو طائف والوں پر ان پہاڑوں کو دے مارا جائے"؟ آپؐ نے فرمایا، "اے خدا ایسا نہ کر، شاید ان کی نسل سے کوئی تیرا پرستار پیدا ہو" یہ باغ ایک کافر لیکن نیک نہاد سردار عتبہ بن ربیع کا تھا، اس نے آپؐ کی خدمت میں انگور پیش کئے، اور بالآخر آپؐ وہاں سے بچ کر نکل آئے۔

قبائل کو دعوتِ اسلام!

حج کے زمانے میں مختلف قبائل، مکّہ کے آس پاس آ آ کر خیمہ زن ہوتے، آپؐ ان سب کے پاس جاتے، اور اسلام کی دعوت دیتے، عرب میں مختلف میلے بھی لگتے تھے، آپؐ وہاں بھی تشریف لے جاتے، اور خدا کا پیام بندوں تک پہنچاتے، ابولہب سایہ کی طرح آپؐ کے ساتھ ساتھ لگا رہتا، اور آپؐ کی تقریر کے بعد کہتا "یہ شخص جھوٹا ہے"! لیکن آپؐ

ذرا بھی پروا نہ کرتے، اور اپنے کام میں لگے رہتے۔

ابوجہل کی شرارت!

ایک مرتبہ آپؐ حرم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے، متعدد رؤسائے قریش بھی موجود تھے، ابوجہل بھی بیٹھا ہوا تھا، آپ کو عبادت کرتے ہوئے دیکھ کر بولا "کاش کوئی اس وقت نجاست سمیت اونٹ کی اوجھڑی لے آتا اور محمدؐ جب سجدہ میں جاتا تو گردن پر ڈال دیتا" عقبہ نے کہا، یہ کام میں کر سکتا ہوں، چنانچہ واقعی اس نے اپنا کہا پورا کیا، اور اوجھڑی لاکر سجدہ کی حالت میں آپؐ کی گردن میں ڈال دی، قریش قہقہے لگانے لگے، اور جوشِ مسرت سے بے قابو ہو گئے، کسی طرح یہ خبر حضرت فاطمہ زہراؓ کو پہنچی، آپؓ بہت کم سن تھیں، صرف پانچ چھ سال کی عمر تھی، لیکن سنتے ہی جوشِ محبت سے بے قابو ہو کر دوڑی ہوئی آئیں، اوجھڑی ہٹائی اور عقبہ کو بد دعا دی۔

عقبہ بن ابی معیط!

ایک مرتبہ آپؐ حرمِ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے، عقبہ بن ابی معیط شرارت پر آمادہ ہو گیا، اس نے آپؐ کے گلوئے مبارک میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچی کہ آپؐ گر پڑے، لیکن نہ آپؐ نے اس سے انتقام لیا، نہ اسے کچھ کہا۔ نہ اپنے کام سے باز آئے۔

استقلال کی انتہا!

جب آپؐ کی دعوت پھیلنے لگی تو قریش کا ایک گروہ بہت خوفزدہ ہوا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ پرانا دین مٹے، اور نیا دین اس کی جگہ لے لے، وہ پرانے دین کو بچانے کے

لئے ہر قسم کے ایثار پر تیار تھے، ہر قسم کی رشوت دینے پر تیار تھے، ہر قسم کا سودا کر لینے پر آمادہ تھے۔

چنانچہ عتبہ بن ربیعہ قریش کی طرف سے آپ کے پاس پیام لے کر آیا، اور گویا ہوا" محمدؐ آخر تم چاہتے کیا ہو؟ اگر دولت و ثروت کی تمنّا ہے تو ہم سیم و زر تمہارا دامن بھر دے سکتے ہیں، اگر کسی اُونچے گھرانے میں شادی کرنے کا ارادہ ہے تو اس کا بندوبست بھی ہم کر دے سکتے ہیں، اگر مکّہ کی حکومت چاہیئے تو حاضر ہے لے لو، لیکن اپنی حرکتوں سے باز آجاؤ، اور ہمارے دین پر ضرب نہ لگاؤ!" آپؐ نے یہ سب باتیں خاموشی سے سُنیں، اور ارشاد فرمایا:۔

قل ائنکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین وتجعلون له اندادا، ذالك رب العلمین (القرآن)	اے (محمدؐ) کافروں سے کہدو، کیا تم لوگ خدا کا انکار کرتے ہو، جس نے دو دن میں یہ زمین پیدا کر ڈالی، اور تم خدا کے شریک بناتے ہو، حالانکہ وہی ایک سارے جہان کا رب ہے!

عتبہ یہ الفاظ سُن کر متاثر ہوا، اور خاموشی سے لوٹ آیا، اُس نے واپس آکر جواب دیا" محمدؐ کا کلام شاعری نہیں کچھ اور چیز ہے، انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔"

چاند سُورج!

ابوطالب کی زندگی میں، آنحضرتؐ کو پیامِ اسلام سے مجتنب کرنے کی بہت سی

کوششیں ہوئیں، تہدید و ترہیب کے ساتھ بھی، اور ترغیب و تحریص کے ساتھ بھی، لیکن سب رائگاں گئیں، آخر قریش نے تنگ آکر ابوطالب سے کہا "تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے، لہذا یا تو تم بیچ سے ہٹ جاؤ، ورنہ کھل کر اس کے ساتھ میدان میں آؤ۔"

ابوطالب سارے قریش سے جنگ کرنا نہیں چاہتے تھے، نہ اس صورتِ حال کا بآسانی مقابلہ کر سکتے تھے، وُہ رسول اللہ ؐ کے پاس پہنچے، اور کہا "بیٹے، مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو، کہ میں متحمل نہ ہو سکوں"! آنحضرت ؐ کے لئے ابوطالب کی ذات خدا کے بعد، سب سے بڑا سہارا تھی، آپ ؐ نے باچشمِ پُرنم چچا کو جواب دیا "خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور ایک میں چاند دے دیں، تب بھی میں اپنے فرض کو انجام دیتا رہوں گا، یا تو خدا اس کام کو تکمیل تک پہنچائے گا یا میں اس کی تکمیل کے لئے اپنی جان قربان کر دوں گا۔"

آپ ؐ نے یہ باتیں ابوطالب سے کچھ ایسے اثر انگیز الفاظ میں کہیں کہ ان کی لغزشِ پا، استقلال میں، کوہِ گراں بن گئی، انہوں نے، اپنے محبوب بھتیجے سے کہا "تو جو کچھ کرتا ہے کر، کوئی تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا"!

نبیِ اُمّیؐ!

مَا اَنَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ!

جہاں تک عبادت وریاضت کا تعلق تھا، احکامِ خداوندی اور فرمانِ الٰہی کا تعلق تھا دین اور مذہب کا تعلق تھا، آپؐ نبی تھے، فرستادۂ خدا تھے، لیکن جہاں تک دُنیاوی معاملات کا تعلق تھا، زندگی بسر کرنے کا تعلق تھا، لوگوں کے درمیان رہنے سہنے کا تعلق تھا، تعلقاتِ انسانی اور ربطِ آدمیت کا تعلق تھا، آپؐ صرف انسان تھے، بہت بڑے، سب سے بڑے انسان! انسانیتِ کبریٰ کی آخری اور بالکل آخری مثال!

آپؐ خود بار بار لوگوں کو اس طرف متوجہ کیا کرتے تھے، بار بار اس حقیقت کا اعادہ کرتے رہتے تھے کہ آپ کو عام انسانوں سے جو چیز ممتاز کرتی ہے وہ وحی ہے ورنہ ویسے آپؐ انسان ہیں، خود قرآن بھی بار بار اسی چیز پر زور دیتا رہا۔

قل اِنما انا بشرٌ مثلکم یوحیٰ الیّ — اے محمدؐ کہہ دے، میں تمہارا جیسا ایک آدمی

انما هو الٰهکم اللہ واحد فاستقیمو الیہ واستغفروہ (القرآن)

ہوں، مجھ پر وحی آتی ہے کہ تمہارا خدا ایک ہی ہے، بس سیدھے اس کی طرف جاؤ، اور اس سے استغفار کرو!

چند مثالیں!

اپنی حیاتِ گرامی میں آپؐ نے اپنے عمل سے بھی یہی بات ثابت کی، انسانیت کا دامن چھوڑ کر فرشتوں سے جا ملنے کا خیال آپؐ کے دل میں کبھی نہ آیا، ایک مرتبہ ایک جنگ کے موقع پر جہاں پڑاؤ ہوا وہ بعض صحابہ کی رائے میں مناسب نہ تھا، انہوں نے پوچھا "یا رسول اللہؐ یہ آپ کی رائے ہے یا فرمانِ خداوندی"؟ آپ نے فرمایا "میری رائے"۔ پھر صحابہ نے اپنی رائے پیش کی، اور آپؐ نے منظور فرما کر پڑاؤ وہاں سے ہٹا دیا، اور پانی کے قریب لے آئے!

اسی طرح بعض لوگ بُور آنے سے پہلے کونپلوں کو کاٹ دیتے تھے، آپؐ نے اس منع فرمایا، لوگ باز آگئے، مگر فصل اچھی نہ ہوئی، لوگوں نے آپؐ سے عرض کیا، آپؐ نے فرمایا "انتم اعلم بامور دنیاکم" دنیا کے معاملات میں تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو، جو مناسب سمجھو کرو۔

مسجدِ نبویؐ کی تعمیر!

ہجرت کے پہلے سال جب مدینہ میں مسجدِ نبوی کی تعمیر کا کام شروع ہوا، تو خود نبیِ آخر الزماںؐ، فخرِ کائنات، سرورِ موجودات، افضل البشر اور خاتم الرسلؐ بھی ایک مزدور

کی طرح کام کر رہا تھا، جاں نثار صحابہ نے روکا ہتّیں کیں، لیکن آپؐ اپنے کام میں برابر مصروف رہے، اور اس جوش و انہماک سے گویا اس سے بڑھ کر محبوب اور دلچسپ مشغلہ کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔

جنگِ احزاب!

جنگِ احزاب کے سلسلہ میں حضرت سلمانؓ فارسی کے مشورہ سے جب خندق کی کھدائی شروع ہوئی تو صحابہ کرامؓ کے دوش بدوش نبی اُمیؐ بھی مزدوروں کی طرح کام کر رہا تھا، جاڑوں کی سرد راتیں، تین تین دن کا صبر آزما اور کٹھن فاقہ، مہاجر اور انصار کے پہلو بہ پہلو اسی حالت میں آپؐ بھی برابر مصروفِ کار تھے، جاں نثاروں اور فداکاروں نے یہاں بھی آپؐ کو اس کام سے باز رکھنا چاہا، لیکن آپؐ کام کر رہے تھے، مٹی پھینک رہے تھے، یہاں تک کہ شکمِ مبارک گرد سے اَٹ گیا، پتھر کھودتے کھودتے ایک سخت چٹان، سنگِ گراں بن کر کام میں حائل ہو گئی، کسی کی قوتِ بازو اسے اپنی جگہ سے نہ ہلا سکی، آپ تشریف لائے، تین دن کا فاقہ، پیٹ پر پتھر بندھا ہوا، آپ نے ایک تیشہ چلایا، تو وُہ سنگی چٹان رُوئی کا گالا بن چکی تھی، آپؐ خاموشی سے اپنے کام میں مصروف تھے، اگر دہنِ مُبارک سے کوئی لفظ نکلتا تھا تو انصار اور مہاجرین کے لئے دُعائے خیر و برکت۔

رسُولؐ کا حِصّہ!

فتحِ خیبر (سنہ ۶ھ) کے بعد خیبر کی زمین دو برابر حِصّوں میں تقسیم کی گئی، آدھا سرکاری

کاموں کے لئے، اور بقیہ نصف مجاہدین کے لئے بالکل مُساوی حصّوں میں ہر مجاہد کے حصّہ میں ایک حِصّہ آیا اور یہی ایک حصہ فاتحِ عرب و عجم کے حِصّہ میں بھی آیا۔

ولرسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم — آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بھی عام لوگوں مثل سہم واحد منہم — کی طرح ایک حِصّہ ملا۔

ذکاوت و ذہانت!

آنحضرتؐ کو بدو فطرت سے وُہ تمام صفات عطا ہوئے تھے، جو انسانیت کاملہ کے لئے ضروری ہیں آپؐ نے اگرچہ تعلیم نہیں حاصل کی تھی، اور اُمّی تھے، بااین ہمہ ذکاوت و ذہانت کے اعتبار سے آپؐ کا پلّہ سب پر بھاری تھا حضرت آمنہؓ جب اپنے مرحوم شوہر کی تربت کی زیارت کے لئے مدینہ تشریف لے گئیں، اس وقت آپ کی عمر صرف چھ سال کی تھی، ایک مہینہ تک وہاں قیام رہا۔ واپسی میں یہ مقام ابواقیام فرمایا آنحضرتؐ کو اس سفر کے بہت سے واقعات یاد رہ گئے، حالانکہ آپؐ بہت کم عمر تھے، چنانچہ منصبِ نبوّت پر سرفراز ہونے کے بعد آپ بنو عدی کے منازل پر گذرے تو فرمایا:

> "اس گھر میں میری ماں قیام پذیر ہوئی تھیں یہ وُہ تالاب ہے جس میں مَیں نے تیرنا سیکھا، اسی میدان میں ایک لڑکی انیسہ کے ساتھ میں کھیلا کرتا تھا!"

اسی طرح، ایک بار آپؐ صحابہؓ کے جلو میں ایک جنگل میں تشریف لے گئے،

راستے میں صحابہؓ جھڑبریاں توڑ توڑ کر کھانے لگے، آپؐ نے یہ دیکھ کر فرمایا "جو جھڑبریاں خوب کالی ہو جاتی ہیں وُہ بڑے مزے کی ہوتی ہیں۔ یہ میرا اُس زمانہ کا تجربہ ہے جب میں لڑکپن میں یہاں بکریاں چرانے آیا کرتا تھا۔"

بخشش و عطا!

آپؐ کے پاس اگر کوئی سائل آ جاتا تو مایُوس و ناکام نہ جاتا، جو کچھ بھی ہوتا آپؐ عطا فرما دیتے۔ کچھ نہ ہوتا تو اس طرح معذرت کرتے جیسے کوئی شخص کسی خطا کی معافی چاہ رہا ہو، ایک سائل سے فرمایا "اُس وقت میں بالکل خالی ہاتھ ہوں، تم میری طرف سے کسی سے قرض لے لو، میں ادا کر دوں گا"! ایک مرتبہ ایک سائل کو نصف وسق غلّہ قرض لے کر مرحمت فرمایا، قرض خواہ تقاضے کے لئے آیا تو آپ نے اسے نصف کے بجائے ایک وسق غلّہ دیا، اور کہا "نصف قرض کی واپسی، بقیہ نصف ہماری طرف سے عطیہ"! ارشاد فرماتے "اگر کوئی مقروض مسلمان اس دنیا سے گزر جائے اور اس کی کوئی پونجی نہ ہو، تو اس کا قرض ہم ادا کریں گے۔"

جائداد کا عطیہ!

حضرت انسؓ کی والدہ حضرت ام انسؓ نے اپنی جائداد نذرانہ کے طور پر آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کی، آپؐ نے قبول تو فرمالی، لیکن اپنی دایہ حضرت ام ایمن کو عطا فرما دی اور خود بدستور فقر و فاقہ میں بسر فرماتے رہے۔

مولّفۃ القلوب!

تقسیمِ غنائم میں آپؐ نومسلموں کا خاص طور پر بہت خیال رکھتے تھے، اور انہیں عام مسلمانوں سے زیادہ تالیفِ قلب کی خاطر بخشش اور انعام اور حصّہ مرحمت فرماتے تھے، جنگِ حنین کے خاتمہ کے بعد بیشمار مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا، آپؐ نے پوری دریادلی سے اسے فوج میں تقسیم فرما دیا، اس موقعہ پر بھی آپؐ نے مولّفۃ القلوب یعنی نومسلموں کا بہت زیادہ حصّہ رکھا، چنانچہ عام تقسیم کی رُو سے فوج کے حصّہ میں پیادوں کو فی کس چار اونٹ اور چالیس بکریاں ملیں، سواروں کو چُونکہ سہ گنا حصّہ ملتا تھا، لہذا انہیں فی کس بارہ اُونٹ اور ایک سو بیس بکریاں ملیں، لیکن مولفۃ القلوب سب سے بازی لے گئے، ابوسفیان کے خاندان کو ۳۰۰ اونٹ اور ۱۲۰ اوقیہ چاندی دی گئی، حکیم بن حزام کو ۲۰۰ اونٹ مرحمت ہوئے، آٹھ دُوسرے نومسلموں کو ۱۰۰-۱۰۰ اونٹ عطا فرمائے گئے، اس پر ایک گروہ کو شکایت بھی پیدا ہوئی، لیکن پھر ان کی سمجھ میں یہ حکمت و مصلحت آ گئی، اور وُہ اپنی شکایت پر پشیمان ہوئے۔

سخاوت!

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ سے زیادہ سخی، اور فیّاض میں نے کسی کو نہ دیکھا ماہ رمضان المبارک میں آپؐ کا دریائے سخاوت خاص طور پر جوش میں آ جاتا، نبوت سے قبل بھی سخاوت کے اعتبار سے آپؐ ممتاز اور یگانہ تھے، ایک بار ایک شخص کو اپنی بکّریوں کا پورا گلّہ بخش دیا۔ کئی آدمیوں کو سو سو اونٹ سے زیادہ عطا فرمائے

نبوت کے بعد مال کو اپنے گھر میں رکھنا پسند نہیں فرماتے تھے، جو کچھ آتا تھا شام تک ختم کر دیتے تھے۔ ایک بار نوّے ہزار درہم آئے، چٹائی پر رکھ دیئے، جو سائل آتا اسے عطا فرماتے رہتے، یہاں تک کہ ساری رقم ختم ہو گئی!

واقعۂ افک!

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی پاکی اور پاکبازی پر جو تہمت لگائی گئی، اس سے آپ بھی ایک انسان کی طرح متاثر ہوئے۔ اور اس وقت تک الگ تھلگ رہے، جب تک خود قرآن نے حضرت عائشہؓ کی طہارت اور پاکی کی تصدیق نہ کر دی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تہمت لگانے والوں کو سزا ملی، جن میں شاعرِ رسول حضرت حسانؓ بن ثابت بھی تھے۔

اس موقع پر یہ بات یاد رکھنی چاہیئے، کہ آپؐ حضرت عائشہؓ سے بے انتہا محبت کرتے تھے، خود حضرت عائشہؓ بھی دل و جان سے آپؐ کو چاہتی تھیں، لیکن اس محبت کے باوجود غلط فہمی پیدا ہوئی، اور اس نے بہت نازک صورت اختیار کر لی یہ نبوی فعل نہ تھا، انسانی فطرت تھی، اور اسی لئے بطورِ خاص قرآن کو حضرت عائشہؓ کی پاک دامانی کی گواہی دینی پڑی!

خُلقِ عظیم!

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیم!

آنحضرتؐ کی حیاتِ طیّبہ سراپا خلق تھی، غریبوں کی دستگیری فرماتے، ناداروں کی عزّت کرتے، دوستوں سے محبّت کرتے، بدنفسوں کی شرارتوں کو درگزر فرما دیتے، سادہ زمین پر متمکّن ہوتے، نہ مسند، نہ فرش، نہ جاہ و جلال، نہ تمکین خسروی، نہ پندارِ شہریاری، اپنا جوتا خود گانٹھ لیتے، دستِ مبارک سے پیوند لگا لیتے، دشمن سے مہربانی کرتے، دوست کے کام آتے، یہ ہے دُنیا کے آخری نبیؐ، اور دنیا کے سب سے بڑے انسان کا خلاصۂ حیات!

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ رسُول اللہؐ جانوروں کو خود چارہ ڈال دیتے، اونٹ اپنے ہاتھ سے باندھ دیتے، گھر کی صفائی خود کر لیتے، بکری کا دودھ دوہ لیتے، خادم کے ساتھ ایک دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھا لیتے، اس کے کام کاج میں اس کی مدد کرتے بازار جاتے اور سودا خرید لاتے، جو کچھ سامنے رکھ دیا جاتا، اسے برضا و رغبت تناول

فرما لیتے، حضرت انسؓ نے دس سال تک خدمت کی، مگر اس طویل عرصہ میں نہ کبھی ڈانٹے گئے، نہ جھڑکے گئے، نہ کبھی یہ پوچھا ایسا کیوں کیا؟ اور یہ کیوں نہ کیا؟ ایک بار ان کے لئے دُعا فرمائی کہ یا اللہ انسؓ کو مال و اولاد دے، اور جو کچھ دے، اس میں برکت دے، حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے، آنحضرتؐ جیسا خلق کسی میں نہ دیکھا۔

سراپا ادب و خلق !

آنحضرتؐ کم از کم مُسلمانوں کی نظر میں خدا کے سب سے برگزیدہ بندے، اور محبوب ترین ہستی تھے لیکن جاں نثاروں اور فِداکاروں کے اس مجمع میں وُہ شاہِ کشورکشا کی طرح جلوہ فرما نہیں ہوتے تھے، دوست، ساتھی ایک انسان کی طرح جلوس فرما ہوتے تھے مجلس میں آپؐ کبھی پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھتے، جو آدمی سامنے آجاتا سلام میں خود پیش قدمی کرتے، مصافحہ کے لئے بلا انتظار دست مُبارک بڑھا دیتے، دخل در معقولات اور دُوسرے کا قطع کلام نہ کرتے، نوافل کے دوران میں اگر کوئی آجاتا تو نماز مختصر کر دیتے۔ اس سے ملتے، اس کی ضرورت پُوری کرتے، اور پھر نماز میں مصروف ہو جاتے، آپؐ کبھی قہقہہ نہ لگاتے، لیکن لب ہائے مُبارک پر تبسّم ہمیشہ کھیلتا رہتا۔

چند اور واقعات !

آپؐ کی ایک صبا رفتار اونٹنی تھی، جس کا نام غضبا تھا، یہ ہمیشہ سب سے آگے رہتی تھی، ایک مرتبہ کسی اعرابی کی اُونٹنی اس سے آگے نکل گئی، صحابہؓ کو یہ بات گراں گزری، آپؐ نے محسوس فرما لیا، اور ارشاد کیا: "دُنیا میں خدا کی سُنّت یہی ہے

کہ جسے اٹھاتا ہے اسے گراتا بھی ہے"!

ایک بار، ایک اعرابی نے، آپؐ کو "خیر البریۃ" (دُنیا کا سب سے برتر انسان) کہہ کر مخاطب کیا، آپؐ نے فوراً ٹوکا: "یہ حضرت ابراہیمؑ کی شان ہے"! ایک شخص دربارِ نبویؐ میں حاضر ہوا، جلالتِ نبویؐ سے لرزہ براندام ہوگیا۔ آپؐ نے اسے تسلی دی، اور فرمایا کچھ اندیشہ نہ کرو، میں سلطانِ ذی جاہ نہیں، قریش کی ایک غریب عورت کا فرزند ہوں، جو سُوکھا گوشت کھایا کرتی تھی"۔ حضرت ابوبکرؓ اپنے نابینا باپ کو بیعت کے لئے لائے، آپؐ نے فرمایا: "تم نے انہیں کیوں تکلیف دی، میں خود ان کے پاس چلا جاتا"۔

کیا یہ الفاظ انسانیت کبریٰ کا نمونۂ کامل نہیں ہیں؟

مروّت اور لحاظ

آپؐ کا دبدبہ کج کلاہوں اور کشور کشاؤں سے زیادہ تھا، آپؐ کا جلال، سپہ سالاروں اور فاتحوں سے بڑھ چڑھ کر تھا، لیکن آپؐ جو حکم دیتے اس کی تعمیل بسر و چشم ہوتی، آپؐ جس کام سے منع فرماتے، اس سے لوگ از خود مجتنب ہو جاتے، لیکن مروّت اور لحاظ کا مادہ آپؐ میں اتنا زیادہ تھا کہ نہ آپؐ کسی کو جھڑکتے، نہ زجر و توبیخ کرتے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ اگر کسی شخص کی کوئی بات آپؐ کو ناپسند ہوتی، تو اس کا نام لے کر منع نہ فرماتے، بلکہ عام الفاظ سے، اس حرکت سے منع فرما دیتے، اپنے کاموں کے سلسلہ میں حتی الامکان آپؐ کسی کو زحمت نہ دیتے، بلکہ خود زحمت اٹھاتے، اور اسے انجام دے لیتے، اگر کوئی خطا کار، طالبِ عفو ہوتا، تو خود بارِ ندامت سے آپؐ کی گردن جُھک جاتی! ایک

مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے دریافت کیا گیا، آنحضرتؐ کے اخلاق کیسے تھے، ارشاد فرمایا: "قرآن آنحضرتؐ کا خُلق ہے!"

پاسِ خاطر اور یادِ ماضی!

آنحضرتؐ کو ایک مرتبہ جس سے جو تعلق ہو جاتا، اسے آپؐ کبھی فراموش نہ فرماتے، دُوسروں کے جذبات اور حسیات کا بہت زیادہ پاس و لحاظ کرتے۔

جنگِ حنین کے اسیرانِ جنگ میں حضرت حلیمہؓ (آپؐ کی دایہ) کی بیٹی شیما بھی گرفتار ہو کر آئیں، آپؐ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے انہیں طلب فرمایا، اپنی چادر بچھا دی، اور انہیں اس پر بٹھایا، دیر تک باتیں کرتے رہے، پھر بہت سے تحائف دے کر اعزاز و احترام کے ساتھ رخصت کر دیا۔

حضرت انسؓ کی روایت!

حضرت انس کی روایت ہے کہ گھر میں جب کوئی اچھی چیز آتی تو آپؐ ارشاد فرماتے "اسے لے جا کر فلاں عورت کو دے آؤ، کیونکہ خدیجہؓ اسے عزیز رکھتی تھیں!"

ابولہب کی کنیز ثوبیہ نے بھی چند روز آپؐ کو دُودھ پلایا تھا۔ آپؐ انہیں ہر سال انعام اور جوڑا مرحمت فرماتے۔

انکسار و فروتنی!

فقراء اور مساکین کے آپؐ مساویانہ برتاؤ کرتے، ان کے ساتھ بیٹھ جاتے وُہ بیمار ہوتے تو اُن کی بیمارپرسی کے لئے تشریف لے جاتے، آپؐ کی تشریف آوری

رجب کوئی ادب و تعظیم کے لئے کھڑا ہوتا تو فرماتے اہلِ عجم کی طرح تعظیم کے لئے مت کھڑے ہوا کرو۔ صحابہؓ میں اس طرح گھل مل کر بیٹھتے کہ ایک اجنبی کے لئے یہ امتیاز کرنا دشوار ہو جاتا کہ اس مجلس میں صحابی کون ہے اور رسول کون؟ صحابہؓ آپ کی تعریف میں حد سے بڑھتے تو آپؐ منع فرماتے، ارشاد ہوتا "مجھے یونسؑ پر فضیلت نہ دو، نہ موسیٰؑ سے بڑھاؤ" قرآن نے بھی بار بار اس بات پر زور دیا ہے کہ انبیاء سب برابر ہیں! قرآن نے خود آپؐ کے خلق کو سراہا ہے، اور فرمایا ہے اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم! آپؐ کے خلق و راستی کا اعتراف آپؐ کے دشمنوں اور مخالفوں کو بھی تھا، آپؐ کی سچائی سے ابوجہل کو بھی مجالِ انکار نہ تھی، ابوسفیان سے جب ہرقل نے رسول اللہ کے بارے میں دریافت کیا "کیا تم انہیں جھوٹا سمجھتے ہو" تو ابوسفیان کو کہنا پڑا "نہیں"!

مالی حالت!

سیم وزر کے انبار آتے، اور آپؐ انہیں راہِ خدا میں تقسیم کر دیتے، دنیا کا یہ سب سے بڑا انسان جو دوسروں کی اس فیاضی اور سخاوت سے حاجتیں اور ضرورتیں پوری کیا کرتا تھا، جس کے قبضہ میں زمین و آسمان کے خزانے تھے، جس کے حضور میں سونے اور چاندی کے سکے آیا کرتے تھے، خود اس کی ذاتی مالی حالت کیا تھی؟ کیا اس کے دسترخوان پر کئی کئی قسم کے کھانے ہوتے تھے؟ کیا اس کے گھر میں مشک و عنبر اور سیم وزر کی فراوانی تھی؟ آیئے، تاریخ سے یہ سوال کریں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں "ایک ایک مہینہ برابر ہمارے چولھے میں آگ روشن

نہ ہوتی، ہمیں پانی اور کھجور پر گزارا کرنا پڑتا ہے۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ فتح مدینہ کے بعد تاجدارِ عالمؐ کو کبھی ایسا اتفاق پیش نہیں آیا کہ تین دن مسلسل گیہوں کی روٹی آپؐ کو ملی ہو۔

مشرق و مغرب کا یہ تاجدارؐ جب اس دنیا سے رخصت ہوا تو اس کی زرہ ایک یہودی کے پاس غلّہ کے عوض رہن تھی، اور عین اُس رات جو آں حضرتؐ کی آخری رات تھی حضرت عائشہؓ نے پڑوسن سے چراغ کے لئے تیل قرض منگوایا، تب گھر میں روشنی ہوئی۔

دنیا بہت آگے بڑھ چکی ہے، فلاحِ انسانیت اور مجدِ آدمیت کے لئے نئی نئی تحریکیں، جمہوریت، اشتراکیت، اشتمالیت اور فاشسستیت کے نام سے عالمِ وجود میں آچکی ہیں، لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ارتقاءِ انسانی کے اس دَور میں اس بے نفسی، بے غرضی اور رضا کارانہ نفس کشی کی مثال واشنگٹن، روم، ٹوکیو، لندن، برلن حتّٰی کہ "ماسکو شریف" تک میں کہیں مل سکتی ہے؟

عورت کا احترام!

اسلام دنیا میں سب سے پہلا مذہب ہے جس نے عورت کی جداگانہ اور منفرد ہستی تسلیم کی، جس نے عورتوں کو وُہ تمام حقوق دیئے، جو مردوں کو عطا کئے جس نے عورت کا احترام سکھایا، جس نے عورت کی وراثت تسلیم کی، خود مختاری تسلیم کی، اختیار و اقتدار تسلیم کیا، داعیِ اسلامؐ کی حیاتِ گرامی کا ایک ایک صفحہ اس حقیقت کا شاہد ہے کہ آپؐ نے عورت کو وُہ عزت عطا فرمائی، جو اس تہذیب و تمدّن کے دَور میں بھی عورت

نہیں حاصل کر سکی ہے، آپؐ نے عورت کو آبگینہ سے تشبیہ دی ہے، اور اس کی خاطر و نگہداشت کا حکم دیا ہے۔

ایک دفعہ آنحضرتؐ امّ المومنین حضرت صفیہؓ کے ساتھ ناقہ پر جا رہے تھے، ناقہ کا پاؤں پھسلا، آپؐ بھی گر پڑے اور حضرت صفیہؓ بھی، حضرت ابوطلحہؓ دوڑے کہ رسول اللہؐ کو اٹھنے میں مدد دیں، آپؐ نے فرمایا: "علیك بالمرأة" یعنی "پہلے عورت کی خبر لو!"

بریرہؓ اور ان کے شوہر مغیثؓ میں تفریق ہو چکی تھی، مغیثؓ نے تجدیدِ عقد کرنی چاہی، آنحضرتؐ سے اپنا حالِ زار عرض کیا، اور سفارش چاہی، آپؐ نے بریرہؓ سے سفارش کر دی، بریرہ نے بے جھجک رسولِ اکرمؐ سے دریافت کیا: "یہ آپؐ کا حکم ہے یا مشورہ؟" آپؐ نے فرمایا: "مشورہ"، بریرہ نے جواب دیا: "مجھے مغیثؓ کی حاجت نہیں"۔ وہ چلی گئیں، اور آپؐ نے پھر کوئی مداخلت نہیں کی۔

کیا عورت کی آزادیِ کاملہ کا اس سے بڑھ کر کوئی اور چارٹر پیش کیا جا سکتا ہے؟

رحمتِ عالمؐ!

عفوو درگزر، بخشش و جاں نوازی!

آنحضرتؐ سراپا رحمت و بخشش تھے، آپ خطاکاروں سے درگزر فرماتے، گنہگاروں کو معاف کر دیتے، دشمنوں سے حسنِ سلوک کا برتاؤ کرتے۔ مخالفوں کو محبت سے جیت لیتے۔

فتحِ مکہ!

مدینہ سے جب سرکارِ دوعالمؐ فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے تو انہوں نے کیا کیا؟ یہ مکہ کے لوگ وُہ تھے، جنہوں نے نبیِ اکرمؐ کا مذاق اُڑایا تھا، دعوائے نبوت کا اعلان کیا تھا۔ راستے میں کانٹے بچھائے تھے، سرِ مبارک پر اونٹ کی اوجھڑی رکھی تھی، دیوانہ اور شاعر مشہور کیا تھا، قتل کی اسکیمیں بنائی تھیں، ترکِ موالات کی تھی، ہجرت پر مجبور کر دیا تھا آج اِن میں سے کسی کی جان کی خیر تھی؟ آج مجرم قتل گاہ میں لائے جانے چاہیئے تھے تاکہ ان کی گردنیں اُڑا دی جاتیں۔ ان کی جائدادیں ضبط کر لی جاتیں، ان کا مال و اسباب لُوٹ

لیا جاتا، انہیں جلاوطن کر دیا جاتا، لیکن وقت کے سب سے بڑے فاتح نے کیا کیا؟ اعلان کر دیا، ابوسفیان کو معافی دی گئی، اور یہ ابوسفیان کون تھا؟ نبی کا سب سے بڑا دشمن، نبوت کا سب سے بڑا مخالف، مہاجرین کی ہجرت اور مصائب کا سب سے بڑا ذمہ دار، کفارِ عرب کو جنگوں، اور لڑائیوں پر اُکسانے والا، نبی کو قتل کرنے کی سازشیں کرنے والا، اسلام کو، اور مسلمانوں کو، ہست سے نیست کر دینے کے منصوبے باندھنے والا، اسے صرف معاف ہی نہیں کیا گیا بلکہ عزّت افزائی کی گئی، فرمایا گیا "آج ہر اس شخص کو امان ہے جو گھر میں بیٹھ رہے یا خانۂ کعبہ میں داخل ہو جائے یا ابوسفیان کے ہاں پناہ لے" آج ابوسفیان سے بڑھ کر مکّہ میں معزز کون تھا؟

عفوِ تقصیرات!

یہ عکرمہ ہے ـــــ ابوجہل کا بیٹا جس نے بارہا مُسلمانوں سے خونریز لڑائیاں لڑیں، مسلمانوں کے حلیف بنوخزاعہ کی تباہی کا واحد ذمہ دار یہی تھا، لیکن نبیِ آخر الزماںؐ کے دامنِ رحمت نے اسے پناہ دی، اور معاف کر دیا، اس عفو کا نتیجہ کیا ہوا؟ عکرمہ حضرت عکرمہؓ بن گئے، رسولؐ کے صحابی، اخبار و آثارِ رسولؐ کے ثقہ راوی!

یہ ہبار ہے ـــــ جس نے بنتِ رسول اللہؐ حضرت زینبؓ کو جب وُہ مکّہ سے مدینہ جا رہی تھیں، نیزہ مارا، اس ضرب سے حمل ساقط ہو گیا، اور بالآخر انہوں نے اس دنیا سے کنارا کیا، لیکن رحمتِ عالمؐ نے ہبار کو بھی معاف کر دیا۔ صلّی اللہ علیہ وسلّم

یہ ہندہ ہے ـــــ ابوسفیان کی بیوی، جس نے رسولؐ کے محبوب چچا حضرت

حمزہؓ کو انعام دے کر قتل کرایا، اور سینہ شق کر کے کلیجہ نکالا اور دانتوں سے کچّا چبا گئی، پھر اس نے حضرت حمزہؓ کے ناک کان کاٹے، دھاگے میں پروئے، اور جوشِ انتقام میں گلے کا ہار بنایا، لیکن رحمتِ عالمؐ نے اسے بھی معاف کر دیا۔

یہ وحشی ہے ــــــ ابوسفیان، اور ہندہ کا غلام، سید الشہداء حضرت حمزہؓ کا سفاک قاتل، لیکن نبیؐ کے دامنِ رحمت میں اسے بھی پناہ مل گئی، اسی کو نہیں اور بھی بڑے بڑے مجرموں اور گنہگاروں کو، جو رحمت اللعالمینؐ ہو، اس سے عفو و مرحمت کے سوا اور کیا مل سکتا ہے؟ نفرت اور انتقام سے اس کو کیا سروکار؟

یہ مہاجر ہیں ــــــ وہ مہاجر جو کفار کی ایذا رسانی سے تنگ آ کر، وطن سے بے وطن ہوئے تھے، مکّہ سے رخصت ہو کر مدینہ میں پناہ گزین ہوئے تھے آج یہ شاد کام و مسرور واپس آئے ہیں، پہلے یہ مغلوب تھے، آج غالب ہیں، پہلے یہ محکوم تھے، آج حاکم ہیں، ان کے جانے کے بعد، کفّار نے ان کا مال و اسباب لوٹ لیا تھا، ان کے گھروں پر قبضہ کر لیا تھا، ان کی جائدادیں اپنے تصرّف میں لے آئے تھے، آج انہوں نے چاہا کہ بغیر تاوان لئے صرف اپنے مکان اور جائداد پر قابض ہو جائیں لیکن نبی رحمتؐ نے مسلمانوں کی یہ درخواست رد کر دی، اور کفار کو جہاں تھے وہیں متمکن رہنے دیا، جن مسلمانوں نے خدا و رسولؐ کی خوشنودی کے لئے گھر بار چھوڑا تھا وہ اب انہیں حاصل کرنے کی کیوں کوشش کرتے

کیا دنیا کی تاریخ میں اس عفوِ عمومی، اس رحمت، اس رواداری اور وسعتِ قلب کی مثال ملتی ہے، مل سکتی ہے؟

اور یہاں یہ اوطاس (رشتہ) کے قیدی ہیں، ان میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے طائف میں رسولِ اکرمؐ پر سنگ باری کی تھی، ہوازن کے سرداروں نے رحمتِ عالمؐ سے عفو و کرم کی درخواست کی، آپؐ نے بے تامل اپنے اور عبدالمطلبؓ کے قیدیوں کو بغیر کسی معاوضہ کے رہا کر دیا۔ آپؐ کی دیکھا دیکھی، انصار اور مہاجرین نے بھی اپنے قیدیوں کو بغیر کسی معاوضہ کے آزاد کر دیا، اب وہ قیدی رہ گئے جو بنو سلیم اور بنو فزارہ کے تھے انہوں نے اپنے قیدیوں کو آزاد نہ کیا، ہر قیدی کی قیمت چھ اونٹ قرار پائی، اور یہ ساری قیمت، رحمتِ دو عالمؐ نے خود ادا کر کے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا صرف رہا نہیں کیا، اپنے پاس سے سب کو لباس بھی مرحمت فرمایا۔

جنگِ بدر کا واقعہ!

جنگِ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ قیدیوں کی ایک معقول تعداد آئی، یہ وہ لوگ تھے جو اسلام کو، مسلمانوں کو، داعیِ اسلام کو تباہ و برباد کر دینے پر تُلے ہوئے تھے، جنہوں نے کوئی دقیقہ مخالفت اور عداوت میں نہیں اٹھا رکھا تھا، لیکن رسول اللہؐ نے حضرت ابوبکرؓ کے مشورہ سے زرِ فدیہ لے کر چھوڑ دیا، حالانکہ حضرت عمرؓ کی رائے تھی، ان سب کو قتل کر دیا جائے، یہ لوگ جب تک قید رہے، ان کے ساتھ نہایت اچھا برتاؤ کیا گیا، ان کی آرام و آسائش کا پورا خیال رکھا گیا، ان کے ساتھ وہ سلوک کیا گیا جو معزز مہمانوں کے ساتھ کیا جاتا ہے، ان قیدیوں نے خود اعتراف کیا کہ اہلِ مدینہ اپنے بچوں سے زیادہ ان کی آسائش کا لحاظ رکھتے تھے۔

حالانکہ یاد رکھنا چاہیئے، داعیٔ اسلام کا جنگی قیدیوں کے ساتھ یہ بہتر اور خوشگوار سلوک اُس زمانہ میں تھا، جب وقت کی مہذّب اور متمدن حکومتیں جنگی قیدیوں کو غلام بنا لیتی تھیں اور ان کے ساتھ ننگِ انسانیت سلوک کرتی تھیں، ان سے ایسے کام لیتی تھیں جن کے تصوّر سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

ثمامہ کا واقعہ!

ثمامہ بن اثال، داعیٔ اسلام کا بدترین دشمن تھا، یہ گرفتار ہوکر (۵ھ) حضورؐ کے سامنے لایا گیا، آپؐ نے دریافت فرمایا "کیا حال ہے؟" ثمامہ نے جواب دیا "اگر آپؐ میرے باب میں قتل کا حکم دیں گے تو ایک خونی اس کا سزاوار ہے، بخش دیں گے تو شکرگزار ہوں گا، جرمانہ لینا چاہیں تو حاضر ہوں رقم کی تعیین کردیجیئے" آپؐ نے اسے بغیر کچھ سزا دیئے یا جرمانہ لیئے رہا کردیا، رہا ہوتے ہی وہ قریب کے ایک باغ میں گیا وہاں غسل کیا اور پھر واپس آیا، اور آتے ہی مسلمان ہوگیا، اس نے کہا "اے رسولِ خدا دنیا میں آپؐ سے زیادہ میں کسی سے نفرت نہیں کرتا تھا لیکن اب دُنیا میں آپؐ سے بڑھ کر محبوب میری نظر میں کوئی نہیں ہے، بخدا آپؐ کے شہر (مدینہ) سے مجھے بے انتہا نفرت تھی، لیکن اب یہ دیار دُنیا کے ہر مقام سے زیادہ مجھے مرغوب ہے، بخدا آپؐ کا دین میرے لئے سب سے زیادہ ناپسندیدہ تھا، لیکن اب وہی دین میرا مقصدِ حیات ہے"

اپنے دیس واپس جاکر ثمامہ نے نومسلمانہ جوش کو کام میں لاتے ہوئے مکّہ میں اناج کا بھیجنا بند کردیا، مکّہ والے اِس تکلیف کو برداشت نہیں کرسکے، انھوں نے

آنحضرتؐ سے استدعا کی، آپؐ نے اہلِ مکّہ کی مسلسل دشمنی اور عداوت کو نظر انداز کر کے ثمامہ کو لکھ دیا، کہ مکّہ میں اناج کی ترسیل بدستور جاری رہے!

یہ رحمت و عطوفت، رحمۃ للعالمینؐ کے دامن کے سوا اور کہاں مل سکتی تھی؟

سعد کا سوال!

حضرت زینبؓ کی ننھی صاحبزادی دم توڑ رہی تھیں، آپؐ نے گود میں اٹھا لیا اور آنکھیں پُرنم ہو گئیں، یہ حال دیکھ کر حضرت سعد نے پُوچھا: "یا حضرت یہ کیا؟" ارشاد ہوا "یہ وُہ رحم ہے جو خدا نے اپنے بندوں کے دلوں میں بھر دیا ہے، اور خدا انہی بندوں پر رحم کرے گا جو اس کے (بندوں پر) رحم کرتے ہیں۔"

ابوسفیان کی اِلتجا!

ایک بار مکّہ میں سخت قحط پڑا، نوبت یہاں تک پہنچی کہ لوگوں نے مُردار تک کھانا شروع کر دیا، ابوسفیان کہ آپؐ کا بدترین دشمن تھا خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوا اور کہا "آپ تو صلۂ رحم کی تلقین فرمایا کرتے ہیں، اپنی قوم کے لئے خدا سے دعا کیجیے!" آپؐ نے فوراً دعا کے لئے ہاتھ اُٹھا دیئے، اور مُوسلا دھار بارش ہوئی۔

ایک اور واقعہ!

آنحضرتؐ مسلمانوں کے ساتھ حدیبیہ کے میدان میں نمازِ فجر پڑھ رہے تھے، کوہِ تنعیم سے چپکے چپکے ستّر اسّی آدمی اترے کہ نماز کی حالت میں مسلمانوں کو قتل کر دیں، لیکن یہ سب لوگ گرفتار ہو گئے، مگر آپؐ نے ان سب کو رہا کر دیا، نہ کسی سے جرمانہ لیا نہ سزا دی!

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے، آپؐ نے اپنی ذات کے لئے کبھی کسی سے اِنتقام نہیں لیا!

قرض خواہ یہودی!

زید بن سعنہ (ایک یہودی) کے آپؐ مقروض تھے، وُہ تقاضہ کے لئے آیا، حالانکہ وعدہ کی تکمیل میں ابھی تین دن باقی تھے، آپؐ کے شانہ مبارک سے چادر اُتار لی، کپڑے پکڑ لئے، اور بدکلامی کرنے لگا۔ حضرت عمرؓ موجود تھے۔ انہوں نے سختی سے اسے ڈانٹا، آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ سے کہا: "عمرؓ تمہیں چاہیئے تھا کہ مجھے قرض اچھی طرح ادا کرنے کو کہتے اور اسے معقول طرح تقاضہ کرنے کی ہدایت کرتے، تم (میری طرف سے) اس کا قرضہ ادا کر دو، اور ہاں بیس صاع زیادہ دینا، کیونکہ تم نے اسے ڈانٹا ہے!"

عبداللہ بن ابی!

عبداللہ بن ابی، راس المنافقین تھا، دربردہ، اسلام اور داعیٔ اسلام کے خلاف کفّار اور مشرکین سے سازشیں کیا کرتا، اس کے بیٹے حضرت عبداللہؓ نہایت مخلص اور جاں باز مُسلمان تھے، انہیں معلُوم ہوا کہ حضورؐ عبداللہ بن ابی سے ناراض ہیں پھر یہ افواہ اڑی کہ اس کے قتل کا حکم صادر فرمانے والے ہیں، حضرت عبداللہؓ کو جب یہ معلوم ہوا، حضورؐ نبوی میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا "سب کو معلوم ہے کہ میں اپنے باپ سے (اس کی منافقانہ سرگرمیوں کے باوجود) کس قدر محبت کرتا ہوں، لیکن اگر حضورؐ کی مرضی ہو، تو میں خود اس کا سر کاٹ لاؤں؟" آپؐ نے فرمایا قتل نہیں، میں اُس پر مہربانی کروں گا!" اور پھر جب

عبداللہ بن ابی کا انتقال ہوا، تو اس کے کفن کے لیئے (برائے برکت) آپؐ نے اپنا کرتہ مرحمت فرمایا، اور خود جنازہ کی نماز پڑھائی حالانکہ حضرت عمرؓ عرض کرتے رہے کہ منافق کی نماز جنازہ حضورؐ نہ پڑھائیں۔ بعد میں وحیِ الٰہی سے بھی حضرت عمرؓ کی رائے کی تائید ہوئی۔

ذی قرد کا واقعہ!

آنحضرتؐ کی اونٹنیوں کی چراگاہ ذی قرد پر قبیلہ غطفان کے چند آدمیوں نے چھاپہ مارا اور ۲۰ اونٹنیاں پکڑ لے گئے، حضرت ابوذرؓ کے صاحبزادے کو جو نگہبانی پر مامور تھے، ہلاک کر دیا، اور ان کی بیوی کو گرفتار کر لے گئے، حضرت سلمہؓ بن الاکوع نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ تعاقب کیا، تمام اونٹنیاں چھڑا لائے، حضور نبویؐ میں آکر عرض کناں ہوئے "اگر کچھ آدمی مل جائیں تو سب کو گرفتار کر کے ابھی لاتا ہوں" آپؐ نے فرمایا "جب قابو پا جاؤ تو عفو سے کام لو" اور وہ لوگ بچ کر نکل گئے۔

فتح خیبر کے بعد!

خیبر کی فتح کے بعد، آنحضرتؐ نے یہودیوں کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ کیا، انہیں ہر قسم کی جائز آزادی دی گئی، ان کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے، ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ رعائتیں ملحوظ رکھی گئیں، لیکن یہودیوں نے اس کا صلہ یہ دیا کہ مشہور پہلوان مرحب (جسے حضرت علیؓ نے پچھاڑا تھا) کی بھاوج کی طرف سے دعوت دلوائی، اس نے کھانے میں زہر ملا دیا، آپؐ نے ایک لقمہ کھا کر، ہاتھ روک لیا، زینب کو بلا کر پوچھا، اس نے اقرار خطا کیا، اور مان لیا کہ زہر ملایا تھا، مگر آپؐ نے اسے کوئی سزا نہیں دی کیونکہ آپؐ

اپنی ذات کے لئے کبھی انتقام نہ لیتے تھے، بعد میں اس کے زہر کے اثر سے تین دن کے بعد حضرت بشر بن براءؓ کا انتقال ہو گیا، تب وہ قتل کی گئی۔

رسولؐ کی بد دعا!

محاصرہ طائف کے وقت صحابہ نے آنحضرتؐ سے عرض کی کہ ان کفار و منکرین کو بد دعا دیں، آپؐ نے یہ بد دعا دی: "اے خدا ثقیف کو راہِ ہدایت دکھا، اور توفیق دے کہ میرے پاس آجائیں"!

یادِ ماضی!

جنگ بدر کے اسیروں میں، ابو العاصؓ بھی تھے، یہ آنحضرتؐ کے داماد تھے، یعنی حضرت زینبؓ کے شوہر، زرِ فدیہ پاس نہ تھا، مکہ میں اپنی اہلیہ سے کہلا بھیجا کہ زرِ فدیہ بھیج دیں، حضرت زینبؓ کے نکاح کے وقت حضرت خدیجہؓ نے ایک قیمتی ہار عطا فرمایا تھا، حضرت زینبؓ نے زرِ فدیہ کے ساتھ وہ ہار بھی گلے سے اتار کر بھیج دیا، آنحضرتؐ نے ہار دیکھا تو آنکھیں پُر آب ہو گئیں، صحابہ سے فرمایا، "اگر تمہاری مرضی ہو تو بیٹی کو ماں کی یادگار واپس کر دو" سب نے بے چون و چرا ارشاد تسلیم کر لیا اور ہار واپس کر دیا گیا۔

کچھ عرصہ کے بعد ابو العاصؓ کہ بہت بڑے تاجر تھے، ساز و سامان کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے واپسی میں مسلمانوں نے گرفتار کر لیا اور سامان مالِ غنیمت کے طور پر تقسیم ہو گیا، یہ اب تک کافر تھے، حضرت زینبؓ اپنے والد (آنحضرتؐ) کے پاس آگئی تھیں انہوں نے حضرت زینبؓ کے دامن میں پناہ لی، آنحضرتؐ کا اشارہ پاکر، پھر اُن کا مال انہیں

واپس کر دیا گیا اور انہیں اجازت دے دی گئی کہ اپنے وطن جائیں اور اپنے مذہب پر قائم رہیں، یہ مکہ چلے آئے۔ مگر اس حسنِ سلوک نے دل موہ لیا تھا، شرکاءِ تجارت کا حساب بیباق کیا، اور کہا "اب میں مسلمان ہو کر مدینہ واپس جاتا ہوں، میں اس لئے آ کر جا رہا ہوں کہ یہ نہ کہہ سکو، ابو العاصؓ نے ہمارا روپیہ مار لیا!"

حضرت فاطمہؓ سے محبت!

آنحضرتؐ اپنی اولاد میں سب سے زیادہ حضرت فاطمہؓ کو چاہتے تھے، فاطمہؓ کو بھی باپ سے انتہائی محبت تھی، حضرت عائشہؓ روایت فرماتی ہیں کہ آپؐ کی وفات سے کچھ پہلے حضرت فاطمہؓ تشریف لائیں، آپؐ انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور مرحبا کہہ کر اپنے پاس بٹھا لیا، وہ آپؐ پر جھک پڑیں، اور آپؐ کی پیشانی کے بوسے لینے لگیں، آپؐ نے ان کے کان میں کچھ فرمایا، وہ رونے لگیں، پھر کچھ کہا، وہ ہنسنے لگیں، میں نے فاطمہؓ سے یہ معمہ دریافت کیا، کہنے لگیں "میں بھلا رسول اللہؐ کا راز فاش کر دوں گی؟" پھر آپؐ کی وفات کے بعد دوبارہ میں نے دریافت کیا، کہنے لگیں "رسول اللہؐ نے پہلی دفعہ میرے کان میں یہ کہا تھا کہ جبرئیلؑ ہر سال میرے ساتھ قرآن کا ایک دور کرتے تھے، مگر اس سال دو دور کیے، میرا خیال ہے کہ میرا وقت آپہنچا ہے، بیٹی مسلمانوں میں کسی عورت کی مصیبت تجھ سے بڑھ کر نہیں ہوگی، ایسا نہ ہو کہ تو سب سے کم صابر ثابت ہو، یہ سن کر میں رونے لگی، دوبارہ آپؐ نے فرمایا، روتی کیوں ہے بیٹی؟ کیا تجھے یہ پسند نہیں کہ میرے خاندان میں سب سے پہلے تو ہی مجھ سے آملے؟ خواتینِ جنت کی سردار ہو، اور میں تیرے لئے بہترین پیش خیمہ بنوں؟ یہ

سُن کر میں ہنسنے لگی"۔

اور بالآخر وہی ہوا، جو نطقِ رسالتؐ نے فرمایا، خاندانِ نبویؐ میں سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ ہی نے اس دنیا سے کنارا کیا۔ اور حضرتؐ کے پردہ فرمانے کے بعد سب سے زیادہ انہی کو مصائب برداشت کرنے پڑے، لیکن نبیؐ کی بیٹی سب سے زیادہ صا[illegible] ثابت ہوئی۔

صفات و کردار!

تھوڑی دیر کے لیئے اگر آنحضرتؐ کی نبوی حیثیت سے قطع نظر کر لیں تو بھی بہ حیثیت انسان کے آپؐ کے صفاتِ عالیہ، کردار بلند، پاک شخصیّت اور دل کو موہ لینے والی عادتیں آپؐ کو سب سے بڑا اور سب سے برتر انسان ثابت کرتی ہیں۔

حضرت خدیجہؓ!

۲۵ سال تک آپؐ نے تجرّد کی زندگی بسر کی، پھر آپؐ نے شادی کی، یہ وُہ عمر تھی، جسے دورِ شباب کے عروج سے موسُوم کیا جائے تو غلط نہ ہوگا، لیکن آپؐ نے حضرت خدیجہؓ سے شادی فرمائی، جن کی عمر ۴۰ سال کی تھی، شادی کے بعد حضرت خدیجہ ۲۵ سال تک زندہ رہیں، اور اِس طویل مدت میں آپؐ نے دُوسری شادی کا خیال بھی اپنے دل میں نہیں آنے دیا، اِس طویل مدّت میں، آپؐ کا برتاؤ، حضرت خدیجہؓ کے ساتھ وُہ رہا جو ایک سچّی محبت کرنے والے سراپا خلوص شوہر کا ہوتا ہے، ۵۰ سال کی عمر تک آپ برابر حضرت خدیجہؓ سے محبت و الفت کے ساتھ نباہ کرتے رہے، حضرت خدیجہؓ کی وفات کے

بعد بھی آپؐ ان کا ذکر محبت سے کرتے تھے، ایک مرتبہ کہیں حضرت عائشہؓ نے فرمایا
"کیا آپؐ بڑی بی کا ذکر کرتے ہیں" آپؐ کو یہ بات ناگوار ہوئی، اور آپؐ نے حضرت خد
کے احسانات گننا شروع کئے، وفات کے بعد بھی حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں اور
والیوں سے آپؐ نے وہی حسنِ سلوک مرعی رکھا جو اُن کی زندگی میں روا رکھتے تھے۔

کیا اس سے بڑھ کر آپؐ کے کردار کی پاکیزگی کا ثبوت کوئی اور ہو سکتا ہے؟

وفد بنی حنیفہ!

بنو حنیفہ کے وفد کے ساتھ مسیلمہ کذاب بھی تھا، سارا وفد مسلمان ہو گیا، مگر مسیلم
شرط پیش کی، "اگر محمدؐ یہ اقرار کریں کہ اپنا جانشین مجھے بنائیں گے، تو میں اسلام پر بیعت
کر لوں گا" جب یہ شرط حضورؐ تک پہنچی تو آپؐ نے کھجور کی شاخ کی طرف اشارہ کرتے ہو
جو آپؐ کے دستِ مبارک میں تھی، فرمایا "میں تو اس چھڑی دینے کی شرط پر بھی بیعت نہ
لینا چاہتا!"

ایک شادی میں شرکت!

ایک مرتبہ آپؐ ایک شادی میں تشریف لے گئے، کچھ بچیاں اپنے اسلاف ک
تاریخی کارنامے گا رہی تھیں، گاتے گاتے انہوں نے یہ بھی گایا کہ "ہمارے درمیا
ایک ایسا نبی ہے جو کل کی بات آج بتا دیتا ہے" آپؐ نے فوراً ٹوکا، اور ارشاد فر
"یہ نہ کہو جو پہلے گا رہی تھیں وہی گائے جاؤ!"

ابراہیمؑ کا انتقال!

آپؐ کے فرزند دلبند حضرت ابراہیمؑ کا جس روز انتقال ہوا، اس دن سورج گرہن بھی پڑا، لوگوں میں یہ خیال پھیل گیا کہ یہ گرہن حضرت ابراہیمؑ کی وفات کے سبب ہوا ہے، آپؐ نے فوراً ایک خطبہ دیا، اور فرمایا "سورج اور چاند کسی کے مرنے یا جینے پر نہیں گہنایا کرتے"!

بشریت کا اعلان!

ایک دفعہ ارشاد ہوا "میں ایک انسان ہوں، میرے سامنے فصل قضایا کے لئے معاملات پیش ہوتے رہتے ہیں۔ کوئی شخص دوسرے شخص کے مقابلہ میں، اپنا مدعا زیادہ اچھے طور پر ظاہر کرتا ہے جس سے گمان ہوتا ہے کہ وہ سچا ہے، اور میں اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہوں، پس اگر کسی شخص کو ایسے فیصلہ کے بموجب کچھ غلط اور ناجائز طور پر ملے، تو وہ سمجھ لے کہ یہ آگ کا ٹکڑا ہے، خواہ لے، خواہ چھوڑ دے"

چوری کا ایک واقعہ!

مکہ میں فاطمہ نامی ایک عورت نے چوری کی، لوگوں نے حضرت اسامہؓ کو جنہیں آنحضرتؐ بہت چاہتے تھے، سفارشی بنایا، انہوں نے سفارش کر دی، آپ نے فرمایا: "کیا تم اللہ کے قائم کئے ہوئے حدود میں سفارش کرتے ہو؟ یاد رکھو اگر فاطمہ بنت محمدؐ بھی اس جرم کی مرتکب ہوتی تو میں حد کئے بغیر نہ رہتا۔"!

جنگِ اُحد کا ایک واقعہ!

جنگِ اُحد میں کافروں نے خود سرورِ کائنات ﷺ پر ہجوم کیا، جس سے آپ ﷺ کے دندانِ مبارک تک شہید ہو گئے، اور آپ ﷺ زخمی ہوئے۔ صحابہؓ نے التجا کی، ان کافروں کے لئے بددُعا فرمائیے، آپ ﷺ نے فرمایا "میں لعنت کرنے کے لئے نبی نہیں بنایا گیا ہوں، اے خدا، میری قوم کو ہدایت فرما، یہ لوگ مجھے نہیں جانتے!"

کون بچائے گا؟

ایک مرتبہ ایک درخت کے نیچے، آپ ﷺ آرام فرمانے کے لئے لیٹے اور سو گئے، تلوار شاخ سے آویزاں کر دی، ایک کافر غورث بن الحارث آیا، اس نے تلوار پر قبضہ کر کے آپ ﷺ کو خواب سے بیدار کیا، اور کہا: "اے محمدؐ اب تمہیں کون بچائے گا؟" آپ نے پُوری بے پروائی اور استقلال سے جواب دیا: "اللہ"! یہ سُن کر وُہ دہشت زدہ ہو گیا، تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی، آپ ﷺ نے تلوار اٹھالی، اور فرمایا: "بول اب تجھے کون بچا سکتا ہے؟" وُہ سکتہ میں کھڑا رہ گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: "جاؤ، میں بدلہ نہیں لیتا!"

پاسِ عہد!

جنگِ بدر (۲ھ) شروع ہو رہی ہے صفیں آمنے سامنے کھڑی ہیں، کفار کا لشکر زیادہ ہے، اسلام کا کم، ایک آدمی کا اضافہ بھی ہو جائے تو اطمینان و دلجمعی کا موجب، اسی اثناء میں، حضرت حذیفہؓ بن الیمان، اور حضرت حسیلؓ (صحابی) لشکرِ اسلام میں آئے، اور اپنی سرگزشت سُنائی کہ "راستے میں کفّار نے ہمیں روک لیا تھا، کہ محمدؐ کی مدد کو جا رہے

ہو؟ ہم نے انکار کر دیا، اور عدمِ شرکت کا وعدہ کر کے یہاں تک پہنچے،" آپؐ نے فرمایا:
"ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے ہم کو صرف خدا کی مدد درکار ہے!"

چنانچہ ہر دو صحابی شرکتِ جنگ کی سعادت سے محروم رہ گئے۔ آپؐ نے انہیں وعدہ شکنی نہیں کرنے دی۔

انصار سے تعلقِ خاطر!

انصارِ مدینہ نے جس اخلاص و ایثار کے ساتھ سخت و صعب ایام میں آپؐ کا ساتھ دیا تھا، اُسے آپؐ نے کبھی نہیں فراموش فرمایا۔ انصار کے ساتھ آپ ہمیشہ حسنِ سلوک سے پیش آتے، اور دُوسروں کو ان سے اچھا برتاؤ کرنے کی تلقین کرتے۔

مرض الموت میں ایک روز آپؐ سر پر رُومال باندھے برآمد ہوئے تو دروازے پر انصاری مردوں، عورتوں اور بچوں کا ہجوم تھا، یہ لوگ اپنے محبوب نبیؐ کی علالتِ طبع سے پریشان اور مضمحل، بیقرار اور مضطرب تھے۔ آپؐ انہیں دیکھ کر بہت متاثر ہوئے، اور فرمایا "قسم اُس ذات کی، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اے انصار میں تم سے بے حد محبت کرتا ہوں"! پھر مسلمانوں کی طرف مخاطب ہوئے، اور فرمایا: "انصار نے وُہ سب بیباق کر دیا جو اُن کے ذمہ تھا، لیکن تمہارے ذمہ ان کے تمام حقوق باقی ہیں، دیکھو، ان کے نیکوں سے نیکی کرو، اور بدوں سے درگزر کرو۔"

ایک اور واقعہ!

حضرت ابوبکرؓ، اور حضرت عباسؓ انصاریوں کی طرف سے گزرے، وُہ لوگ زاروقطار

رو رہے تھے، ان حضرات نے سبب دریافت کیا تو جواب ملا کہ ہمیں رسُولؐ اللہ کی صُحبتیں یاد آتی ہیں! ہر دو صحابہ نے واپسی میں آنحضرتؐ کو یہ واقعہ بتایا، آپؐ بہت متاثر ہوئے، مسجد میں تشریف لائے، اور ممبر پر بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرمایا "میں تمہیں انصار سے حُسنِ سلوک کی وصیّت کرتا ہوں، وُہ میرا صندُق تھے، میری تھیلی تھے، سب لوگ زیادہ ہو جائیں گے، مگر انصار کم ہوتے رہیں گے، یہاں تک کہ کھانے میں نمک کی طرح رہ جائیں گے، پس تم میں اگر کوئی ایسا مرتبہ پائے کہ وُہ دُوسروں کو نفع نقصان پہنچا سکتا ہو اسے چاہئے کہ انصار کے اچھوں سے اچھا سلوک کرے اور بُروں کو معاف کر دے!"

ایک مرتبہ حضرت علیؓ اور فضل کے گلے میں نقاہت اور کمزوری کے باعث بانہیں ڈال کر انصار کی بیقراری کا حال سُن کر مسجد میں تشریف لائے، اور ایک اثر انگیز خطبہ دیا اور فرمایا "میں تمہیں انصار سے مہربانی کی وصیت کرتا ہُوں، یہ وہ لوگ ہیں جو تم سے پہلے ایمان لائے ہیں، کیا انہوں نے اپنے رزق میں تمہارا حصّہ نہیں لگایا؟ کیا انہوں نے اپنی آدھی روزی تمہیں بانٹ نہیں دی؟ کیا انہوں نے اپنے گھروں میں تمہارے لئے جگہ نہیں نکالی؟ کیا انہوں نے خود تکلیف نہیں جھیلی، اور خود تکلیف اٹھا کر تمہیں آرام نہیں پہنچایا؟ خبردار ان کے مقابلہ میں خود غرضی نہ کرنا!"

ان ارشادات کا اثر یہ ہوُا کہ مسلمان اپنے نبی کے انصار کو دل وجان سے چاہنے لگے، ایک دفعہ مصعبؓ بن زبیر نے ایک انصاری کی شکایت سنی، اور اسے سزا دینا چاہی، حضرت انسؓ کو معلوم ہوُا، تو فوراً پہنچے، اور انصار کے حق میں رسُولؐ اللہ کی وصیّت سنائی، مصعبؓ پر

اتنا اثر ہوا کہ اپنے آپ کو تخت پر سے نیچے گرا دیا، اور فرش پر رخسار رکھ کر کہنے لگے: "رسول اللہ کا حکم سر آنکھوں پر"۔

خوفِ خدا!

آپؓ اگرچہ نبی آخر الزمان کے تھے، محبوبؓ خدا تھے، فخر موجوداتؐ اور باعثِ تکوینِ عالم تھے، لیکن خوفِ خدا آپؐ کی رگ رگ میں سمایا ہوا تھا، خدا کو، اور خدا کی خوشنودی کو آپؐ کسی حالت میں فراموش نہ فرماتے۔

غزوۂ بدر کے اسیرانِ جنگ میں ایک شخص سہیل بن عمرو تھا، یہ نہایت زبردست خطیب تھا، عام مجمعوں میں آنحضرتؐ کے خلاف زہر چکانیاں اور بدزبانیاں کیا کرتا تھا، حضرت عمرؓ نے فرمایا "یارسول اللہ، اس کے دو نیچے کے دانت اکھڑوا دیئے جائیں کہ پھر اچھا نہ بول سکے" آپؐ نے فرمایا: "اگر میں اس کے ساتھ ایسا کروں گا، تو خدا میرے ساتھ بھی یہی کرے گا!"

ایک اہم خطبہ!

اسلام کے خدا نے سب سے زیادہ حق العباد کی تاکید کی ہے، خدا کا گناہ معاف ہو سکتا ہے لیکن انسان کا گناہ نہیں معاف ہو سکتا، آپؐ جہاں مسلمانوں کو حق العباد کی تاکید فرماتے رہتے تھے، وہاں خود بھی اس کا بڑا خیال رکھتے تھے۔

ایک مرتبہ، مرض الموت کے دوران میں سخت کمزوری کی حالت میں آپؐ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے مسجد نبوی میں ایک خطبہ دیا، فرمایا "اب تم سے میری جدائی

نزدیک آ پہنچی ہے، میں بھی ایک آدمی ہوں، جس کسی کی آبرو کو مجھ سے گزند پہنچا ہو، تو یہ میری آبرو موجود ہے، آئے اور بدلہ لے لے، جس کسی کے جسم کی چمڑی کو مجھ سے کچھ بھی تکلیف پہنچی ہو تو یہ میرے جسم کی چمڑی موجود ہے، آئے اور قصاص لے لے، جس کسی کے مال کو مجھ سے کچھ بھی نقصان پہنچا ہو تو یہ میرا مال موجود ہے آئے، اور اس میں سے لے لے، خوب اچھی طرح سمجھ لو، تم میں میرا سب سے زیادہ خیر خواہ وہی ہے جس کا کوئی حق مجھ پر ہو، اور وہ مجھ سے وصول کر لے، یا معاف کر دے تاکہ میں تمام مطالبوں سے آزاد ہو کر اپنے پروردگار کے حضور میں پہنچوں۔"

ایک وصیت!

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ دورانِ مرض الموت میں آپؐ نے حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں چند صحابہ کو جمع کیا، اور نہایت مؤثر انداز میں نصیحتیں اور ہدایتیں فرماتے رہے، آخر میں فرمایا "میں تمہیں خدا سے، بزرگ و برتر سے خوف کھانے کی وصیت کرتا ہوں، اسی کی سپردگی میں تمہیں دیتا ہوں اور اسی سے تمہیں ڈراتا ہوں، خبردار، اللہ اور اس کے بندوں کے معاملہ میں سرکشی نہ کرنا۔"

آخری خطبہ!

عین وفات کے روز، کہ حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے، آپؐ مسجد نبوی میں تشریف لائے، حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھنے لگے، نماز کے بعد آپؐ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا، اس خطبہ میں بہت سی نیک باتوں کی تلقین کی، پھر فرمایا "میں نے وہی چیز حلال کی ہے

جو قرآن نے حلال ٹھہرائی ہے اور اسی کو حرام بتایا ہے جو قرآن میں حرام ہے، اے خاندان عبد مناف، میں خدا کے مقابلہ میں تمہارے کچھ بھی کام نہ آؤں گا۔ اے عباس بن عبد المطلب میں خدا کے مقابلہ میں ذرا بھی تمہارے کام نہ آسکوں گا، اے صفیہ، عبد المطلب کی بیٹی، اور رسولؐ کی پھپھی، اے فاطمہؓ محمدؐ کی بیٹی، خدا کا ثواب حاصل کرنے کے لئے عمل کرو، میں خدا کے مقابلہ میں تمہارے کچھ بھی کام نہ آؤں گا۔ خود جو چاہو مجھ سے مانگ لو!"

علالت اور وصال!

۱۱ھ (۶۳۱ء) آنحضرتؐ کا سالِ وفات ہے!

تبلیغ کا کام پورا ہو چکا تھا، بُت پرستی سرنگوں ہو چکی تھی، جاہلیّت کا دَور افسانۂ پارینہ بن چکا تھا، اِسلام کا بول بالا ہو رہا تھا، توحید کا جھنڈا بلند ہو رہا تھا، اِسلام کا بنایا ہوا آئین و قانون نافذ ہو چکا تھا، اب اِسلام کا دَور تھا، صرف اِسلام کا دَور۔

اب آپؐ کی رُوحِ گرامی رفیقِ اعلیٰ سے جا ملنے کے لئے بیتاب تھی۔ آپؐ نے دُنیا سے پردہ فرمانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ خود بارگاہِ خداوندی سے بھی ایسی بشارتیں اور اطلاعیں ملنے لگیں، جو اس حقیقت کی آئینہ دار تھیں کہ اب آپؐ اِس مادّی دنیا سے رختِ سفر باندھ کر، عرشِ معلّیٰ کی طرف نہضت فرما ہونے والے ہیں۔

رخصت کی علامتیں!

وفات سے کئی ماہ پہلے حجِ وداع سے فراغت کے بعد منیٰ میں یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی

إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ؕ

جب اللہ کی نُصرت اور فتح پہنچ گئی، اور (اے محمدؐ) تو نے لوگوں کو فوج در فوج دینِ الٰہی میں داخل ہوتے دیکھ لیا تو اب اللہ کی حمد و تسبیح کر، اس سے طلبِ مغفرت کر، وُہی ہے توبہ کا قبول کرنے والا۔

اسی طرح سورۂ نصر سے پہلے عرفہ میں، آخری اور وداعی خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد جو وحیِ الٰہی نازل ہوئی، وُہ یہ تھی۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا

آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو پُورا کر دیا، اور اپنی نعمت تم پر پُوری کر دی، اور تمہارے لئے اسلام کے دین کو چُن لیا!

مذکورہ بالا آیات میں صاف اطلاع دی گئی ہے کہ کارِ نبوّت ختم ہو گیا، اور دربارِ الٰہی میں حاضری کا وقت آپہنچا۔

احساسِ نبوی!

خود آپؐ کو بھی اس حقیقت کا احساس ہو چکا تھا، کہ اب دنیا میں زیادہ قیام نہیں رہیگا حالانکہ ظاہری طور پر آپؐ کی صحت بہت اچھی تھی اور بظاہر کوئی اندیشہ اس امر کا نہیں تھا کہ یہ آپؐ کی زندگی کے آخری دن ہیں۔

آپؐ نے آخری خُطبہ میں بھی اس طرف اشارہ فرمایا تھا مُسلمانوں کو بہت سی نصیحتیں

فرمائیں، اور فرمایا" تم سے عنقریب (یعنی میری وفات کے بعد) لوگ سوال کریں گے،
رکھو، جو کوئی اپنی طرف سے من گھڑت باتیں کہے گا، اسے چاہئے کہ جہنّم میں پہلے سے
ٹھکانا بنا لے" پھر ارشاد ہُوا "میں تم میں ایک ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں، جس کے
کبھی گمراہ نہ ہو گے، بشرطیکہ مضبوطی سے اسے پکڑے رہو، وہ کیا ہے؟ اللہ کی کتاب
اس کے نبیؐ کی سنّت" خمِ غدیر کے موقع پر آپؐ نے جو خطبہ دیا، اس میں بھی فرمایا" قری
ہے میرے رب کا قاصد آئے، اور میں داعیِ اجل کو لبیک کہوں، تم میں دو بہترین (ثقلین)
چھوڑے جاتا ہوں، کتاب اللہ، اور اپنی عترت (یعنی اہل بیت)

ایک مرتبہ وفات سے کچھ پیشتر، حضرت عباسؓ نے ایک خواب بیان کیا، آپ
فرمایا" تعبیر آپ کے بھتیجے کی موت ہے" معاذؓ بن جبل کو، جب یمن بھیجنے لگے تو انہیں بھی
وفات کی خبر دے دی، فرمایا "معاذؓ شاید اس سال بعد تو مجھے نہ پائے گا، لوٹ کر شاید
اس مسجد اور قبر ہی کو دیکھے گا" حضرت معاذ رونے لگے، آپؐ نے انہیں تسلّی دی!

ماہ صفر سنہ ۱۱ھ!

اب آپؐ نے آخری سفر کی تیاریاں شروع فرمادیں، آپؐ احد تشریف لے گ
اور شہیدانِ اُحد سے رخصت ہوئے۔

پھر ۲۸ صفر کو، آدھی رات کے وقت آپ اچانک اُٹھ کھڑے ہوئے، حضرت عا
نے پُوچھا" میرے ماں باپ قربان کہاں؟" ارشاد ہُوا "بقیع" آپ بقیع کے قبرستان تشر
لے گئے، آپؐ کے خادم ابو مویہبہ ساتھ تھے، وہاں پہنچ کر آپؐ نے مُردوں کے لئے دُ

مغفرت فرمائی، واپسی میں حضرت میمونہؓ کے ہاں قیام فرمایا۔

۲۹ صفر ۱۱ھ!

آپؐ ایک جنازہ سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ دردِ سر شروع ہوا، پھر شدید بخار چڑھا، بار بار غسل (حدت کم کرنے کے لئے) فرماتے، اور پانی میں ہاتھ بھگو بھگو کر چہرہ تر کرتے، بخار اتنا شدید تھا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں "آپؐ کی سانس اس قدر تیز چلتی تھی، جیسے منقی کھانے والا، بیج پھونک پھونک کر منہ سے پھینکتا ہے"!

بیماری کی شدّت!

علالت برابر بڑھتی رہی، اس حالت میں بھی عدل کا اس درجہ خیال تھا کہ آپ پانچ دن تک باری باری امہات المؤمنینؓ کے ہاں جاتے رہے، اب حالت یہ پہنچی کہ چلنا پھرنا دوبھر ہوگیا، غرض جب مرض نے بہت شدت اختیار کی تو آپؐ نے پوچھا "کل کس کے گھر میں رہونگا؟" عرض کیا گیا "فلاں بی بی کے ہاں" پھر فرمایا "پرسوں کس کی باری ہے؟" عرض کیا گیا "فلاں بی بی کی" اس طرح سوالات کرنے سے حضرت فاطمہؓ سمجھ گئیں، آپؐ حضرت عائشہؓ کے ہاں رہنا چاہتے ہیں، آپؓ نے ازواجِ مطہراتؓ سے عرض کیا، ان سب نے مل کر رسولؐ سے عرض کیا "ہم نے اپنی اپنی باری حضرت عائشہؓ کو بخش دی" یہ واقعہ وفات سے ایک ہفتہ پہلے کا ہے، پھر آپ آخر وقت تک حضرت عائشہؓ کے ہاں رہے۔

پاسِ وفا!

حضرت ابوذرؓ سے آپؐ کو بہت چاہت تھی، اسی بیماری کے دوران میں ایک

دن انہیں یاد فرمایا، وُہ آئے تو آپؐ غنودگی میں تھے، وُہ اُدپر جھک کر آپؐ کو دیکھنے لگے

کی آنکھ کھُل گئی، اُنہیں دیکھا اور لیٹے لیٹے سینہ سے لگا لیا۔

اتوار کے دن حضرت اسامہؓ اپنے پڑاؤ سے چل کر آنحضرتؐ کی خطرناک علالت کا

حال سننے کے بعد تشریف لائے، جب وُہ داخل ہوئے تو آپؐ بے ہوش تھے، وُہ

اور آپ کا بوسہ لیا، آپؐ نے آنکھیں کھول دیں، مگر یارائے تکلّم نہ تھا، آپؐ دستِ مبارک

آسمان کی طرف اٹھاتے تھے، اور اسامہؓ پر رکھتے تھے، حضرت اسامہؓ فرماتے ہیں: "

مَیں نے اندازہ لگایا کہ آپؐ میرے لئے دُعا فرما رہے ہیں"!

نماز کا اہتمام!

جب تک چلنے پھرنے کی ذرا بھی سکت رہی، مسجدِ نبوی میں نماز پڑھانے

لاتے رہے، سب سے آخری نماز آپؐ نے مغرب کی پڑھائی، عشا کا وقت آیا، تو

فرمایا: "نماز ہو چکی؟" عرض کیا گیا "حضورؐ کا انتظار ہے" لگن میں پانی بھروا کر غسل فرمایا،

اٹھنا چاہا تو بیہوش ہو گئے، کچھ دیر بعد افاقہ ہوا، تو پھر وُہی سوال کیا، اور جواب میں

کیا گیا، آپؐ نے پھر غسل فرمایا مگر جب اُٹھنے لگے تو بیہوش ہو گئے، تیسری بار پھر

پھر آپؐ نے حکم دیا: "ابوبکرؓ نماز پڑھائیں" چنانچہ کئی روز تک وُہ نماز پڑھاتے رہے

سنبھالا!

وفات سے چار روز پیشتر طبیعت ذرا سنبھلی، ظہر کے وقت آپؐ نے سات

سے غسل فرمایا، غسل کے بعد آپؐ حضرت عباسؓ اور علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کے سہارے مسجد

لے گئے، حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے، آہٹ پاکر انہوں نے پیچھے ہٹنا چاہا۔ مگر آپؐ نے روک دیا۔ اور ان کے پہلو میں آکر بیٹھ گئے، نماز کے بعد آپؐ نے ایک بڑا اثر انگیز خطبہ دیا

"میں تمہارا میرِ کارواں ہوں، اور تم پر گواہ ہوں، تم سے ملاقات کا وعدہ حوضِ کوثر پر ہے، میں اس وقت حوض پر کھڑا ہوں، اور اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں، ——— سنو، اللہ نے ایک بندے کو اختیار دیا کہ دنیا اور دنیا کی مسرتوں سے جتنا چاہے لے لے، یا جوارِ خداوندی کی سعادتوں کو قبول کرے، اس بندے نے جوارِ خداوندی کی سعادت قبول کر لی۔"

حضرت ابوبکرؓ سمجھ گئے، اشارہ خود اپنی ذاتِ گرامی کی طرف ہے۔ وُہ زار زار رونے لگے، اور عرض کیا: "بلکہ ہم، ہمارے ماں باپ اور ہماری تمام آل اولاد آپؐ پر قربان" لیکن دوسرے صحابہؓ اس راز کو نہ سمجھ سکے، بعض کو بظاہر اس بے موقعہ جواب پر تعجب بھی ہوا۔ حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں، "ہمیں ابوبکرؓ کے رونے پر بہت حیرت ہوئی، لیکن بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا، کہ ابوبکرؓ ہم میں رسُول اللہؐ کو سب سے بہتر جاننے والے تھے" آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو تسلّی دی، اور کہا "بس، ابوبکر بس" پھر فرمایا "یہ مسجد میں دروازے نکلے ہوئے ہیں (مختلف گھروں کے) ان سب کو بند کر دو، صرف ابوبکرؓ کے گھر کا دروازہ باقی رہنے دو، کیونکہ کوئی ایسا نہیں جس کا ہم پر احسان ہو، اور ہم نے اس کا بدلہ نہ اتار دیا ہو، بجز ابوبکرؓ کے" خطبہ کے بعد حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں تشریف لائے، اور حضرت علیؑ کو وصیّت

لی" تم ہی مجھے نہلانا، کیونکہ جو کوئی میرا ستر دیکھے گا، اس کی آنکھیں پھوٹ جائیں گی۔" حضرت

نے عرض کیا: "یارسُول اللہ میں ڈرتا ہوں، آپؐ کو غسل نہ دے سکوں گا۔" ارشاد ہوا: "نہیں

تجھے اس کی توفیق دی جائے گی۔"

بیماری کا زور کبھی گھٹ جاتا کبھی بڑھ جاتا، اضطراب کے عالم میں کبھی چادر منہ پر ڈال

لیتے، کبھی گرمی سے گھبرا کر اُلٹ دیتے۔ اِس حالت میں آہستہ آہستہ فرمایا: "یہود اور نصاریٰ

پر خدا کی لعنت جنہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا ہے۔"

اسی شدّتِ علالت کے حال میں یاد آیا، حضرت عائشہؓ کے پاس کچھ اشرفیاں

رکھوائی تھیں، دریافت فرمایا: "عائشہ وُہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ کیا محمدؐ خدا سے بدگماں ہو کر ملے گا

جاؤ، انہیں خدا کی راہ میں خیرات کر دو۔"

وفات!

دوشنبہ کے روز جو یومِ وصال تھا، بظاہر مرض کی شدّت کم تھی، نقاہت کے باوجود

چہرۂ مبارک ہشاش بشاش نظر آ رہا تھا، حجرۂ مبارک مسجد سے ملا ہُوا تھا، آپؐ نے صبح کے

وقت پردہ اُٹھا کر دیکھا تو صفیں جمی ہوئی تھیں، حضرت ابوبکرؓ امامت کر رہے تھے، آپؐ نے

یہ منظر دیکھا، اور مُسکرائے، آپؐ کی آہٹ پا کر مسلمان پھر بے قابو ہو چلے تھے، قریب تھا کہ

صفیں ٹوٹ جائیں۔ حضرت ابوبکرؓ جو امامت کر رہے تھے، پیچھے ہٹنے لگے۔ آپؐ نے اشارہ

سے روکا، اور حجرہ کے اندر داخل ہو کر پردہ گرا دیا، یہ آخری دیدار تھا، جو اپنے نبیؐ کا مسلمانوں

نے کیا۔

اس شدید بیماری کے دوران میں بھی خدا، نماز اور قرآن کا آپؐ کو کتنا خیال تھا، اس کا اندازہ حضرت عمرؓ کی اس روایت سے ہو سکتا ہے کہ وُہ وفات سے چند روز پہلے عیادت کو حاضر ہوئے، آپؐ بخار سے جل رہے تھے، حضرت عمرؓ کہتے ہیں "میں نے کپڑے پر ہاتھ رکھا، تو شدتِ حرارت کے باعث ہاتھ کھینچ لینے پر مجبور ہو گیا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ آپؐ کو کتنا تیز بخار ہے؟" فرمایا "ہاں، مگر اس کے باوجود، میں نے بحمد اللہ گزشتہ شب سترؓ سورتیں تلاوت کیں، جن میں سبع الطوال بھی داخل ہیں" میں نے عرض کیا "اے نبی اللہؐ آپؐ کے تمام اگلے پچھلے گناہ خدا نے معاف کر دیئے ہیں۔ پھر آپؐ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟ کچھ تو اپنے حال پر ترس کھائیے" فرمایا "لیکن کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟"

آپؐ حضرت عائشہ کے سینہ سے ٹیک لگا کے بیٹھ گئے، جیسے جیسے دن چڑھتا جاتا تھا، بار بار غشی کے دورے پڑتے تھے، سخت بےچینی کا عالم تھا، ایک پاؤں پھیلاتے تھے، دوسرا سمیٹ لیتے تھے۔ حضرت فاطمہؓ سینۂ مبارک سے چمٹ کر رونے لگیں "آہ میرے باپ کی تکلیف، آہ میرے باپ کی تکلیف!" آپؐ نے فرمایا: "آج کے بعد تمہارا باپ کبھی بےچین نہ ہو گا، تیرے باپ کو اب وُہ منزل پیش آنے والی ہے، جس سے خدا کسی کو بھی چھوڑنے والا نہیں، قیامت کے دن ملاقات ہو گی، بیٹی رو نہیں جب وفات پا جاؤں تو کہنا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن! کیونکہ اسی میں آدمی کے لئے ہر مصیبت کی تسلی موجود ہے" حضرت فاطمہؓ نے پوچھا، "کیا آپ کی جدائی کی بھی یا رسول اللہؐ؟" فرمایا: "ہاں میری جدائی کی بھی!"

بار بار بےہوشی کا دورہ پڑتا تھا، آنکھ کھلتی تو آپؐ فرماتے "اپنے غلاموں کے معاملہ میں خدا

سے ڈرتے رہو"، پانی کا پیالہ پاس رکھا تھا، آپؐ پیالہ میں ہاتھ ڈال کر چہرہ تر کر لیتے، چہ
کبھی سُرخ ہو جاتا، کبھی زرد، ارشاد فرماتے "لا الٰہ الا اللہ، ان للموت سکرات"
اتنے میں حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکرؓ تشریف لائے، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں
ہاتھ میں مسواک تھی، آپؐ نے مسواک پر ٹکٹکی باندھ دی، میں نے عرض کیا کیا آپ
لیں گے؟" اشارہ سے فرمایا "ہاں" میں لے مسواک عبدالرحمٰنؓ سے لے لی، توڑ
کے دستِ مبارک میں دے دی، لیکن آپؐ نقاہت کے باعث اسے چبا نہ سکے
عرض کیا "نرم کر دوں؟" اشارہ سے فرمایا، ہاں! میں نے اپنے مُنہ میں لے کر چبائی
ہو گئی تو آپ کے ہاتھ میں دے دی، آپؐ نے استعمال شروع کر دیا، ذرا دیر بعد مسواک
میں بھاری ہو گئی۔ مجھے دینے لگے تو چھوٹ گری، آپؐ آہستہ آہستہ فرما رہے
"بل الرفیق الاعلیٰ"! یہ کہتے کہتے آپؐ کے ہاتھ لٹک گئے، پُتلی اُوپر کو اٹھ گئی
اپنے رب سے جا ملے! پیر کا دن، ربیع الاوّل کا مہینہ، سہ پہر کا وقت ۱۱ھ، عمر
سال، تاریخ عام روایتوں کی بنا پر ۱۲ ربیع الاوّل، مگر خاص تحقیق کی بنا پر، پہلی ربیع
(ملاحظہ ہو سیرۃ النبیؐ از مولانا شبلیؒ) حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں جہاں آپؐ نے وفات
تھی، وہیں دفن ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن!

صحابہؓ کا غم!

آنحضرتؐ کی وفات سے صحابہؓ پر سکتہ چھا گیا، منافق مسرور ہو رہے تھے
حضرت عمرؓ تو اتنے بے حال ہوئے کہ تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے، اور فرمایا "جو کوئی

ول اللہ نے وفات پائی اس کی گردن اُڑا دوں گا" سب دہل گئے، اتنے میں حضرت ابوبکرؓ
ریف لائے، سالم بن عبداللہ الاشجعیؓ سے پوچھا کیا واقعی رسول اللہؐ فوت ہو گئے؟ "شدتِ
ے ان کی ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں، جواب دیا "کیسے کہوں، یہ عمرؓ کہہ رہے ہیں جو رسول اللہؐ
وفات کا ذکر کرے گا، اُس کی گردن اڑا دوں گا" حضرت ابوبکرؓ باچشمِ گریاں مسجدِ نبوی میں
ل ہوئے، پھر سیدھے حجرۂ نبوی کی طرف بڑھے، حسبِ دستور حاضر ہونے کی اجازت
ی، حضرت عائشہؓ کی آواز آئی "آج کے دن اجازت کی ضرورت باقی نہیں رہی" فرمایا "سچ
ے" پھر اندر داخل ہوئے، رسول اللہؐ کی چارپائی کی طرف بڑھے، آپؐ کی پیشانیِ اطہر کو بوسہ
روتے جاتے تھے، اور فرماتے تھے "میرے ماں باپ تجھ پر قربان، تو زندگی میں بھی
ب وطاہر تھا، اور موت کے بعد بھی طیّب وطاہر ہے" حضرت عمرؓ بدستور بولے جا
ے تھے، ابوبکرؓ نے کہا "او قسمیں کھانے والے ٹھہر! اپنی جگہ بیٹھ جا!" مگر وُہ اس قدر جوش
بھرے ہوئے تھے کہ بیٹھنے سے انکار کر دیا، حضرت ابوبکرؓ لوگوں کو پھاندتے ہوتے ممبر
رف بڑھے، اور ایک یادگار خطبہ دیا۔

"لوگو! اگر کوئی محمدؐ کو پوجتا تھا، تو (جان لے کہ) وُہ اُس دُنیا سے تشریف لے گئے
اگر کوئی محمدؐ کے رب کو پُوجتا تھا (تو جان لے) وُہ زندہ ہے اس کو موت نہیں" پھر فرمایا:-

الا رسول، قد خلت من قبله — اور محمدؐ تو خدا کے رسول ہیں، ان سے پہلے
ل، افان مات او قتل قلبتم علیٰ — بہت سے نبی گزر چکے ہیں، کیا اگر ان کا
قابکم ومن ینقلب علیٰ عقبیه فلن — اِنتقال ہو جائے یا وُہ خدا کی راہ میں مارے

جائیں تو تم اسلام سے پلٹ جاؤ گے
جو کوئی پلٹ جائے گا، تو وُہ خدا کا کچھ
بگاڑے گا اور اللہ شکر گزار بندوں کو جزا
خیر دے گا!"

یضر اللہ شیئاً وسیجزی اللہ الشاکرین

یہ آیت سُنتے ہی حضرت عمرؓ نے چلا کر پوچھا "کیا یہ آیت قرآن میں موجود ہے"
ابوبکرؓ نے جواب دیئے بغیر سلسلۂ تقریر جاری رکھا اور فرمایا:
خدا نے کہا ہے "کل من علیھا فان ویبقیٰ وجہ ربك ذو الجلال
والاکرام"، اللہ نے اپنے نبیؐ کو، اس کی وفات کی خبر اس وقت دے دی
تھی، جب وُہ زندہ تھا، موت اٹل ہے، سب مر جائیں گے، بجز ایک
خدا کے!"

اِس خطبہ کا یہ اثر ہُوا کہ سب کی آنکھیں کھل گئیں۔

تجہیز و تکفین!

وفات کے بعد حضرت علیؓ حجرۂ نبوی میں پہنچے، اتنے میں حضرت عباسؓ تشریف
حضرت علیؓ نے بزرگ خاندان کو دیکھا تو ضبط نہ کر سکے، رونے لگے اور چیخ کر کہا بابی انت
طیباً حیاً وطیباً میتاً!"

حضرت علیؓ نے غسل دیا، پھر کفن پہنایا گیا، کفن میں صرف تین یمنی کپڑے تھے
نمازِ جنازہ ہوئی، سب سے پہلے خاندانِ نبوت نے، پھر مہاجرین نے، پھر انصار نے باری

حجرۂ نبوی میں جاکر بغیر کسی کی اقتدا کے نماز پڑھی، یہ سلسلہ لگاتار ۲۴ گھنٹہ جاری رہا، اسی لئے رحلت سے تقریباً ۳۲ گھنٹہ بعد آپ کی تدفین عمل میں آئی، حضرت علیؓ اور دوسرے افرادِ خاندان نے آپؐ کو قبر میں اتارا، حضرت بلالؓ نے قبر پر ایک مشک پانی کا چھڑکا۔

ایک دفعہ حضرت انسؓ سے پوچھا گیا، وفات کے وقت رسولؐ اللہ کی کیا حالت تھی؟ فرمایا "نہایت تروتازہ، خوبصورت، وجیہ، تندرست، سر اور ریشِ مبارک میں سفیدی تک نہیں دوڑی تھی، داڑھی کے صرف ۲۰ بال سفید ہوئے تھے"

مرثیے!

آپؐ کی وفات پر درد بھرے دلوں کی آہیں مرثیوں کی صورت میں نکلیں، بہت مختصر سا نمونہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

حضرت فاطمہؓ نے فرمایا:۔

"ہم تجھ سے اس طرح محروم ہو گئے جس طرح زمین مینہ سے محروم ہو جائے، اے کاش تیرے خاک میں سونے سے پہلے ہمیں موت آجاتی"

اس حادثہ کے بعد حضرت فاطمہؓ کو کبھی کسی نے ہنستے نہیں دیکھا، وہ چھ مہینے کے بعد اس دنیا سے رخصت ہو گئیں۔

حضرت ابوبکرؓ کا مرثیہ:۔

اے آنکھ رو، اور رونے سے کبھی نہ اکتا۔ آقا پر رونا ہر طرح سے بجا ہے، کاش ہم سب کو موت آجاتی، اور ہم سب اس کے ساتھ ہوتے!"

حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب کا مرثیہ:۔

"فاطمہ! صبح سے شام تک روئے جا، اور ذرا بھی نہ رُکنا، مرنے والا ایسا ہی تھا کہ اس پر رویا جائے، ریگستان اس کی جدائی پر رو رہے ہیں۔ مکہ روتا ہے، پہاڑ روتے ہیں۔"

حضرت حسانؓ بن ثابت کا مرثیہ:۔

"مدینہ میں رسولؐ کی نشانیاں اور روشن یادگاریں ہیں، اگرچہ نشانیاں کبھی مٹ بھی جایا کرتی ہیں، لیکن مدینہ کی نشانیاں نہیں مٹ سکتیں، اس میں رہبر کا ممبر ہے جس پر وُہ بلند ہوا کرتا تھا، وُہ حجرے ہیں، جن میں خدا کی طرف سے نور نازل ہوا کرتا تھا۔"

ملاحظات!

رسولِ اکرمؐ کی حیاتِ طیبہ کا ایک رُخ آپ نے مُلاحظہ فرما لیا۔ یہ پہلو تھا انسان کی حیثیت سے، ولادت سے لے کر وفات تک زندگی کے ہر مرحلہ پر ــــ جب آپؐ نبوت کے منصب پر سرفراز نہیں ہوئے تھے، جب نبوّت کے بعد ہولناک اور لرزہ خیز مخالفتوں اور عداوتوں کے ہجوم میں دعوتِ اسلام کا کام شروع کیا، جب ہجرت کی زندگی بسر کی، جب مکّہ میں فاتحانہ داخلہ ہوُا، جب دُنیاوی حالت یہ تھی کہ ساری دنیا مخالفت پر کمربستہ تھی، جب مالی حالت یہ تھی، کہ نانِ جویں کا سہارا نہ تھا ــــ محمدؐ کا کردار، محمدؐ کی شخصیت، محمدؐ کی سیرت، محمدؐ کے اخلاق و عادات، صفات و شمائل، کیا اسے دنیا کا سب سے بہتر، سب سے برتر، سب سے مکمّل انسان ثابت نہیں کرتے؟ اگر نبوت کوئی چیز نہ ہوتی، یا منصبِ نبوّت پر وُہ فائز نہ ہوُا ہوتا، تو بھی کیا خدا کی اس وسیع دنیا میں کوئی ایسا تھا جو اُس کے سامنے آنے کی جرأت کر سکتا؟

وُہ غریبوں کی مدد کرتا تھا، خود بھُوکا رہتا تھا، دُوسروں کو کھلاتا تھا، ناداری کے عالم میں قرض لے لے کر دُوسروں کی ضرورتیں پُوری کرتا تھا، اسے کبھی کسی پر غصہ نہ آیا، اس نے کبھی کسی سے اِنتقام نہیں لیا، اس نے بڑے بڑے مجرموں کو معاف کر دیا، اس نے بڑے بڑے دشمنوں کو سینے سے لگا لیا۔ مخالفت کے ہجوم میں وُہ ہراساں نہ ہُوا، موافقت کے طوفان میں وُہ بےخود نہ ہُوا، جب وُہ ایک غریب خاندان کا فرد تھا جب بھی اس نے غریبوں کا ساتھ دیا، غریبوں کے ساتھ رہا، غریبوں کی مدد کی جب وہ شہنشاہِ کونین بن گیا، سیم وزر کے انبار اس کے قدم چومنے لگے، اس کی حکومت قائم ہو گئی، سلاطینِ وقت اس کے نام سے لرزنے لگے۔ وقت کے جبار اور قہار اس کے ڈر سے کانپنے لگے، قوت واقتدار نے اس کے سامنے سر جھکا دیا، سطوت شاہی اور فرِ خسروی نے اس کے پاؤں چُومے تو بھی اس کا حال کیا تھا؟ وہی غریبوں پر شفقت، وہی سادگی، وہی خاکساری، وُہی نانِ جویں، وہی فقر وفاقہ، وہی تنگ دستی جو کچھ آیا خدا کی راہ میں لٹا دیا، جو پایا دُوسروں کو دے دیا، اپنا دامن خالی، اپنا گھر محروم!

آنحضرتؐ نے جب اس دُنیا سے پردہ فرمایا، تو وُہ خاندان عبدالمطلبؓ کے ایک یتیم نوجوان نہیں تھے، وُہ صرف ایک مذہبی پیشوانہ تھے، مروّجہ اصطلاحات سیاسی میں وہ غیر مسئول اور مطلق العنان فرماں روا تھے، یمن پر، حجاز پر، سارے عرب پر اسلام کا پرچم لہرا رہا تھا، لیکن اس شہنشاہِ عرب وعجمؐ نے جب اس دنیا کو چھوڑا، تو اس نے خدم وحشم کی فوج نہیں چھوڑی، دولت وثروت کے انبار نہیں چھوڑے، سیم وزر کے

خزانے نہیں چھوڑے، غلاموں اور کنیزوں کے دستے نہیں چھوڑے، اس کے اصطبل میں کوئی اونٹ نہ تھا، اس کے گھر میں کوئی بکری نہ تھی۔ گھر والوں کے لئے، بیٹی اور بیوی کے لئے کوئی جاگیر اور جائداد نہ تھی، جو تھوڑی زمین تھی وُہ بھی رفاہِ عام کے لئے وقف!

کیا اس سے بڑا انسان چشمِ فلک نے آج تک دیکھا ہے، کبھی دیکھ سکے گی؟

ہمارے نبیؐ کی زندگی کا سب سے بڑا طرۂ امتیاز یہ تھا کہ وُہ سب سے پہلے ایک انسان تھا، ایک کامل العیار انسان، خیر النّاس، افضل البشر، ایسا انسان جو انسانیت کے لئے مینارۂ نور ثابت ہوا، جس کے نقشِ قدم پر آج بھی اگر دنیا چلے تو فوز و فلاح حاصل کر سکتی ہے، یہ ہنگامے، یہ شورشیں، یہ تحریکیں، یہ نت نئے طوفان، صرف اس لئے ہیں کہ انسانیتِ کبریٰ کا جوہر رُوپوش ہے، اور یہ جوہر نبیِ اُمی کی حیاتِ گرامی میں قدم قدم پر ملتا ہے، اگر آج بھی ٹرومین، اٹیلی اور اسٹالن دنیا کے اس سب سے بڑے اور برتر انسان کی خاکِ پا کو سرمۂ چشم بنا لیں تو یہ دنیا پھر جنت بن جائے، اس دنیا میں پھر وُہی پاکی پیدا ہو جائے جس سے بہت عرصہ ہوا یہ محروم ہو چکی ہے اور شاید مایُوس بھی!

نبیؐ کی حیثیت سے

نبوّت و رسالت!

آنحضرتؐ نے جب شعُور کی آنکھیں کھولیں تو ہر چہار طرف کفر و شرک اپنا ڈیرا ڈالے ہوئے تھے، خود کعبہ، جس کی اساس توحید حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ نے اپنے دستِ مُبارک سے رکھی تھی، عرب میں بُت پرستی کا سب سے بڑا مرکز تھا، سیکڑوں بُت تھے، جو اجلال و اکرام کے ساتھ خانۂ کعبہ میں متمکن تھے، اور جن کی علی الاعلان پوجا ہوتی تھی۔ بُت پرستی کے علاوہ عیسائیت اور یہودیت کا پرچم بھی لہرا رہا تھا، کچھ ایسے بھی تھے جو دہریے تھے، نہ خدا کو مانتے تھے، نہ بتوں کو، اطمینان سے زندگی بسر کرتے تھے، اور کبھی یہ نہیں سوچتے تھے، اِس دنیا کو کِس نے پیدا کیا ہے؟ کیوں پیدا کیا ہے؟ خدا اور بندے کے درمیان کیا رِشتہ ہے؟ خدا بندہ سے کیا چاہتا ہے؟ اور بندہ کا کیا فرض ہے؟

لیکن ایک ہستی (آنحضرتؐ) ایسی تھی جو اس ماحول سے قطعاً غیر مطمئن تھی،

جس کا خاندان بُت پرست تھا، لیکن اسے بُت پرستی سے نفرت تھی، جس کے وطن
میں یہودی بھی تھے، اور عیسائی بھی، لیکن یہ دونوں بھی راہِ ہدایت سے اس درجہ دُور
چکے تھے کہ آنحضرتؐ کا دامنِ توجہ اپنی طرف نہ کھینچ سکے، گمراہوں کے ہجوم میں گِر
سرے سے راہِ ہدایت سے انکار کر دینا، یہ بھی حضورؐ کا شیوہ نہیں تھا، آپؐ اپنے ماحول
سے غیر مطمئن تھے، دل کے سکون سے محروم تھے، خدا تک پہنچنا چاہتے تھے، مگر راستہ
نہیں ملتا تھا، سیدھے راستہ تک جانا چاہتے تھے، لیکن، ضلالت کے پتھر اور کانٹے
عناں گیر ہوتے تھے، اس صورتِ حال سے تنگ آکر، آپؐ نے غارِ حرا کا رُخ کیا
آپؐ تھوڑا سا آذوقہ (پانی اور ستو) لے کر پہنچ جاتے، اور کئی کئی دن مقیم رہتے، وہاں
آپؐ کا مشغلہ کیا تھا؟ غور و فکر، اور عبرت پذیری!

رویائے صادقہ!

رویائے صادقہ بھی، نبوّت کا ایک جُز ہے، منصبِ نبوّت پر فائز ہونے سے
پیشتر آپؐ کو رویائے صادقہ نظر آنے لگے، اکثر ایسا ہوتا کہ رات کو آپؐ خواب دیکھتے
اور صبح کو، رات کی دیکھی ہوئی بات ہو بہو پوری ہو کر رہتی۔

اب آپؐ کا یہ معمول ہو گیا، وقت اور فرصت کا بڑا حصّہ آپؐ غارِ حرا میں
صرف کرتے، جب تک آذوقہ کام دیتا وہیں رہتے، جب ختم ہو جاتا، پھر شہر تشریف
لے آتے، اور یہاں سے پھر رسد لے کر آپؐ غارِ حرا میں چلے جاتے!

وحی الٰہی!

ایک دن آپؐ حسبِ معمول غارِ حرا میں تشریف فرما تھے، کہ ایک فرشتہ آپؐ کو نظر آیا، یہ حضرت جبریلؑ تھے، آپؐ سے کہا "اقراءؑ" (پڑھ) آپؐ نے کہا "میں پڑھنا نہیں جانتا" جبریلؑ نے آپؐ کو سینہ سے لگایا، اور پھر کہا "پڑھ" آپؐ نے پھر وہی جواب دیا تیسری مرتبہ بھی یہی ہوا، آخر جبریلؑ نے کہا:

اقراء باسم ربك الذی خلق؛ خلق الانسان من علق اقرأ و ربك الاکرام الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم۔

پڑھ! اس خدا کا نام جس نے کائنات کو پیدا کیا جس نے آدمی کو، گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھ، تیرا خدا کریم ہے، وہ جس نے انسان کو قلم کے ذریعہ علم سکھایا وہ جس نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو اسے معلوم نہ تھیں۔

آپؐ نے ان آیتوں کو دہرایا، فرشتہ غائب ہو گیا، آپؐ دہشت زدہ سے ہو گئے، اور گھر تشریف لائے، خدیجۃ الکبریٰؓ سے کہا "مجھے چادر اُڑھا دو" پھر جب ذرا سکون ہوا تو آپؐ نے سوچا، خدا کی طرف سے کتنی بڑی ذمہ داری آپؐ کو سونپی گئی ہے یعنی ایک جاہل قوم کو، اسلام کی دعوت، کفر اور شرک کا استیصال، اعلائے کلمۃ الحق اس گراں بار ذمہ داری نے آپ کو اور زیادہ خوف زدہ کر دیا۔ حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو تسلی دی، اور کہا "آپؐ نیکی کرتے ہیں، صدقہ دیتے ہیں، مسکینوں کو کھلاتے ہیں۔ حاجت مندوں

کی ضرورتیں پوری کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ آپؐ کو اندوہگیں نہیں کرے گا۔"

ورقہ بن نوفل!

پھر حضرت خدیجہؓ آپؐ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لائیں ا[ور] عیسائی مذہب اختیار کر چکے تھے، اور صحفِ سماوی کی تلاوت میں وقت گزارا کرتے تھے

ورقہ نے سارا ماجرا سن کر کہا، یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰؑ پر اُترا تھا، اور کہا "اے کاش میں اس وقت تک توانا اور تندرست رہتا جب آپؐ کی قوم آپؐ کو وہیں نکال دے گی" آپؐ نے دریافت فرمایا: کیا ایسا ہو گا؟ ورقہ نے جواب دیا "جو پیغام الٰہی لے کر آپؐ تشریف لائے ہیں، آپؐ سے پہلے بھی جو اسے لے کر آیا، اس کے ساتھ یہی سلوک ہوا۔"

وحی کے وقت آپؐ کی عمر قمری حساب سے ۴۰ سال ۶ ماہ ۱۶ دن تھی، اور شمسی حساب سے ۳۹ سال ۳ ماہ ۶ یوم (اگست ۶۱۰ء) ماہ مبارک رمضان، تاریخ ۲۵

آپؐ کی پہلی دعوت پر جو لوگ بے تامل مسلمان ہوئے وہ حضرت خدیجہؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت زید بن حارثہؓ اور علی مرتضیٰؓ تھے، یہ اسلام لانے والے کوئی اجنبی یا غیر نہیں تھے کہ چکنی چپڑی باتوں میں آ کر کلمہ پڑھ لیا ہو، یہ وہ لوگ تھے جن کے سامنے آنحضرتؐ کی چالیس سالہ زندگی کا ایک ایک صفحہ تھا، انہوں نے آپؐ کو خلوت و جلوت میں دیکھا تھا، آپؐ کے ہمراز اور غمگسار تھے، آپؐ کے کردار اور سیرت سے اچھی طرح واقف تھے لیکن دعوتِ اسلام فوراً قبول کر لی، کیونکہ انہیں یقین تھا آپؐ کبھی جھوٹ نہیں بول

سکتے، اس لئے کہ آپؐ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے دوستوں اور شناساؤں تک بھی اسلام کا پیام پہنچایا، چنانچہ آپؓ کی کوشش سے، حضرت عثمانؓ بن عفان، زبیرؓ بن عوام، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، سعدؓ بن ابی وقاص، طلحہؓ بن عبیداللہ، ابوعبیدہؓ بن جراح، ابوسلمہؓ، ارقمؓ مخزومی، عبیدہؓ بن حارث، سعیدؓ بن زید اور ان کی بیوی فاطمہؓ (حضرت عمرؓ کے بہنوئی اور بہن) نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ آنحضرتؐ، ارقمؓ کے گھر میں، اپنے صحابہؓ کے ساتھ تشریف فرما ہوتے تھے، اور قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔

غرض آہستہ آہستہ اسلام نے کفرستان میں پھلنا پھولنا شروع کر دیا۔

تبلیغ!

منصبِ نبوّت پر فائز ہونے کے بعد سب سے بڑا مرحلہ، دینِ الٰہی کی تبلیغ تھا
آپؐ اسی فکر و تامل میں تھے کہ وحیِ خداوندی نازل ہوئی۔

یا ایہا المدثر، قم فانذر، و ربک	اے چادر میں لپٹے ہوئے، اُٹھ کھڑا ہو
فکبر و ثیابک فطہر والرجز فاہجر ۞	(بندوں کو خدا سے) ڈرا۔ اپنے رب کی بڑائی
	بول، اپنا لباس پاک رکھ، گندگی سے دور

چنانچہ آپؐ دعوت و ارشاد کے لئے تمام خطرات و مصائب سے بے نیاز ہو کر آمادہ اور کمر بستہ ہو گئے سب سے پہلے جو لوگ ایمان لائے، وُہ، وُہ تھے جو آپؐ کو اچھی طرح جانتے پہچانتے تھے، عورتوں میں حضرت خدیجہؓ نے، مردوں میں حضرت ابوبکرؓ نے، بچوں میں حضرت علیؓ نے، اور غلاموں میں زیدؓ بن حارثہ نے آپؐ کی دعوت پر لبیک کہا اور اسلام قبول کر لیا، حضرت زیدؓ، حضرت خدیجہؓ کے آزاد کردہ غلام تھے

آنحضرتؐ نے آپؓ کو اپنا بیٹا بنا لیا تھا۔

اِسلام کا ابتدائی دَور!

چند اللہ کے بندے تھے، جنہوں نے داعیِ اسلامؐ کی دعوت پر اپنے نورِ بصیرت سے کام لے کر اسلام قبول کر لیا تھا، اور اِس طرح ایک نہایت جرأت مندانہ اقدام کیا تھا، آبائی مذہب سے دست بردار ہو جانا، پورے ملک، قوم اور خاندان کی مخالفت مول لینا، یکہ و تنہا اعلائے کلمۃ الحق کرنا، یہ تھا وُہ پہلا مرحلہ جو اسلام کے پرستاروں کو پیش آیا۔

شروع میں تبلیغ کا کام، علانیہ نہیں ہوا، صرف ان لوگوں کے سامنے تبلیغ کی جاتی تھی، جن کی طبعی استعداد ایسے اِنقلاب انگیز اقدام کی متحمل ہو سکتی تھی۔ نماز بھی علانیہ نہیں پڑھی جاتی تھی، پہاڑ کی گھاٹیوں اور غاروں میں یہ فریضہ انجام دیا جاتا تھا۔

عزیزوں اور دوستوں کا مرحلہ جب ختم ہو گیا تو عام لوگوں کی باری آئی، اور ان میں تبلیغ کا کام شروع ہوا۔

کوہِ صفا کا وعظ

جب عام تبلیغ کا آپؐ کو حکم ہوا، تو آپؐ نے مکّہ کی ایک پہاڑی صفا پر کھڑے ہو کر قریش کو ندا دی، آپؐ کی ندا سُنتے ہی قبیلہ کے تمام آدمی جمع ہو گئے، ان لوگوں میں بڑے بڑے سردار، اور اصحاب اقتدار و ارباب جاہ و حشم بھی تھے، سب لوگ ہمہ تن متوجہ ہو گئے کہ حضورؐ کیا فرماتے ہیں، آپؐ نے حاضرین سے دریافت کیا "اگر میں تم سے

یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پسِ پشت دشمن کا ایک بہت بڑا لشکر تمہاری تاک میں کھڑا ہے

تو کیا تم یقین کر لو گے؟" سب نے متفقہ طور پر جواب دیا: "ضرور یقین کر لیں گے کیونکہ ہم

نے کبھی آپؐ کو جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔" یہ سُن کر آپؐ نے فرمایا: "تو سُن لو میں کہتا

ہوں اگر تم نے خدا کے پیغام (اسلام) کو نہیں مانا تو تمہاری قوم ایک بہت بڑی

مصیبت میں گرفتار ہو جائے گی۔" سب سے پہلے ابولہب اٹھا، جو آپؐ کا چچا

تھا، اس نے کہا: "کیا تم نے یہی بات سنانے کے لئے ہمیں بلایا تھا؟" یہ کہہ کر

اُٹھا اور چلا گیا۔ قریش کے دُوسرے سربرآوردہ اصحاب بھی برہم ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے

اور واپس چلے گئے۔

ردِّ عمل!

لیکن آنحضرتؐ پر اس مخالفانہ طرزِ عمل کا یہ اثر ہوا کہ آپؐ کا جوشِ تبلیغ اور زیادہ

بڑھ گیا، اب آپ علانیہ بت پرستی کی مخالفت کرنے لگے۔ اور ایک خدا کی پوجا کی طرف

دعوت دینے لگے، قریش میں بے راہ روی، بے اعتدالی، سئیات اخلاق، مکر و دروغ،

عیّاشی اور ہوس پرستی عام تھی، آپ نے ان بداخلاقیوں کی علی الاعلان بُرائی کی۔ اور

اخلاقِ حسنہ کی دعوت دی۔ آپؐ کی اس دعوتِ حق کا نتیجہ یہ ہوا کہ سارا مکہ آپؐ کی مخالفت

پر اُتر آیا، استہزا، تمسخر، مخالفت، یہ تھا وُہ جواب جو آپؐ کے ہم قوموں نے آپؐ کی

دعوت کے جواب میں دیا۔

آپؐ کے راستے میں کانٹے بچھا دیئے جاتے، جس سے پائے مبارک لہولہان

ہو جاتے، آپؐ کے گھر کے دروازے پر گندگی پھینک دی جاتی، آپؐ اگر کچھ فرماتے تو صرف یہ کہ "حقِ ہمسائگی خوب ادا کرتے ہو" آپؐ کو گالیاں دی جاتیں، دیوانہ اور جادوگر اور شاعر مشہور کیا جاتا، آپؐ کے پیچھے پیچھے لوگ دوڑتے اور شور مچاتے تاکہ آپ کی آواز لوگوں کے کان تک نہ پہنچ سکے، لیکن آپ ان تمام باتوں سے بے نیاز تھے، اپنے کام میں پورے استقلال و استقامت کے ساتھ لگے ہوئے تھے، آپؐ کو دھمکیاں دی گئیں، لالچ اور تحریص سے کام نکالنے کی کوشش کی گئی، مگر آپؐ ذرا بھی متاثر نہ ہوئے، نہ ترہیب سے آپؐ کے پائے استقلال میں لغزش پیدا ہوئی، نہ ترغیب سے آپؐ متاثر ہوئے۔

چشم دید شہادت!

عمرو بن عاص کے فرزند اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ:-

"حرمِ کعبہ میں ایک روز آپؐ نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آیا، اس نے اپنی چادر کو رسّی کی طرح مروڑا، پھر آپؐ کی گردن میں ڈال دیا، اور پیچ پر پیچ دینا شروع کئے، گردن کھنچ گئی، لیکن حضور بدستور پورے اطمینان سے محوِ عبادت رہے، اسی اثنا میں حضرت ابوبکرؓ کا ادھر سے گزر ہوا، انہوں نے دھکّے دے کر عقبہ کو ہٹایا اور فرمایا: اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ وقد جاءکم بالبینات، یعنی، تم لوگ ایسے آدمی کو قتل کرنا چاہ رہے ہو جو کہتا

ہے میرا رب ایک ہے، اور وُہ تمہارے پاس بینات و دلائل لایا ہے،" چند شورہ پشت اور بدنفس حضرت ابوبکر سے بھی لپٹ گئے اور انہیں زدوکوب کیا۔

مشورے!

رفتہ رفتہ دینِ اسلام پھیلنے لگا، باطل کے حلقوں میں حق کے پرستار پیدا ہونے لگے، یہ رنگ دیکھ کر، قریش بہت گھبرائے اور آپس میں مشورے کرنے لگے کہ اس دعوت کا دروازہ کیونکر بند کیا جائے؟ ایک مرتبہ ابولہب اور مکّہ کے دوسرے سربرآوردہ اصحاب اس مقصد کے لئے جمع ہو گئے کہ ردِّ دعوت کا پروگرام بنائیں۔ سب سے اہم سوال یہ تھا کہ اندرونِ عرب سے جو لوگ مکّہ میں آتے ہیں، انہیں محمدؐ کا اسیر ہونے سے کیونکر بچایا جائے؟

ایک آدمی نے کہا: "ہم مشہور کریں گے محمدؐ کاہن ہے!"

اس مجمع میں ولید بن مغیرہ مکّہ کے بہت بڑے اہل الرائے، اور دولت مند شخص بھی موجود تھے، یہ حضرت خالدؓ بن ولید کے والد تھے۔ ولید نے کہا،

"میں نے کاہنوں کو دیکھا ہے، کہاں کاہنوں کی لایعنی تک بندیاں کہاں محمدؐ کا اثر انگیز کلام ہمیں کوئی ایسی بات بنانی چاہیئے جس سے دوسرے لوگ ہمیں جھوٹا نہ کہیں"

ایک دُوسرا آدمی بولا: "ہم محمدؐ کو دیوانہ بتا دیں گے"

ولید نے کہا "محمدؐ کو دیوانگی سے کیا نسبت؟

تیسرے آدمی نے کہا "اچھا ہم کہیں گے، یہ شاعر ہے!"

ولید نے کہا: "ہم جانتے ہیں شعر کیا ہوتا ہے؟ محمدؐ کا کلام شعر ہرگز نہیں ہے۔"

چوتھے نے کہا "ہم بتایا کریں گے یہ شخص جادوگر ہے۔"

ولید نے پھر ٹوکا "جس طہارت اور پاکیزگی سے محمدؐ زندگی بسر کرتے ہیں وہ جادوگروں میں کہاں ہوتی ہے؟ وہ بڑے بخیل اور گندے ہوتے ہیں۔"

آخر سب نے تنگ آکر پوچھا "پھر آپ ہی بتائیے کیا کہا جائے؟"

ولید نے کہا: "سچی بات تو یہ ہے کہ محمدؐ کے کلام میں عجیب شیرینی اور حلاوت ہے جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ صرف یہ کہ محمدؐ کا کلام ایسا ہے جو باپ بیٹے، بھائی بہن، شوہر اور بیوی میں تفرقہ پیدا کر دیتا ہے۔ لہٰذا اس سے پرہیز کرنا چاہیئے۔"

قبائل کا دورہ

مکّہ والوں کی زشت گوئی سے درماندہ ہو کر آپ نے طائف کا دورہ کیا، اور مختلف قبائل میں تشریف لے گئے۔ یہاں بھی آپؐ نے زور شور سے تبلیغِ دین کا کام شروع کیا، یہاں بھی قدم قدم پر، کافروں، اور مشرکوں نے آپؐ کو ستایا، آپؐ کے ساتھ بدزبانی کی آپؐ پر سنگ باری کی، آپؐ کو لہو لہان کر دیا، مگر نہ کسی کے حق میں آپؐ نے بددعا فرمائی، نہ اپنے مقدس مشن سے دست بردار ہوئے، مخالفوں کے اس ہجوم میں بھی آپؐ برابر اسلام کی دعوت دیتے جا رہے تھے، بغیر اس خیال کے کہ آپؐ کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے اور آپؐ کی دعوت کا کیا جواب مل رہا ہے۔

مذہبی سفارت!

ستہ ھ کے اوائل میں آنحضرتؐ نے متعدد بادشاہوں کے نام دعوتِ اسلام
کے خطوط اپنے خاص سفرا کے ہاتھ روانہ کئے، سفراء کے انتخاب میں یہ بات ملحوظ رکھی
گئی، کہ جو سفیر جس ملک کا بھیجا گیا، وُہ اس ملک کی زبان سے بخوبی واقف تھا، یہ خطوط
زیادہ تر اہلِ کتاب بادشاہوں کے نام لکھے گئے تھے۔ ان خطوط کا قدرِ مشترک یہ تھا۔

یااھل الکتاب، تعالوا الیٰ کلمۃ
سواء بیننا وبینکم ان لا
نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ
شیئا ولا نتخذ بعضنا بعضا اربابا
من دون اللہ

اے اہلِ کتاب آؤ ہم ایسی بات پر
متفق ہو جائیں جو ہمارے اور تمہارے
مابین مساوی ہے، یہ کہ خدا کے سوا دوسرے
کی عبادت نہ کریں کسی کو خدا کا شریک نہ
دیں، اور خدا کے سوا خدائی کا درجہ ہم اپنے
جیسے انسانوں کے لئے تجویز نہ کریں۔

پہلا گرامی نامہ نجاشی شاہِ حبش کو بھیجا گیا جس میں اسلام قبول کر لینے کی تلقین
کی گئی تھی، نجاشی مکتوبِ نبویؐ سے اس درجہ متاثر ہُوا کہ مسلمان ہو گیا، عرب کی چھوٹی
چھوٹی سلطنتوں کے کئی دُوسرے فرماں روا بھی مسلمان ہو گئے، آپؐ کا نامہ مبارک ہرقل
کے پاس بھی پہنچا، اس نے دعوت نامہ سے مطلع ہو کر کہا "مکہ کا اگر کوئی آدمی ہو تو لاؤ
تاکہ میں تحقیق کر لوں" ابوسفیان مع اپنے کاروانِ تجارت کے شام آئے ہوئے تھے
انہیں بیت المقدس پہنچا یا گیا، ابوسفیان آنحضرتؐ کے سب سے بڑے دشمن تھے، ہرقل

اور سفیان کے درمیان جو سوال و جواب ہوئے، وُہ بہت اہم تھے۔

ھرقل: "محمدؐ کا خاندان اور نسب کیسا ہے؟"

ابوسفیان: "شریف و عظیم"

ہرقل نے یہ سُن کر کہا "نبی عالی خاندان ہوتے ہیں تاکہ ان کی پیروی میں کسی کو عار نہ ہو" پھر پوچھا۔

ھرقل: "محمدؐ سے پہلے تمہارے دیس یا خاندان میں کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا؟"

ابوسفیان: "نہیں"

ہرقل نے کہا "جس شخص نے آدمیوں پر جھوٹ نہیں بولا وُہ خدا پر کیسے جھوٹ بولے گا؟" پھر سوال کیا۔

ھرقل: "محمدؐ کے اجداد میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟"

ابوسفیان: "نہیں"

ہرقل نے کہا "اگر ایسا ہوتا تو خیال کرتا، نبوت کے پردے میں یہ شخص سلطنت حاصل کرنا چاہتا ہے" پھر پوچھا۔

ھرقل: "محمدؐ کے ماننے والے غریب زیادہ ہیں یا امیر؟"

ابوسفیان: "فقیر اور غریب لوگ"

ہرقل نے کہا "ہر نبی کے ماننے والے پہلے پہل غریب اور فقیر ہی لوگ ہوتے ہیں" پھر سوال کیا۔

سے آنسو جاری ہو جاتے تھے، دل کے دروازے کھل جاتے تھے، اور وُہ مسلمان ہو جاتے تھے، آپؐ دشمنوں اور مخالفوں سے بھی رحم اور مروّت کا برتاؤ کرتے تھے، ان کی غلطیاں معاف کر دیتے تھے، ان کے جرائم سے درگزر فرماتے تھے۔ ان کی ایذا رسانیوں کا خیال بھی نہیں کرتے تھے، نتیجہ یہ ہوتا تھا، کہ اکڑی ہوئی گردنیں خودبخود جھک جاتی تھیں، سرکش سرنگوں ہو جاتے تھے، باغی مطیع و منقاد بن جاتے تھے آپؐ کی سیرت اتنی بلند اور شخصیت اتنی پاکیزہ تھی کہ غیر محسوس طور پر قلوب و اذہان پر وُہ اثر انداز ہوتی رہتی تھی، آپؐ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، بد عہدی نہیں کی ظلم نہیں کیا، انتقام نہیں لیا، بداخلاقی کے مرتکب نہیں ہوئے۔ آپؐ کی حیاتِ مطہرہ آئینہ کی طرح صاف و شفاف تھی، دشمن اور مخالف جب یہ بے زنگ زندگی دیکھتے تھے تو دنگ رہ جاتے تھے۔ ان کا ضمیر ملامت کرتا تھا، ان کا دل گواہی دیتا تھا، کہ ایسی پاکیزہ سیرت کا شخص جھوٹ نہیں بول سکتا، راہِ ہدایت وُہی ہے جس کی طرف وُہ بلا رہا ہے اور ضلالت و گمراہی کا طریق وُہ ہے جس پر ہم چل رہے ہیں۔

چند مثالیں!

اسلام کی تاریخ میں اور آنحضرتؐ کے دور میں ایک مثال بھی ایسی نہیں مل سکتی کہ کوئی شخص مجبور ہو کر مسلمان ہوا ہو۔ اسلام قبول کرنے کی جتنی مثالیں ملیں گی رضا کارانہ!

خالدؓ بن ولید!

یہ ولید بن مغیرہ کے صاحبزادے تھے، بہت بڑے ماہرِ حرب، اور بہترین سپہ سالار

جنگِ اُحد میں کافروں کے میرِ لشکر بھی تھے، ۸ھ میں آنحضرتؐ کی صداقت سے متاثر ہوکر مسلمان ہوئے، اور اسلام کی ایسی گراں بہا خدمتیں انجام دیں کہ "سیف اللہ" کے محترم لقب سے سرفراز ہوئے، مسیلمہ کذاب کا طلسم انہیں نے توڑا، عراق اور شام کی فتوحات میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے۔

عمرو بن عاص!

۸ھ میں جب عمرو بن عاصؓ اور عثمانؓ بن طلحہ، آنحضرتؐ کی خدمت میں اسلام کی صداقت سے متاثر ہوکر مسلمان ہونے پہنچے، تو آپؐ نے فرمایا: "آج مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے دے ڈالے" یہ عمروؓ بن عاص کون تھے؟ جو قریش کے رئیس وفد بن کے حبش پہنچے تھے کہ پناہ گزین مسلمانوں کو ایذا دینے کے لیے واپس لائیں، اور خوب ایذا دیں۔ پھر اسلام قبول کرنے کے بعد یہی تھے جنہوں نے مصر فتح کیا، اور وہاں جامع عمرو بن عاص آج بھی ان کی یادگار موجود ہے، اور یہ عثمانؓ بن طلحہ کون تھے؟ کعبہ کے کلید بردار، اور نامی مہردار لیکن اسلام پر انہوں نے اپنی ناموری قربان کر دی۔

عدی بن حاتم!

یہ عدی، حاتم طائی کے صاحبزادے تھے، وہی حاتم جن کی سخاوت کے چرچے اور افسانے آج بھی زبان زدِ عام ہیں، ۹ھ میں قبیلۂ طے نے بغاوت کی۔ حضرت علیؓ نے فسادیوں کو پکڑ کر مدینہ بھیج دیا، ان میں حاتم کی بیٹی تھیں، آنحضرتؐ نے فرمایا تیرے باپ میں مومن کی صفات تھیں؟ پھر اسے مع اس کے متعلقین کے آزاد کر دیا، زادِ راہ

اور لباس بھی مرحمت فرمایا۔

عدی بن حاتم اپنی قوم کا سردار تھا، مذہب عیسائی، اسلام سے نفور، داعیِ اسلام
سے بیزار، بہن آزاد ہو کر بھائی کے پاس شام پہنچی، بھائی نے پوچھا "محمدؐ کے بارے میں
تیری کیا رائے ہے؟" اس نے جواب دیا: "تو فوراً اس کے پاس چلا جا، اگر وہ نبی ہے تو
اولیت کی فضیلت کیوں ضائع کرے؟ اور اگر بادشاہ ہے تو بھی تو اس کے پاس جا کر
ذلیل نہ ہوگا۔" عدی مدینہ آئے، آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپؐ انہیں ساتھ لے
کر گھر چلے، راستہ میں ایک بڑھیا ملی، اس نے آپؐ کو روک لیا اور دیر تک آپؐ سے باتیں
کرتی رہی، آپ صبر و تحمّل سے اس کی داستان سنتے رہے، عدی کہتے ہیں "میں نے
اپنے دل میں کہا: یہ شخص بادشاہ تو ہرگز نہیں"۔ پھر آنحضرتؐ گھر تشریف لائے، چمڑے کا
ایک گدّا عدی کی طرف پھینک دیا، فرمایا "بیٹھ جاؤ!" عدی نے کہا: "آپ تشریف رکھیں"
لیکن آنحضرتؐ کے اصرار پر وہ بیٹھ گئے، آنحضرتؐ خالی زمین پر بیٹھ گئے، عدی کہتے
ہیں، میں نے دل میں کہا: "ایسا شخص بھلا بادشاہ ہو سکتا ہے کہیں؟" پھر آپ نے فرمایا
"عدی تم عیسائی ہو؟" عدی نے اثبات میں جواب دیا۔ آپؐ نے کہا: "تم اپنی غنیمت اور
پیداوار کا چوتھا حصّہ وصول کیا کرتے ہو؟" عدی نے اقرار کیا، آنحضرتؐ نے کہا: "یہ بات
تو تمہارے دین میں ناجائز ہے!" عدی کہتے ہیں میں نے اپنے دل میں کہا: "یہ شخص ضرور
نبی ہے، اس سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں، یہ سب کچھ جانتا ہے!"

اور وہ اسلام لے آئے!

حضرت حمزہؓ!

حضرت امیر حمزہؓ سنہ ۶ھ میں مشرف بہ اسلام ہوئے، آپ کو رسول اللہؐ سے بےحد محبت تھی، عزیز قریب بھی تھے، آپ اگرچہ اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، لیکن آنحضرتؐ سے فریفتگی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی، ایک روز ابوجہل نے آنحضرتؐ سے رُو در رُو نہایت سخت کلامی کی، آنحضرتؐ خاموش ہو رہے، حضرت حمزہؓ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی، دفورِ محبت سے بیتاب ہو گئے۔ فوراً حرم میں آئے، اور ابوجہل سے کہا "میں مسلمان ہو گیا!" اور پھر اسلام ہی کی راہ مرتبۂ شہادت پر فائز ہوئے اور سید الشہداء کہلائے۔

حضرت عمرؓ کا اسلام!

حضرت عمرؓ بھی سنہ ۶ھ میں مسلمان ہوئے، مسلمان ہونے سے پیشتر آپ کو اسلام سے اور داعیِ اسلام سے، اور مسلمان سے بڑی کد تھی۔ آپ کے قبیلہ کے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے، ان کی دشمنی پر کمر باندھ لی، لبینہ آپ کے خاندان کی کنیز تھی، اسے جرمِ اسلام پر بے تحاشہ مارتے، جب تھک جاتے تو کہتے "سِستا لوں تو پھر تیری خبر لوں گا!" اور بھی کئی آدمیوں سے یہی سلوک کیا، لیکن کسی کو اسلام سے برگشتہ نہ کر سکے، لبینہ تک کو نہیں!

ایک روز آنحضرتؐ کو ہلاک کرنے کا فیصلہ کر کے گھر سے نکلے، راستے میں نعیم بن عبد اللہؓ مل گئے، پوچھا "کہاں"؟ بولے: "محمدؐ کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں!" نعیم سے ضبط نہ ہو سکا، کہا "پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو، تمہارے بہن اور بہنوئی بھی تو مسلمان ہو چکے ہیں!" فوراً گھر پہنچے، بہن قرآن پڑھ رہی تھیں، آہٹ پا کر خاموش ہو گئیں، اور قرآن کے اجزا چھپا لئے۔ بہن

سے پوچھا "تم کیا کر رہی تھیں"؟ بولیں "کچھ نہیں"۔ غصہ کے عالم میں کہا "مجھے معلوم ہے تم دونوں اپنے دین سے پھر چکے ہو"۔ پھر بہنوئی سے لپٹ گئے، بہن شوہر کو بچانے آئیں تو انہیں بھی پیٹا، بچاری لہولہان ہو گئیں، کہنے لگیں "جو چاہو کر لو، لیکن اسلام اب اس دل سے نہیں نکل سکتا"۔ ان سادہ الفاظ نے آپ کے دل پر گہرا اثر کیا۔ محبت بھری نظر سے بہن کو دیکھا، اور کہا "تم جو کچھ پڑھ رہی تھیں مجھے بھی سناؤ"۔ حضرت فاطمہ (حضرت عمرؓ کی بہن) نے تلاوت شروع کی۔

سبح للہ ما فی السمٰوٰت والارض وھو العزیز الحکیم

زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے خدا کی تسبیح پڑھتا ہے، اور خدا ہی غالب اور حکمت والا ہے۔

یہاں تک کہ یہ آیت آئی:

آمنوا باللہ و رسولہ

خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ

تو بے ساختہ پکار اُٹھے:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط

میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ خدا کے نبی ہیں۔

یہی وہ واقعہ ہے جس کی طرف اقبالؔ نے اپنے اس شعر میں دُخترانِ ملت سے خطاب کرتے ہوئے اشارہ کیا ہے۔

نہ میدانی کہ سوزِ قراءتِ تو
دگرگوں کرد تقدیرِ عمرؓ را

حضرت عمرؓ، آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچے، چونکہ شمشیر بکف تھے، بعض صحابہ کو تردد ہوا، لیکن حضرت امیر حمزہؓ نے کہا "آنے دو، نیک ارادہ سے آیا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا" حضرت عمرؓ اندر آئے، رسول اللہؐ آگے بڑھے، دامن پکڑ کر فرمایا "کیوں عمر کیا ارادہ ہے؟" ادب کے ساتھ عرض کیا "ایمان لانے کے لیے!" آنحضرتؐ کے منہ سے اللہ اکبر نکلا اور تمام صحابہ نے اس زور سے انہی الفاظ کو دہرایا کہ مکہ کی پہاڑیاں گونج اٹھیں!

ہجرت!

جب مکہ میں مسلمانوں پر کافروں کی تعذیب حد سے زیادہ بڑھ گئی، تو آپ
نبوّت کے پانچویں سال، حبش کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی، پہلا
جو روانہ ہوا، اس میں گیارہ مرد اور ۴ عورتیں تھیں، میرِ کارواں حضرت عثمانؓ بن عفا
تھے آنحضرتؐ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ بھی اپنے شوہر (حضرت عثمانؓ) کی ہم سفر تھ
اس موقع پر آنحضرتؐ نے فرمایا تھا "لوط اور ابراہیم علیہما السلام کے بعد یہ پہلا جوڑا
جو خدا کے راستے میں ہجرت کر رہا ہے"! اس قافلہ میں حضرت زبیرؓ بن عوام، عبدالرح
بن عوف اور عبداللہؓ بن مسعود وغیرہ بھی تھے؛ پھر ایک دوسرا کارواں روانہ ہوا، جو تقر
۱۰۰ نفر پر مشتمل تھا، اس کے سالار حضرت جعفر طیار تھے۔

حبش کے بادشاہ نجاشی نے کاروانِ اسلام کے ساتھ لطف و عنایت کا بر
کیا۔ اور یہ لوگ امن و آسائش کی زندگی بسر کرنے لگے۔ قریش یہ کب چاہتے تھے کہ مسلما

کہیں بھی آسودہ حالت میں رہیں، فوراً انہوں نے عمرو بن عاص کی سرکردگی میں سفارت بھیجی
ان لوگوں نے نجاشی کے درباریوں کو ملا لیا۔ اور بادشاہ کی خدمت میں گراں مایہ تحفے پیش
کر کے عرض گذار ہوئے کہ ہمارے "مجرم" ہمیں واپس کر دیئے جائیں، نجاشی نے مسلمانوں
کو بلا کے پوچھا، تم نے کون سا دین اختیار کیا ہے؟ مسلمانوں کی طرف سے حضرت جعفر طیار
نے تقریر کی، فرمایا،

حضرت جعفر کی تقریر

"اے بادشاہ!

ہم لوگ جاہل تھے، بُت پرست تھے، مُردار خور تھے، بدکار تھے، پڑوسیوں کو تکلیف دیتے تھے، ایک دوسرے پر ظلم کرتے تھے، طاقتور کا بول بالا تھا، کمزور مظلوم و مجبور تھا کہ ہم میں ایک شخص پیدا ہوا جس کی عالی نسبی، دیانت، راست بازی اور پاکیزگی کو ہم پہلے سے جانتے تھے، اس نے ہم سے کہا کہ ہم پتھروں کی پوجا ترک کر دیں، اس نے ہمیں ایک خدا کی وحدانیت سکھائی، اس نے چاہا کہ ہم خون بہانا ترک کر دیں، سچ بولیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں، پڑوسیوں کو تکلیف نہ دیں، پاک دامن عورتوں کو رسوا اور بدنام نہ کریں، نماز پڑھیں، روزے رکھیں، زکوٰۃ دیں، ہم اس پر ایمان لائے، شرک اور بُت پرستی سے تائب ہو گئے، اعمالِ سیہ ترک کر دیئے، یہ جرم ہے

جس پر ہماری قوم ہماری دشمن ہوگئی، اور ہم تیرے دیس میں پناہ لینے آئے ہیں۔"

پھر نجاشی کی فرمائش پر حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریمؑ کی کچھ آیتیں تلاوت فر

نجاشی اتنا متاثر ہوا کہ اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں، اور اس نے کہا "بخدا یہ کلام اور انج

ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں" اور مسلمانوں کو واپس کرنے سے انکار کر دیا۔

دوسرے دن عمرو بن عاص نے دربار میں حاضر ہو کر، پھر نجاشی کو ورغلایا ک

مسلمان حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بندہ کہتے ہیں، نجاشی نے مسلمانوں سے پوچھا حضرت ج

نے کہا "ہمارے رسولؐ نے بتایا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ خدا کے بندے، پیغمبر اور کلمۃ اللہ

نجاشی نے کہا "ٹھیک ہے تم نے جو کچھ کہا، عیسیٰؑ ایک بال برابر بھی اس سے زیادہ نہیں

انصار کی بصیرت!

نبوت کے دسویں سال، رجب کے مہینے میں، آپؐ بعض قبائلِ عرب کے

دعوتِ اسلام کے سلسلہ میں تشریف لے گئے، عقبہ کے قریب چند آدمی آپؐ کو نظر آ

آپؐ نے ان سے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا خزرج، یہ لوگ مدینہ سے آئے

آپؐ نے اسلام کی دعوت دی، اور قرآن کی چند آیتیں سنائیں، یہ لوگ فوراً اسلام لے

نبوت کے گیارھویں سال، مدینہ سے بارہ لوگ آئے اور اسلام قبول کر لیا،

کی درخواست پر آنحضرتؐ نے حضرت مصعبؓ بن عمیرؓ کو معلم بنا کر ان کے ساتھ کر دیا

نے کچھ ایسے مؤثر انداز میں اسلام کی تبلیغ کی کہ مدینہ میں بڑی تیزی کے ساتھ اسلام پ

لگا، قبیلہ اوس کے سردار سعدؓ بن معاذ، اسلام سے سخت بیزار تھے، لیکن مصعبؓ سے قرآن کی چند آیتیں سُن کر فوراً اسلام لے آئے، ان کے ساتھ ان کا سارا قبیلہ بھی مسلمان ہوگیا۔

نبوّت کے بارھویں سال ۷۲ آدمی، مدینہ سے آکر، مکّہ میں آنحضرتؐ کے ہاتھ پر اسلام لائے، اس موقع پر حضرت عباسؓ بھی موجود تھے، جو اگرچہ اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، یہ لوگ یہ چاہتے تھے کہ آنحضرتؐ مدینہ چلیں، اور خود آنحضرتؐ کا بھی یہی خیال ہو رہا تھا، حضرت عباسؓ نے کہا "دشمنوں کے مقابلہ میں ہم ہمیشہ محمدؐ کے سینہ سپر رہے، اب وُہ تمہارے پاس جانا چاہتے ہیں، اگر مرتے دم تک ان کا ساتھ دے سکو تو خیر ورنہ ابھی سے صاف صاف کہہ دو!" ایک انصاری حضرت برار نے آنحضرتؐ کو مخاطب کر کے کہا "ہم تلواروں کی گود میں پلے ہیں!" کہ دُوسرے انصاری ابوالہیثم نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا "یارسُولؐ اللہ ہمارے اور یہودیوں کے مابین روابط ہیں، آپؐ سے بیعت کے بعد، یہ تعلقات ٹوٹ جائیں گے، ایسا نہ ہو جب آپؐ کو قوت حاصل ہو جائے تو آپؐ ہمیں چھوڑ کر پھر اپنے وطن چلے آئیں" آپؐ نے تبسّم کرتے ہوئے فرمایا "نہیں، تمہارا خون میرا خون ہے، تم میرے اور میں تمہارا ہوں!"

آنحضرتؐ نے جب انصار سے بیعت لی، تو سعد بن زرارہ نے کہا "دوستو، جانتے ہو کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ عرب و عجم اور جن و انس کے خلاف اعلانِ جنگ ہے" سب نے جواب دیا "ہاں ہم اس پر بیعت کر رہے ہیں!"

مدینہ میں جب اسلام پھیلنے لگا، تو وُہ مسلمان جو مکّہ میں ظلم و ستم سہہ رہے تھے،

اور جن کے پاس کوئی جائے پناہ نہیں تھی، آنحضرتؐ کی اجازت سے ہجرت کر کے مدینہ جانے لگے۔

آنحضرتؐ کی ہجرت!

مکّہ سے تقریباً سارے مسلمان مدینہ ہجرت کر کے جا چکے تھے۔ آپؐ اب تک مکّہ میں مقیم تھے، اور ہدفِ مصائب بنے ہوئے تھے۔ نبوّت کے تیرھویں سال آپؐ نے ہجرت کا ارادہ فرمایا، قبل اس کے کہ یہ ارادہ تکمیل کو پہنچے، کفارِ مکّہ نے سازش کر کے طے کیا کہ آپ کو قتل کر دیا جائے، ابوجہل نے رائے دی کہ ہر قبیلہ کا ایک آدمی شریکِ قتل ہو تاکہ آلِ ہاشم خون بہا نہ لے سکیں، کیونکہ وہ جملہ قبائلِ عرب کا مقابلہ تو کر نہیں سکیں گے ان لوگوں نے پچھلے پہر آ کر آپؐ کے گھر کا محاصرہ کر لیا کہ باہر نکلیں تو اپنا ناپاک ارادہ پورا کریں، آپ کو قریش کے ارادہ کی خبر ہو چکی تھی، آپؐ نے حضرت علیؓ سے کہا مجھے ہجرت کا حکم مل چکا ہے، میں مدینہ جا رہا ہوں، تم میرے بستر پر میری چادر اوڑھ کر سو جاؤ، یہ اُن لوگوں کی امانتیں ہیں جو میرے پاس رکھوائی گئی تھیں، صبح انہیں واپس کر دینا۔ حضرت علیؓ بے چون وچرا بستر پر لیٹ گئے، اور یہ سمجھ کر لیٹ گئے، کہ آنحضرتؐ کے بجائے آپ ہی پر قاتلانہ حملہ ہو گا۔ کافروں نے محاصرہ کر لیا، اور ڈٹ کر بیٹھ گئے، لیکن آپؐ ان کی آنکھ بچا کر نکل گئے، آپؐ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ تھے، آپ دونوں غارِ ثور میں جا کر پوشیدہ ہو گئے۔ حضرت عائشہؓ کی بڑی بہن حضرت اسما کھانا پکاتیں، حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ کھانا پہنچا آتے، اور شہر کے حالات بتا آتے۔ اسی طرح تین راتیں غارِ ثور

میں گزریں۔

صبح کو کافروں نے جب آنحضرتؐ کے بجائے حضرت علیؓ کو پایا تو بہت جلے حضرت علیؓ کو پریشان کیا، پھر آنحضرتؐ کی تلاش میں نکلے۔ تلاش کرتے کرتے اس قدر قریب آگئے کہ حضرت ابوبکرؓ نے پریشان ہو کر کہا: "دشمن اتنا قریب آگیا ہے کہ اگر اپنے قدم پر اس کی نظر پڑ جائے تو ہمیں دیکھ لے"۔ مگر نطقِ نبویؐ نے پوری عزمیت کے ساتھ فرمایا،

لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۔۔۔ گھبراؤ نہیں خدا ہمارے ساتھ ہے!

مدینہ میں داخلہ!

مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک مقام قبا ہے، آپؐ نے یہاں ۴ روز قیام فرمایا، تیسرے دن حضرت علیؓ بھی مکہ سے آکر یہیں ٹھہرے، یہاں آپؐ نے مسجد قبا کی بنیاد ڈالی، پھر آپؐ شہر تشریف لائے، راستے میں بنی سالم کا علاقہ آیا یہیں پہلی نماز جمعہ ادا فرمائی، (جمعہ ۱۲ ربیع الاول۔ ۲۴ ستمبر ۶۲۲ء) اور پہلا خطبہ دیا، پھر آگے بڑھے انصار کے خاندان حاضر ہوتے، اور عرض کرتے "حضور یہ گھر ہے، یہ جان ہے، یہ مال ہے، سب کچھ حاضر ہے"۔ آپؐ دعائے خیر دیتے ہوئے آگے بڑھتے رہے، شہر بالکل قریب آگیا تو خواتین انصار جوشِ مسرت اور وفورِ عقیدت سے کوٹھوں پر چڑھ آئیں، اور گانے لگیں۔

طلع البدر علینا

من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا
ما دعی للہ داع

چھوٹی چھوٹی لڑکیاں دف بجا بجا کر گاتی تھیں۔

نحن جوار من بنی النجار — ہم بنو نجار کی لڑکیاں ہیں محمدؐ
یا حبذا محمد من جار — کیسا اچھا ہمسایہ ہے"

آپؐ حضرت ابو ایوبؓ کے مکان پر فروکش ہوئے، تقریباً سات مہینہ تک یہیں قیام فرمایا، یہاں آکر آپؐ نے اور حضرت ابو بکرؓ نے اپنے خاندان کو بھی بلا لیا، آپ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نہ آسکیں کیونکہ ان کے شوہر ابو العاص ابھی تک کا[فر] تھے، اور انہوں نے بھیجنے سے انکار کر دیا تھا۔

مسجد نبوی اور خانہ نبیؐ کی تعمیر!

آپؐ نے قیمت ادا کر کے بنو نجار کی زمین پر مسجد نبوی کی تعمیر شروع کرائی، آپؐ بھی مزدوروں کی طرح صحابہ کے ساتھ تعمیر کے کام میں شریک تھے، کچّی اینٹوں سے یہ مسجد تعمیر ہوئی تھی، پھر مسجد سے ملے ہوئے آپ نے دو حجرے بنوائے، ایک حضرت سودہ کے لئے، دوسرا حضرت عائشہؓ کے لئے، بعد میں جب آپؐ نے اور شادیاں کیں تو اور حجرے بھی بن گئے، یہ بہت چھوٹے چھوٹے حجرے تھے، دروازوں پر کمّل کا پردہ پڑا رہتا، راتوں کو چراغ (بے سروسامانی کے باعث) نہ جلتا۔

اذان کا سلسلہ دُوسرے سال سے شروع ہوا، اور زکوٰۃ فرض ہوئی اور [روزے]

واجب کئے گئے اور پہلے سال سے نماز کی دو کے بجائے چار رکعتیں فرض ہوئیں تحویل قبلہ کے بعد (تقریباً ڈیڑھ سال بعد) مسجد کا شمالی دروازہ کھول کر قبلہ بیت المقدس کے بجائے کعبہ قرار پایا۔

برادری کا رشتہ!

تعمیر مسجد نبوی کے بعد آپؐ نے انصار اور مہاجرین میں برادری (اخوت) کا رشتہ قائم فرما دیا، انصار مہاجرین کو اپنے گھر ساتھ لے گئے، اور آدھی آدھی چیز بانٹ دی۔ سعدؓ بن الربیع نے جو عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے بھائی قرار پائے تھے، کہا، میری دو بیویاں ہیں، ایک کو میں طلاق دیئے دیتا ہوں، آپ شادی کر لیجئے، لیکن انہوں نے شکر گزاری کے ساتھ انکار فرمایا۔

انصار زراعت پیشہ تھے، اور مہاجر تجارت پیشہ، لہذا وہ انصار کا ہاتھ کھیتی باڑی میں نہیں بٹا سکتے تھے، انصار خود کاشت کرتے تھے۔ اور پیداوار مہاجر بھائیوں کو آدھی آدھی دے دیتے تھے، یہ رشتہ اتنا مستحکم ہو گیا کہ اگر کوئی انصاری وفات پا جاتا تو اس کا مال اسباب مہاجر بھائی کو ملتا تھا، حقیقی عزیز محروم رہتے تھے۔ لیکن جنگ بدر کے بعد یہ صورت خدا نے واوالارحام بعضھم اولی ببعض کی رو سے ختم کر دی۔ بعد میں مہاجرین نے رفتہ رفتہ تجارت اور کاروبار شروع کر دیا اور کامیاب ہونے کے بعد انصار کی جائداد کا حصہ انہیں واپس کر دیا۔

سنہ ۳ھ میں حضرت امام حسنؓ تولد ہوئے۔ سنہ ۴ھ میں شراب کی حرمت کا اعلان ہوا شراب کے جام لنڈھا دیئے گئے، قرابے توڑ دیئے گئے۔ گلی کوچے میں شراب بہ نکلی۔

نُطقِ رسالتؐ!

جن لوگوں کے دل حق و صداقت سے بے بہرہ تھے، جن میں راستی اور سچائی قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رہ گئی تھی، ان سے تو بحث نہیں، ورنہ جو لوگ ذرا بھی قبولِ حق کی استعداد رکھتے تھے، ان کا یہ عالم تھا کہ آنحضرتؐ کا روئے مبارک دیکھا اور متاثر ہو گئے، نطقِ رسالت کی سماعت کی، اور ارشادِ رسولؐ کی سحر آفرینی سے اس درجہ مسحور ہوئے کہ کفر سے تائب ہوئے، اور ایمان لے آئے۔

سحرِ حلال!

نبوتؐ کے دسویں سال، ضماد ازدی مکہ آیا؛ یہ یمن کا رہنے والا تھا، اس کا شمار عرب کے مشہور شعبدہ بازوں، اور جادوگروں میں تھا، کفار سے اس نے سنا تھا کہ نعوذ باللہ محمدؐ پر ارواح کا اثر ہے اور ہوش و خرد سے بیگانہ ہو چکے ہیں تو اس نے قریش کو اطمینان دلایا کہ میرے پاس ایسے منتر ہیں کہ میں محمدؐ کا علاج کر لوں گا، دُ

آنحضرتؐ کی خدمتِ گرامی میں حاضر ہوا، اور کہا: "محمدؐ آؤ میں تمہیں منتر سناؤں!" آپؐ نے فرمایا: "پہلے میرا سُن لو!" پھر آپؐ نے فرمایا:

الحمد لله نحمده ونستعينه من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمدا عبده ورسوله اما بعد....

سب تعریف اللہ کے لیئے ہے، ہم اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں، اور ہر کام میں اسی سے مدد کے خواہاں ہیں جیسے خدا راہ یاب کر دے، اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا، جسے خدا گمراہ کر دے اسے کوئی راہ یاب نہیں کر سکتا، میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا صرف ایک ہی ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ خدا کے بندے اور اس کے رسولؐ ہیں، اور اس کے بعد میں کہتا ہوں.......

ضماد نے صرف اتنا ہی سُنا تھا کہ مسحور ہو گیا، عرض گزار ہوا، "پھر سُنایئے" کئی بار اس نے یہ کلمات سنے اور بے اختیار بول اٹھا "میں نے بہت سے کاہن اور ساحر دیکھے ہیں شاعروں کا کلام سنا ہے لیکن یہ بات تو میں نے کہیں بھی نہیں دیکھی، یہ بول تو ایک بحرِ ناپیدا کنار ہیں محمدؐ اپنا ہاتھ بڑھاؤ کہ میں بیعت کر لوں!" اور وہ جو رسولؐ کو اپنے منتر سے چنگا کرنے آیا تھا، خود نبیؐ کے دستِ شفا سے چنگا ہو گیا۔

ایک اور واقعہ!

اسی زمانہ کا واقعہ ہے کہ سوید بن صامت آپؐ سے ملا، یہ بہت بڑا شاعر تھا اور اپنی قوم میں "کامل" کے معزز اور محترم خطاب سے مشرف و ممتاز تھا، آنحضرتؐ نے اسے اسلام کی دعوت دی، کہنے لگا: "شاید آپؐ کے پاس بھی وہی ہے جو میرے پاس ہے" آپ نے دریافت فرمایا: "کیا ہے تمہارے پاس؟" وہ بولا: "حکمتِ لقمان!" آنحضرتؐ نے کہا: "سناؤ!" اس نے اپنے چند اشعار سنائے، پھر آپؐ نے فرمایا: "ہاں، لیکن میرے پاس قرآن ہے جو اس سے برتر اور بہتر ہے، جو ہدایت اور نور ہے۔" پھر آپؐ نے چند آیتیں سنائیں وہ فوراً اسلام لے آیا، جب اپنے وطن یثرب واپس گیا، تو اس کی قوم (خزرج) نے اسے قتل کر دیا۔

امیر حمزہؓ کا واقعہ!

نبوت کے چھٹے سال تک امیر حمزہؓ اسلام نہیں لائے تھے، لیکن رسولِ خداؐ کو دل و جان سے چاہتے تھے، اور آپؐ پر پروانہ وار نثار ہوتے تھے، ایک مرتبہ ابوجہل کی گستاخی اور بدتمیزی پر جب آپؐ نے صبر کیا، اور حضرت حمزہؓ نے اپنی کمان سے اس کے سر کی تواضع کی، تو آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، بھتیجے، میں نے ابوجہل سے تمہارا بدلہ لے لیا!" آپؐ نے فرمایا: "چچا میں ایسی باتوں سے خوش نہیں ہوا کرتا، ہاں آپ اسلام قبول کر لیں تو مجھے بے اندازہ مسرت ہو گی۔"

حضرت حمزہؓ فوراً مسلمان ہو گئے۔

ایک اور واقعہ!

فتح مکہ کے دوسرے دن کا واقعہ ہے کہ فضالہ بن عمیر نے عین اس حالت میں کہ آپ طواف کر رہے تھے، آپؐ کو قتل کر ڈالنے کا ارادہ کیا جب وہ نزدیک آیا تو آپؐ نے پوچھا:

"کیا فضالہ ہے؟"

اس نے جواب دیا،

"جی ہاں!"

آپؐ نے دریافت فرمایا

"ابھی تم کیا ارادہ کر رہے تھے؟"

وہ بولا

"کچھ بھی نہیں، خدا کو یاد کر رہا تھا!"

آپؐ نے تبسّم فرمایا، اور کہا

"تو خدا سے استغفار کر!"

پھر اپنا ہاتھ اس کے سینہ پر رکھ دیا، فضالہ کا بیان ہے کہ آپؐ کی ان باتوں نے مجھ میں سکنیت پیدا کر دی، اور دنیا میں آپؐ سے بڑھ کر میری نگاہ میں کوئی بھی محبوب نہ رہ گیا، میں گھر کے ارادہ سے باہر نکلا، راستہ میں میری محبوبہ ملی جس کے پاس میں اٹھا بیٹھا کرتا تھا۔ اس نے کہا، "فضالہ ذرا سننا تو!" لیکن میں نے جواب دیا، "خدا اور اس کا رسولؐ

مجھے ایسی باتوں سے منع کرتے ہیں!

کیا یہ نطقِ رسالتؐ کی سحر انگیزی نہیں ہے کہ جو ابھی قتل کے منصوبے باندھ رہا تو وُہ چند بول سن کر مسلمان ہو گیا، زاہد اور متقی بن گیا؟

مواخاۃ!

ہجرت کے بعد جب آپؐ نے انصارِ مدینہ اور مہاجرین مکہؓ کے مابین اخوت اور برادری کا رشتہ قائم کیا، تو آپؐ کے الفاظ اتنے اثر انگیز ثابت ہوئے کہ یہ رشتہ خون کے رشتہ سے زیادہ مضبوط اور مستحکم ہو گیا، جو کل تک بالکل غیر تھا، اجنبی تھا، نبیؐ کے چند بول سُن لینے کے بعد وُہ بھائی بن گیا، منقولہ اور غیر منقولہ جائداد میں برابر کا شریک، مرنے کے بعد وراثت کا شریک، گھر ہو یا سامان، ہر چیز میں برابر کا حصّہ، یہ نطقِ رسالتؐ کی اثر انگیزی اور سحر آفرینی کا ایسا حیرت انگیز نمونہ ہے جس کی مثال دنیا کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے، دنیا میں بڑے بڑے نبی پیغمبر مصلح گزرے ہیں، اور انہوں نے لوگوں کے قلوب پر حکومت بھی کی ہے، لیکن کیا اس طرح؟ کیا محمدؐ کی طرح؟ کلّا ثم کلّا!

جمالِ نبوّت:

نبی پیکرِ جلال نہیں ہوتا، سراپا جمال ہوتا ہے، اس کے اخلاقِ حسنہ، اس کے کلماتِ طیّبہ، اس کی صُورتِ مطہرہ کا دلوں پر غیر معمولی اثر پڑتا ہے، مخالف سر جھکا لیتے ہیں، دشمن بندۂ بے دام بن جاتے ہیں، جو خون کے پیاسے تھے وُہ پسینہ پر خون بہانے کو تیار ہو جاتے ہیں، یہ کیفیت اور یہ رنگ، نبی کے سوا، اور انبیا میں بھی، نبیِ آخر الزماںؐ کے سوا اور کہاں مل سکتا ہے؟

چند شواہد!

یہ عبداللہ بن امیّہ، بن مغیرہ ہے، جو ایذا رسانیوں میں قریش کا ساتھی ہے، نبیؐ کی نبوّت کا منکر، اور اسلام کے نام سے بیزار، نبیؐ کے رُو در رُو کہتا ہے: "اگر تم سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جاؤ، اور اپنے ساتھ چار فرشتوں کو لے کر واپس آؤ کہ وُہ تمہاری نبوّت کی گواہی دیں، میں پھر بھی تم پر ایمان نہیں لانے کا!"

اور پھر چند سال بعد یہی منکر بغیر کسی جبر اور دباؤ کے جمالِ رسول ؐ سے متاثر ہو کر فتحِ مکّہ سے پیشتر ایمان لے آتا ہے۔

عرب میں، اور صرف عرب ہی میں نہیں ساری دنیا میں خاندان، اور نسب کی بالادستی قائم ہے، جو کم ذات ہے وُہ حقیر و ذلیل ہے، لیکن جو عالی نسب اور والا حسب ہے، وہ سر تاج ہے، عمل کس کا کیا ہے؟ اس سے کوئی سروکار نہیں، لیکن رسول ؐ اللہ نے جب حسب و نسب کی برتری ختم کی، اور اعمال و افعال کو برتری کی بنیاد قرار دیا، تو دفعتہً کایا پلٹ گئی — یہ سید، سید کہہ کر کون کس کو پکار رہا ہے؟ ذرا غور سے دیکھنا، پکارنے والا، عمرؓ فاروق ہے، جس کے جلال و جبروت سے دُنیا لرزہ بر اندام تھی، اور پکارا جانے والا، بلال حبشی، ابوبکرؓ کا آزاد کردہ غلام، رسول ؐ کا مؤذن

یہ نجاشی کے پاس قریش کے سفیر بن کر جانے والے عمروؓ بن عاص ہیں، جو مسلمانوں کی جان کے دشمن تھے، پھر یہی عمروؓ بن عاص جمالِ نبوّت دیکھ کر مسلمان ہوئے بادشاہ عمّان کے پاس، اسلام کی دعوت لے کر پہنچے، اور آنحضرتؐ کی خدمت میں بےشمار لوگوں کے مسلمان ہونے کی بشارت لے کر آئے۔

یہ سہیلؓ بن عمرو ہے جس نے صلح حدیبیہ کے وقت اصرار کیا تھا کہ صلح نامہ پر محمدؐ کے ساتھ رسول ؐ کا لفظ نہ لکھا جائے، وفاتِ نبویؐ کے بعد حرمِ کعبہ میں کھڑا، اسلام کی صداقت پر، دل کو ہلا دینے والی تقریر کر رہا ہے، کیا یہ جمالِ نبوت کا کرشمہ نہیں؟

اس طرح کی مثالیں درجنوں نہیں سیکڑوں مل سکتی ہیں، لیکن کوزہ میں سمندر کو

کس طرح بند کیا جائے ؟

سفینہ چاہیئے اس بحرِ بے کراں کے لئے

طارق بن عبداللہ کی روایت!

طارق بن عبداللہ کا بیان ہے کہ ہم کھجوریں خریدنے کے لئے مدینہ گئے، شہر سے ذرا باہر ٹھہر گئے کہ لباس تبدیل کر کے، اور تازہ دم ہو کر، داخل شہر ہوں، اتنے میں ایک آدمی آیا جو دو پُرانی چادروں میں لپٹا ہوا تھا، اس نے سلام کیا، اور پوچھا "کہاں سے آئے ہو؟ کہاں جاؤ گے؟" ہم نے جواب دیا "ربذہ سے آئے ہیں، صرف یہیں تک!" اس نے مقصد دریافت کیا، ہم نے بتا دیا، ہمارے پاس ایک سرخ اونٹ تھا، اس نے پوچھا "اس اونٹ کو فروخت کرو گے؟" ہم نے کہا "ہاں بیچ دیں گے!" پوچھا "قیمت؟" ہم نے کہا "اس قدر کھجوروں کے عوض!" اس نے قیمت کے بارے میں کچھ بحث نہیں کی اور مہار پکڑ کر اونٹ سمیت شہر میں داخل ہو گیا، اس کے جانے کے بعد ہم میں چہ می گوئیاں ہونے لگیں، کہ اونٹ ایسے آدمی کو دے دیا جسے ہم جانتے بھی نہیں، ہمارے ساتھ ایک امیر عورت بھی تھی، وہ بولی "میں نے اس شخص کا چہرہ دیکھا تھا، چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا تھا، اگر ایسا آدمی قیمت نہ دے تو میں ادا کر دوں گی"، اسی اثنا میں ایک شخص آیا، اور اس نے کہا:

"مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا ہے، اور اونٹ کے بدلہ میں یہ کھجوریں بھیجی ہیں، انہیں ناپ تول لو، اور ہاں، یہ تمہاری ضیافت کی کھجوریں انہیں کھاؤ پیو!"

جب ہم تازہ دم ہو کر، شہر میں داخل ہوئے تو ہم نے دیکھا وہ شخص (آنحضرتؐ) ممبر پر کھڑا وعظ کہہ رہا ہے:۔

تصدقوا فان الصدقۃ خیر لکم	لوگو! صدقہ کیا کرو، کہ صدقہ تمہارے لیے
الید العلیا خیر من الید السفلی	بہتر ہے، دست بالا، (یعنی بخشش کرنے والا
اماك، واجاك، واختك واخاك	ہاتھ) دست زیریں، (یعنی بخشش لینے والے
وادناك وادناك،	ہاتھ) سے بہتر ہے، ماں، باپ، بہن، بھائی
	اور قریبی تعلق رکھنے والوں کی مدد کیا کرو!

طہارت اور پاکیزگی!

آپؐ صفائی اور پاکیزگی کا بہت خیال رکھتے تھے، عطر بہت پسند فرماتے تھے جس راستے آپؐ گزر جاتے معطّر ہو جاتا، جو شخص آپؐ سے مصافحہ کر لیتا، اس کے ہاتھ دن بھر خوشبو دار رہتے۔

جمالِ نبوّت کا یہ عالم تھا کہ صحابہ بیان کرتے ہیں، گرمی کے موسم میں نخلستان میں کام کرتے کرتے جب ہم تھک جاتے تو مسجد میں آ کر دور سے ایک نظر جمالِ مبارک پر ڈال لیتے اور پھر تازہ دم ہو جاتے!

حسنِ اخلاق!

ہر شخص کے ساتھ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، آپؐ بہت محبت کا برتاؤ کرتے تھے، آنے والے کی تعظیم کرتے، تو اس کے معزز نام سے قطع کلام کبھی نہ کرتے، دوران نماز میں کوئی

آجاتا، تو نماز مختصر کر کے اس سے مخاطب ہوتے، اور اس کی حاجت پوری کرتے، ہر وقت آپ ؐ بشاش اور متبسم رہتے، ہر ایک کی عزت کرتے، لوگ یہ سمجھتے کہ آپ ؐ سب سے زیادہ مجھی کو چاہتے ہیں، ہدیہ دینے والے کا ہدیہ قبول فرماتے اور اس کے بدلے میں خود بھی تحفے پیش کرتے، مسکین، اور محتاج تک کی دعوت بڑی خوشی سے قبول کر لیتے، بیمار کی عیادت کو ضرور جاتے۔ لیکن اس کرم، مہربانی اور حسنِ اخلاق کے باوجود، آپ ؐ کے دبدبہ کا یہ عالم تھا کہ کوئی شخص رُو ئے مبارک کی طرف نظر نہیں اٹھا سکتا تھا۔

آپ ؐ صحابہ کو تاکید فرماتے کوئی کسی کی شکایت مجھ تک نہ لائے، تاکہ میں اس حالت میں کسی سے نہ ملوں کہ میرے دل میں کوئی کدورت ہو۔"

معراج!

۲۷ رجب المرجب سنہ نبوی کو، آپؐ معراج سے سرفراز ہوئے۔ قرآن مجید کی سُورۂ "اسریٰ" میں اس واقعہ کا تذکرہ ہے۔

سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلا	وُہ اللہ عیب سے پاک ہے جو راتوں رات
من المسجد الحرام، الی المسجد	اپنے بندے (محمدؐ) کو مسجد حرام (مکہ) سے
الاقصیٰ الذی بارکنا حولہٗ لنریہٗ	مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک لے گیا
من آیاتنا!	جس کے گرداگرد، ہم نے برکتیں دے رکھی
	ہیں کہ ہم اپنی قدرت کی نشانیاں اسے دکھا

شاہ ولی اللہ نے حجۃ البالغہ میں لکھا ہے:۔

"بیت المقدس میں آپؐ نے انبیاء کو نماز پڑھائی، انبیاء کرام سے ان کے مقامات پر ملتے ہوئے، سدرۃ المنتہیٰ اور بیت المعمور تک پہنچے، وہاں قرب الٰہی حاصل ہوا، اور

وحی خاص سے سرفراز ہوئے!"

تکذیب و تصدیق!

صبح کو آنحضرتؐ نے اپنی معراج کا حال، اپنی قوم کے لوگوں کو بتایا، کفار و مشرکین نے اظہارِ تعجب کیا، اور تمسخر و استہزا شروع کر دیا، لیکن مسلمانوں نے آپ کے دعوے کو قبول کر لیا، سب سے پہلے جس شخص نے تصدیق کی، وُہ حضرت ابو بکرؓ تھے، اسی باعث آپ صدیق کے لقب سے ملقب ہوئے، بعض مسلمان جن کا اعتقاد اور ایمان کمزور تھا، اس واقعہ کے بعد مرتد ہو گئے۔

حضرت امام حسنؓ بصری، امیر معاویہؓ اور حضرت عائشہؓ معراج روحانی کے قائل ہیں، جمہور اسلام معراجِ جسمانی کے!

رُوحانی معراج کے جو لوگ قائل ہیں وُہ کہتے ہیں کہ جسمانی معراج کا کوئی محکم ثبوت نہیں ہے۔

اور جو لوگ (جمہور اسلام) جسمانی معراج کے قائل ہیں وُہ کہتے ہیں، اگر معراج رُوحانی ہوتی تو نہ کفار کو مذاق اڑانے کی ضرورت تھی، نہ کمزور اعتقاد کے مسلمانوں کو مرتد ہونے کی، کفار کی تکذیب، اور بعض مسلمانوں کے ارتداد سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ معراج جسمانی تھی!

علمِ غیب، مُعجزات اور پیشین گوئیاں!

آنحضرتؐ کا سب سے بڑا معجزہ ــــــــ وقتی اور عارضی نہیں (دُوسرے انبیاءؑ کے معجزات کی طرح) مُستقل اور ابدی ــــــــ آپؐ کی سیرت، آپؐ کی تعلیمات اور قرآن ہے۔

عام طور پر، انبیاء نے جو معجزات دکھائے، وُہ سرکشوں اور باغیوں کے جواب میں جن کا نتیجہ ان کی ہلاکت اور بربادی کی صورت میں ظاہر ہُوا، آپؐ سے کسی چیلنج کے جواب میں کوئی معجزہ صادر نہیں ہُوا، کہ یہ بات آپؐ کے مسلک کے خلاف تھی، البتہ وقتی حالات، اور ضروریات کے پیشِ نظر آپؐ سے معجزوں کا صدور ہُوا۔

علمِ غیب اور پیشین گوئیوں کے سلسلہ میں بھی غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے، مطلق طور پر، علمِ غیب سے آپ بہرہ ور نہ تھے، پیشین گوئیاں علمِ غیب ہی کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ خدا کے آپ برگزیدہ نبی تھے، جب اور جس واقعہ یا حادثہ سے چاہا، اس سے آپؐ کو

مطلع کر دیا۔ اور آپ نے اس کا اظہار فرما دیا۔

ایک مرتبہ، قریش نے آپ سے مطالبہ کیا کہ آپ معجزہ ظاہر کریں، خدا سے کہہ کر شام و عراق جیسی نہریں جاری کروا دیں؛ اور قصی بن کلاب کو زندہ کرا دیں آپ نے جواب دیا میں ان کاموں کے لئے نہیں بھیجا گیا ہوں، مجھے تو خدا نے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے، خدا کا پیام میں نے تمہیں پہنچا دیا، اگر قبول کر لو گے تو تمہاری دنیا اور عاقبت سنور جائے گی، رد کر دو گے تو میں خدا کے حکم کا انتظار کروں گا۔"

ایک درخواست!

۹ھ میں زیاد بن حارث کی زیر سیادت، وفد صداء آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، زیاد نے عرض کیا، ہمارے ہاں صرف ایک کنواں ہے جو گرمی میں خشک ہو جاتا ہے، دعا فرمائیے ایسا نہ ہوا کرے۔ آپ نے سات کنکریاں دیں، اور فرمایا، ایک ایک کر کے اللہ کا نام لیتے ہوئے کنویں میں ڈال دینا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا، زیاد کا بیان ہے پھر اس کنویں میں اتنا پانی بڑھ گیا کہ اس کی گہرائی کا پتہ لگانا مشکل ہو گیا۔

وفد غامد!

۱۰ھ میں یہ وفد باریاب ہوا۔ وفد کے لوگوں نے مدینہ سے باہر اپنا سامان رکھا ایک لڑکے کو نگہبانی پر بٹھایا، اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے پوچھا "تم اسباب کے پاس کسے چھوڑ آئے ہو؟" انہوں نے کہا "ایک لڑکے کو" فرمایا "تمہارے آنے کے بعد وہ سو گیا" ایک شخص آیا، خرجی چرا کر لے گیا، وہ لڑکا اٹھا، چور کے پیچھے

بھاگا، اسے جا پکڑا، سب سامان مل گیا،

یہ لوگ جب واپس پہنچے، تو لڑکے سے آپؐ کے ارشادات کی تصدیق ہوئی

فوراً مسلمان ہو گئے۔

عمیر کی سازش!

جنگِ بدر کے چند روز بعد، صفوان بن اُمیہ جس کا باپ جنگِ بدر میں قتل

ہوا تھا، اور عمیر بن وہب جس کا بیٹا مسلمانوں کے پاس قید تھا، مکہ سے باہر ایک سنسان

جگہ بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

عمیر نے کہا،

"اگر میں قرضدار نہ ہوتا، اور مجھے اپنے کنبہ کی بے چارگی کا خیال نہ ہوتا تو میں مدینہ

جاتا، اور محمدؐ کو قتل کر ڈالتا"

صفوان نے کہا،

"تیرا قرض میں ادا کر دُوں گا جب تک زندہ ہوں، تیرے کنبہ کی کفالت کروں گا"

عمیر "اچھی بات، لیکن یہ راز افشا نہ ہونے پائے!"

پھر عمیر نے اپنی تلوار سان پر چڑھوائی، اور زہر میں بجھوائی، اور مدینہ روانہ ہو گیا

پہنچنے کے بعد حضرت عمرؓ اسے آپؐ کے حضور میں لائے، آپؐ نے فرمایا: تو اور صفوان

مکہ سے باہر سنسان جگہ پر بیٹھے، صفوان نے تیرا قرض ادا کرنے، اور کنبہ کی کفالت کرنے کا

وعدہ کیا، تو نے میرے قتل کا عہد کیا، عمیر! تو نے یہ نہ سمجھا، میرا محافظ خدا ہے!

یہ رنگ دیکھ کر حضرت عمیر فوراً مشرف بہ اسلام ہو گئے، اور پھر بہتوں کو مسلمان بنایا۔

سراقہ بن جعشم کا واقعہ!

مکّہ سے جب آپؐ نے ہجرت فرمائی، تو کفارِ مکّہ نے اشتہار دیا۔ جو محمدؐ یا ابوبکرؓ کو گرفتار کر لائے گا، اس کو سَو اونٹ انعام کے طور پر دیئے جائیں گے، سراقہ بن جعشم جو ایک جیالا جنگجو تھا، مسلح ہو کر تلاش میں نکلا، اور ایک مقام پر اس نے آپؐ کو دیکھ لیا، چاہا کہ گھوڑا دوڑا کر قریب پہنچے، لیکن گھوڑے نے ٹھوکر کھائی، اور وُہ گر پڑا، پھر اس نے فال نکالی، جواب انکار میں آیا، لیکن ... اونٹوں کی تمنّا نے پھر اُکسایا، گھوڑا پھر دوڑایا، اس دفعہ اس کے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے، اب وُہ ڈرا، معافی مانگی، اور آپؐ نے معاف فرما دیا!

عدی بن حاتم طائی!

عدی بن حاتم طائی کو دعوتِ اسلام دیتے ہوئے، آپؐ نے فرمایا، "عدی اس دین میں داخل ہونے سے شاید تجھے یہ امر مانع ہے۔ حکومت و سلطنت دُوسری قوموں کے پاس ہے، واللہ وُہ وقت قریب آ رہا ہے، جب تو سُن لے گا کہ ارضِ بابل کا سفید محل (نوشیرواں کا محل) مسلمان فتح کر لیں گے"!

اور بالآخر یہ ارشاد پورا ہوا، اور خود عدی نے اپنی آنکھوں سے اسے پورا ہوتے دیکھ لیا۔

شمعِ نبوّت کے پروانے!

نہایت نازک وقت پر حضرت عیسیٰؑ کا ساتھ ان کے حواریوں نے چھوڑ دیا، حضرت موسیٰؑ کی قوم بُت پرستی کرنے لگی، دوسرے بہت سے انبیاء کا بھی ان کی قوم نے ساتھ نہ دیا، لیکن سرورِ کائنات ﷺ کو انصار کی جماعت اور جان و دل سے قربان ہونے والے مسلمانوں کی قوم ملی، جس نے اپنے نبیؐ کو، دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز رکھا، اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے، طرح طرح کے آلام و مصائب برداشت کیے، ایثار و قربانی سے کام لیا، اسے آرام پہنچانے کے لئے خود تکلیف اٹھائی۔ اُس کے دہن مبارک سے جو سُن لیا، اسے حرزِ جاں بنالیا۔

حضرت ابوایوب انصاری!

جب آپؐ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے، تو آپؐ حضرت ابوایوبؓ انصاری کے مکان پر فروکش ہوئے۔ وہ دونوں وقت آپؐ کی خدمت میں کھانا بھیجتے، جو کچھ آپؐ

یے پاس سے زیچ کر جاتا، اسے ابو ایوبؓ اوران کی زوجۂ محترمہ استعمال کرتیں، کھانے میں جہاں آنحضرتؐ کی انگلیوں کا نشان ہوتا، ابو ایوبؓ بھی تبرکاً وہیں انگلیاں ڈالتے۔

آنحضرتؐ نے زیریں منزل میں قیام فرمایا تھا، اور حضرت ابو ایوبؓ بالائی منزل میں رہتے تھے، ایک دن پانی کا برتن ٹوٹ گیا، اندیشہ ہوا پانی بہ کر نیچے جائے گا، اور آنحضرتؐ کو تکلیف ہوگی، گھر میں اوڑھنے کا صرف ایک لحاف تھا، حضرت ابو ایوبؓ نے اسے ڈال دیا کہ پانی جذب ہو کر رہ جائے، اور خود ساری رات ٹھٹھرتے رہے۔

ایک فاقہ زدہ شخص!

ایک دفعہ ایک فاقہ زدہ شخص آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض گزار ہوا کہ سخت بھوکا ہوں، آپؐ نے گھر میں دریافت فرمایا "کچھ کھانے کو ہے؟" جواب ملا "صرف پانی!" آپؐ نے حاضرین سے خطاب فرمایا "کوئی ہے جو اس شخص کو آج اپنا مہمان بنائے؟" حضرت ابو طلحہؓ عرض گزار ہوئے "میں حاضر ہوں!" مہمان کو لے کر وہ اپنے گھر پہنچے، لیکن ان کے گھر میں بھی کچھ نہ تھا، بیوی نے بتایا "صرف بچوں کا کھانا موجود ہے" انہوں نے بیوی سے کہا "چراغ بجھا دو اور جو بھی کھانا لا کر مہمان کے سامنے رکھ دو" ایسا ہی کیا گیا، تینوں ساتھ بیٹھ گئے، اور اس طرح ہاتھ چلاتے رہے کہ گویا کھا رہے ہیں، حالانکہ ایک لقمہ نہ کھایا اور بالکل بھوکے بیٹھے رہے۔

نبیؐ کی خاطر کا پاس! کیا اس سے بڑی کوئی اور نعمت بھی تھی!

ابنِ نضرؓ کی جاں نثاری!

جنگِ اُحد میں جب کافروں کا پلّہ بھاری پڑ رہا تھا، اور آنحضرتؐ کی شہادت
کی افواہ پھیل گئی تھی، تو حضرت انسؓ کے چچا ابن نضر، لڑتے بھڑتے آگے نکل گئے، حضرت
عمرؓ سے مڈبھیڑ ہوئی، دیکھا تو وہ مایوس ہو کر ہتھیار پھینک کر خاموش بیٹھے تھے، پوچھا کیا
ہو رہا ہے؟" جواب دیا: "اب لڑ کر کیا کریں، رسول اللہؐ نے تو شہادت پائی!" ابن نضرؓ نے
کہا: "آنحضرتؐ کے بعد ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے؟" یہ کہہ کر دیوانہ فوجِ مخالف میں گھس گئے
اور لڑ کر شہادت پائی، لڑائی کے بعد، جب ان کی لاش دیکھی گئی تو اسّی سے زیادہ تیر، تلوار
اور نیزے کے زخم تھے، لاش پہچانی تک نہ جاتی تھی، ان کی بہن نے انگلی دیکھ کر پہچانا۔

کیا جاں نثاری کی ایسی شاندار مثالیں اسلام کے سوا کہیں اور بھی مل سکتی ہیں

جنگِ اُحد کا ایک واقعہ!

اسی جنگِ اُحد کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ جہاں آنحضرت کھڑے تھے، غنیم کا
ہجوم ہوا، آپؐ نے فرمایا: "کون مجھ پر جان دیتا ہے؟" زیادؓ بن سکن پانچ انصاری لے کر آگے
بڑھے، اور ہر ایک نے اپنی جان، آنحضرتؐ پر قربان کر دی! حضرت زیادؓ کے لئے آپؐ
نے حکم دیا، ان کا لاشہ قریب لایا جائے، لوگ اٹھا کر لائے، ابھی کچھ کچھ جان باقی تھی
رسولؐ اللہ کے قدموں پر منہ رکھ دیا، اور اسی حالت میں جان دی۔

ابو دجانہؓ اور طلحہؓ!

عبداللہ بن عمیّہ، قریش کا ایک جنگ آزما صفوں کو توڑتا آنحضرتؐ کے قر

آگیا، اور چہرۂ مُبارک پر تلوار ماری، خود کی دو کڑیاں چہرۂ مبارک میں چُبھ گئیں، ہر چہار طرف سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی، اور تلواروں کے وار ہو رہے تھے، حضرت ابو دجانہ جھٹ سپر بن گئے، اب جو تیر آتے تھے، ان کی پیٹھ پر پڑتے تھے، حضرت طلحہؓ نے تلواروں کو ہاتھ پر روکا، ایک ہاتھ کٹ کر گر گیا، حضرت ابو طلحہؓ نے سپر سے آنحضرتؐ کے چہرے پر اوٹ کر لی، کہ آپؐ کو چشمِ زخم نہ پہنچے، آپؐ اگر گردن اٹھا کر دشمن کی طرف دیکھتے تو ابو طلحہؓ کہتے، "آپؐ گردن نہ اٹھائیں، ایسا نہ ہو کوئی تیر لگ جائے۔ یہ میرا سینہ کس لئے ہے؟"

ایک انصاریہ کا واقعہ!

اسی جنگ میں ایک انصاریہ کے باپ، بھائی، شوہر سب شہید ہو گئے، پہلے باپ کی خبر ملی، پھر بھائی کی، پھر شوہر کی، اور وُہ ہر مرتبہ صرف ایک ہی سوال کرتی تھیں "رسُول اللہؐ کیسے ہیں"؟ لوگوں نے کہا "اچھی طرح ہیں"! قریب آکر چہرۂ نبویؐ دیکھا، اور بے اختیار پکار اٹھیں؛

کل مصیبة بعدک جلل — تیرے ہوتے سب مصائب ہیچ ہیں!

عروہ بن مسعود ثقفی!

عروہ بن مسعود ثقفی نے صحابۂ کرام کی رسُولِ اکرمؐ کے ساتھ والہانہ عقیدت و محبت دیکھ کر صلح حدیبیہ (۶ھ) کے زمانہ میں ایک موقع پر قریش سے کہا تھا،

"میں نے قیصر و کسریٰ، اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں مگر یہ عقیدت

اور وارفتگی کہیں نہیں دیکھی، محمدؐ بات کرتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے کوئی شخص نظر بھر کر ان کی طرف نہیں دیکھ سکتا، وہ وضو کرتے ہیں تو جو پانی گرتا ہے، اس پر خلقت ٹوٹ پڑتی ہے، لعابِ دہن گرتا ہے تو عقیدت کیش ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں، اور چہرہ اور ہاتھوں پر مل لیتے ہیں"

انتہائے عشق!

حضرت زیدؓ کو صفوان بن امیہ نے (۴ھ) بارادۂ قتل خریدا قتل کے وق[ت] قریش کے معززین تماشا دیکھنے جمع ہوئے۔

بہ جرمِ عشقِ توام می کشند غوغائیست
تو نیز بر سرِ بام آکہ خوش تماشائیست

قاتل جب تلوار تول کر کھڑا ہوا تو ابو سفیان نے کہا: "اس وقت اگر تمہارے [بجائے] محمدؐ قتل کیے جاتے، تو کیا تم اسے اپنی خوش قسمتی نہ سمجھتے"؟ حضرت زیدؓ نے جوا[ب] دیا "خدا کی قسم اپنی جان کے مقابلہ میں رسول اللہؐ کے پائے مبارک میں کانٹا چبھ[نا] اسے بھی گوارا نہیں کر سکتا" صفوان کے غلام نطاس نے تلوار ماری اور آپؓ ش[ہید] ہو گئے۔

بنا کردند خوش رسمے بہ خاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کُند ایں عاشقانِ پاک طینت را

مُلاحظات!

آنحضرتؐ کی حیاتِ طیّبہ کے دو پہلو اب تک ہماری نظر کے سامنے آچکے ہیں:-

۱۔ بہ حیثیّت اِنسان کے

۲۔ بہ حیثیّت نبیؐ کے

اِنسان کی حیثیّت سے ہم نے دیکھ لیا، از آدمؑ تا ایں دم، اِنسانیتِ کبریٰ کی ایسی برتر، افضل اور اعلیٰ مثال دُنیا پیش نہیں کرسکی۔

نبیؐ کی حیثیت سے ہم نے دیکھ لیا کہ آپؐ کی بعثت سے پہلے پہلے جتنے انبیاءِ کرام مبعوث ہوئے، اگرچہ انہوں نے خدا کا پیام پہنچانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی، راہِ خدا میں مصائب اور نوائب برداشت کرنے میں کسی کمزوری کا اظہار نہیں کیا، حق و صداقت کی خاطر ہر خطرہ اور ہلاکت کا خندہ جبینی کے ساتھ استقبال کیا، لیکن کسی ایک فرد کو اُن سنگین حالات سے ہرگز دوچار نہیں ہونا پڑا، جو فخرِ موجودات، سرورِ کائنات نبیِ آخر الزماںؐ کو

کرکے... کا مقابلہ کرکے اور زحمت کا مقابلہ کرکے آپؐ نے ایک طرف تو خدا کا پیام ہر آفت اور زحمت کا مقابلہ کرکے کو پیش آئے، آپؐ نے ایک طرف تو خدا کا پیام

دُنیا کے سامنے پیش کیا، دُوسری طرف آپؐ نے بہ حیثیت نبی کے، خدا کی بنائی ہوئی

ہر ہر بات پر عمل کرکے ایک ایسا نمونہ پیش کردیا جو رہتی دنیا تک شمعِ ہدایت بنا رہے

بلاشبہ نبی اِنسان ہوتا ہے، اُس کے سینہ میں بھی دل ہوتا ہے۔ رغبت

بیزاری کے جذبات اس میں بھی ہوتے ہیں، پسند اور ناپسند کے مرحلوں سے وُہ بھی گزرتا

ہے، تعلقِ خاطر، اور ربطِ قلبی سے اسے بھی آشنا ہونا پڑتا ہے، لیکن آنحضرتؐ کی

زندگی میں ایک مثال بھی ایسی نہیں مِل سکتی، جب آپؐ کی انسانیتِ کبریٰ متزلزل

ہو، یا آپؐ کی شانِ نبوّت پر، اِنسانی تاثرات غالب ہوئے ہوں۔ بہ حیثیت اِنسان کے

آپؐ کامل اور مکمّل اِنسان تھے، بہ حیثیت نبی کے آپؐ کا پایہ اِتنا بلند تھا کہ خاتم النبیین

منصب صرف آپؐ ہی کو سزاوار ہو سکتا تھا۔

تیسری بات جو کسی طرح نظر انداز نہیں کی جاسکتی یہ ہے کہ آپؐ نے نبی کی حیثیت

سے ایک ایسی اُمّت تیار کردی، جس نے ساری دنیا کو ایک عجیب اور نئے اِنقلاب سے

رُوشناس کیا، ایسا اِنقلاب جو زندگی کے ہر گوشہ پر اثر انداز ہوا اور اِس طرح اثر انداز ہوا کہ

اس کے آثار و نقوش نہ مِٹ سکے ہیں، نہ مٹائے جاسکیں گے۔ آپؐ نبیِ آخر الزماں تھے

اور اُن تمام اوصافِ عالیہ سے بدرجۂ کمال متّصف، جن سے فرداً فرداً دُوسرے نبی متصف

ہوتے چلے آئے تھے ؎ حُسنِ یُوسفؑ، دمِ عیسےٰؑ، یدِ بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند، تو تنہا داری

مُفکّر اور حکیم کی حیثیّت سے

علم کی ترغیب!

علم اور مذہب میں عام طور پر بُعد المشرقین ہوتا ہے، گزشتہ انبیاء کے حالات زندگی ہمارے سامنے نہیں لیکن بعد کے جانشینوں اور مذہب کے علمبرداروں نے اپنے پیروؤں کو ہمیشہ علم سے دُور رکھنے کی کوشش کی، کہ ان کی فکر روشن نہ ہو جائے، ان کی نگاہ میں وسعت نہ پیدا ہو جائے، اُنہوں نے صرف چند باتوں کو "آسمانی" قرار دے لیا تھا، اور اسی محور کے گرد، اپنی قوم کو چلاتے رہتے تھے، ان باتوں کے علاوہ جو کچھ تھا، وُہ جہل تھا یا کُفر۔

لیکن داعیٔ اسلام نے، اور آپؐ کے بعد آپؐ کے جانشینوں نے سب سے زیادہ جس چیز پر زور دیا، وُہ تھی حصُولِ علم، اور اسی کا یہ نتیجہ ہوا کہ مُسلمانوں نے دنیا کو علم کی روشنی سے منوّر کر دیا، آج کا ترقی یافتہ فلسفہ، آج کی ترقی یافتہ سائنس، آج کی ترقی یافتہ ڈاکٹری، آج کی ترقی یافتہ انجینئرنگ، آج کی ترقی یافتہ ایجادات واختراعات، کیا یہ سب

عہدِ حاضر کی برکات ہیں؟ جتنی کدوکاوش کی جائے گی معلوم ہوگا، یہ سارے علوم وفنو
وُہ ہیں جن کی داغ بیل مسلمانوں نے ڈالی تھی، جنہیں مسلمانوں نے پروان چڑھایا تھا، جن
مسلمانوں نے تجربہ کی کسوٹی پر پرکھا، ایجاد کی سان پر چڑھایا، اور ترقی کے راستہ پر لا
کیا، اور مسلمانوں کا یہ جوش و ولولہ، تمام تر رہینِ منت تھا آنحضرتؐ اور آپؐ کے جانشی
کی ترغیبِ علم، اور علم کی سرپرستی کا!

رہائی کی شرط!

جنگِ بدر (۲ھ) کے سلسلہ میں قریش کے جو لوگ گرفتار ہوئے، انہیں فد
لے کر رہا کیا گیا، جن میں فدیہ ادا کرنے کی استطاعت تھی، وُہ فدیہ دے کر رہا ہو گ
لیکن کچھ ایسے نادار اور مفلوک الحال بھی تھے، جن کے پاس رہائی حاصل کرنے ک
لئے زرِ فدیہ نہیں تھا، آنحضرتؐ نے ان اسیرانِ جنگ کی رہائی کی شرط یہ رکھی کہ ان
سے ہر شخص دس مسلمان لڑکوں کو لکھنے کی تعلیم دے، جن لوگوں نے یہ شرط پوری کی
رہا کر دیئے گئے، کاتبِ وحی حضرت زیدؓ بن ثابت نے اسی طرح لکھنے کی تعل
حاصل کی تھی۔

عبرانی زبان!

۴ھ میں آپؐ نے حضرت زیدؓ بن ثابت کو حکم دیا کہ وُہ عبرانی زبان
لکھنا پڑھنا سیکھ لیں، اور آپؐ نے صرف پندرہ دن کی قلیل مدت میں، اس زبا
کافی دسترس حاصل کر لی۔

اس کے علاوہ متعدّد مواقع پر آپؐ نے مُسلمانوں کو علم حاصِل کرنے کی ترغیب دی، اور انہیں ہدایت کی کہ وُہ عِلم سے دلچسپی لیں۔ کتبِ حدیث میں متعدد حدیثیں ہیں جن میں علم کی ثنا کی گئی ہے، اور عِلم حاصِل کرنے پر زور دیا گیا ہے۔

فِکر و تدبّر!

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کو جو نعمتیں عطا فرمائی گئی تھیں، ان میں فِکر و تدبّر کا
بھی تھا، منصبِ نبوّت پر سرفراز ہونے سے پہلے ہی آپؐ نے اپنے تدبّر اور فکرِ صحیح سے
کام لے کر بہت سی نازک گھڑیاں ٹال دیں، بہت سی برپا ہونے والی جنگیں دبا دیں۔

حجرِ اسود کا واقعہ!

تعمیرِ کعبہ کے بعد جب سنگِ اسود کو اس کے مقام پر رکھنے کی باری آئی، تو
قبیلہ اس سعادت کا مدعی بن گیا، قریب تھا کہ تلواریں کھنچ جائیں، اور خون کی ندّیاں
نکلیں کہ آپؐ کو ثالث بنا لیا گیا، اور آپؐ نے دُور اندیشی اور تدبّر سے کام لیتے ہُوئے
اپنی ردائے مبارک زمین پر بچھا دی، سنگِ اسود کو اس پر رکھ دیا، ہر مدّعی کو حق دیا کہ وُہ
کا کونا پکڑ کر حجرِ اسود کے مقام تک پہنچے، اور وہاں پہنچ کر خود آپؐ نے اپنے دستِ مُبارک
سے پتھر کو اس کی جگہ پر رکھ دیا، اور اس طرح ایک بہت بڑا فتنہ آپؐ کی دُور اندیشی، اور

تدبر کی بدولت سر اٹھاتے اٹھاتے ختم ہوگیا۔

ایک خاص واقعہ!

عبدیالیل کی زیر سرکردگی، اسلام سے واقفیت حاصل کرنے ثقیف کی ایک جماعت آنحضرتؐ کی خدمتِ گرامی میں حاضر ہوئی مغیرہ بن شعبہ نے عرض کیا" اجازت ہو تو ان لوگوں کو اپنے پاس مہمان رکھوں، میری ہی قوم کے لوگ ہیں"! آپؐ نے اجازت مرحمت فرمادی، لیکن فرمایا" ان لوگوں کو ایسی جگہ اتارو جہاں قرآن کی آواز ان کے کان میں پڑے" ان کے خیمے مسجد کے صحن میں لگائے گئے، یہاں سے یہ قرآن بھی سنتے تھے، اور نماز پڑھتے بھی مسلمان کو دیکھتے تھے، اس مشاہدہ اور سماعت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں کے دل اسلام کی طرف مائل ہوئے اور یہ مسلمان ہوگئے، لیکن مسلمان ہونے سے پہلے شرط یہ لگائی کہ نماز معاف کردی جائے، آپؐ نے فرمایا:

لاخیر فی دین لیس فیہ رکوع — جس مذہب میں نماز نہیں اس میں کوئی خوبی نہیں۔

نماز پر راضی ہوئے تو کہا، اچھا، ہمیں جہاد، اور زکوٰۃ سے معاف کردیا جائے، آنحضرتؐ نے یہ شرط قبول فرمالی، بعد میں صحابہؓ سے ارشاد ہوا" اسلام کے اثر سے یہ خود ہی دونوں کام (جہاد اور زکوٰۃ) کرنے لگیں گے"! اور یہی ہوا۔

عبادتِ نافلہ!

نفل نماز زیادہ تر آپؐ چشمِ عام سے الگ ہٹ کر ادا فرمایا کرتے تھے کہ لوگ

نبیؐ کی تقلید میں اتنی عبادت نہ کرنے لگیں جو بعد میں شاق گزرے۔

ابوالعاص کا واقعہ!

ابوالعاص آنحضرتؐ کے داماد تھے، حضرت زینبؓ ان کے حبالۂ عقد میں تھیں، آنحضرتؐ نے حضرت زینبؓ کو طلب فرمایا، مگر انہوں نے بھیجنے سے انکار کر دیا، پھر جنگِ بدر میں یہ گرفتار ہوئے زرِ فدیہ حضرت زینبؓ نے مکّہ سے بھیجا جس میں حضرت خدیجہؓ کا ہار بھی تھا، آپؐ نے ہار واپس کر دیا، اور انہیں رہا کر دیا گیا، اس واقعہ کا اثر یہ ہُوا کہ مکّہ جا کر حضرت زینبؓ کو مدینہ بھیج دیا، چند سال بعد، یہ پھر گرفتار ہو کر آئے، ان کا مال لوٹ لیا گیا آنحضرتؐ نے پھر انہیں رہائی دلا دی، پھر رہا ہو کر مکّہ پہنچے، وہاں شرکائے تجارت کو حساب سمجھایا، اور مدینہ آکر اسلام قبول کر لیا۔

صلح حدیبیہ!

صلح حدیبیہ (سنہ ۶ھ) کے دو پہلو خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں:۔

(۱) صحابۂ کرامؓ کی وفاشعاری کا سخت ترین امتحان، کیونکہ یہ صلح بظاہر مسلمانوں اور اسلام کے لئے توہین آمیز تھی، لیکن صحابہؓ اس امتحان میں پورے اُترے، اور سمع وطاعت کا مکمّل ثبوت دیا۔

(۲) عام مسلمانوں کے برعکس، وحیِ الٰہی نے نطقِ رسالت کے ذریعہ اس صلح کو "فتح" سے تعبیر کیا تھا، انا فتحنا لك فتحا مبینا! اور واقعات نے یہ حقیقت روشن کر دی۔

اب تک مسلمانوں میں اور کفّار میں ایک دیوار حائل تھی، لیکن اس صلح کے بعد ملنے جلنے

کا دَور شروع ہوا، نتیجہ یہ ہوا کہ کفار مسلمانوں کی پاکیزہ سیرت، بلند کردار اور تقوٰے سے متاثر ہو

ہو کر خود بخود اسلام قبول کرنے لگے، مؤرخینِ اسلام کا خیال ہے کہ اس معاہدہ سے لے

کر فتحِ مکّہ تک اِس قدر کثرت سے اسلام لائے کہ کبھی نہیں لائے تھے۔

امامہ بنت حمزہ!

صلح حدیبیہ کی رُو سے دُوسرے سال، آپؐ عمرہ کرنے مکّہ تشریف لے گئے، واپسی کے وقت حضرت امیر حمزہ کی کم سن صاحبزادی امامہ جو مکّہ میں رہ گئی تھیں، چچا چچا کہتی آنحضرتؐ کے پاس آئیں۔ حضرت علیؓ نے گود میں اٹھا لیا، حضرت جعفر (برادر حضرت علیؓ) نے دعویٰ کیا، یہ میرے ساتھ رہے گی کیونکہ میرے چچا کی لڑکی ہے، اور زید بن حارثہ نے دعویٰ کیا، حمزہ میرے مذہبی بھائی تھے، اس رشتہ سے یہ میری بھتیجی ہے، اسے میں اپنے ساتھ رکھوں گا، حضرت علیؓ نے فرمایا، یہ میری ہمشیر بھی ہے، اور سب سے پہلے میری ہی گود میں آئی ہے، لہٰذا میں اپنے ساتھ رکھوں گا، آنحضرتؐ نے سب کے دعوے سُن کر امامہ کو حضرت اسماءؓ کی گود میں دے دیا، جو امامہ کی خالہ تھیں، اور فرمایا: خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے!"

حنین کے اسیرانِ جنگ

حنین کے اسیرانِ جنگ مِعرانہ میں محصُور تھے، ان اسیروں کی رہائی کے لئے ایک وفد آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، وفد کے لوگ حضرت حلیمہؓ دائی کے قبیلہ کے تھے۔

زہیر بن صرو نے عرض کیا، جو عورتیں چھپروں میں قید ہیں، ان میں آپؐ کی پھپھیاں اور

اور خالائیں ہیں، خدا کی قسم اگر سلاطینِ عرب میں سے کسی نے ہمارے خاندان کا دُودھ پیا ہوتا تو اس سے بہت اُمیدیں ہوتیں، لیکن آپؐ سے تو اور بھی زیادہ توقعات ہیں!" آپؐ نے جواب دیا: "خاندان عبدالمطلب کا جس قدر حصّہ ہے، وُہ تمہارا ہے لیکن عام رہائی کی تدبیر یہ ہے کہ نماز کے بعد جب مجمع ہو تو یہ تجویز پیش کرو!" چنانچہ نماز ظہر کے بعد وفد نے یہ تجویز آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کی، آپؐ نے فرمایا: "مجھ کو صرف اپنے خاندان پر اختیار ہے لیکن میں تمام مسلمانوں سے سفارش کرتا ہوں!" مہاجر اور انصار کی گردنیں جُھک گئیں، اور دفعۃً چھ ہزار قیدی آزاد ہو گئے ؛؛

عورت!

دورِ جاہلیت میں عرب کے اندر، اور نہ صرف عرب کے اندر بلکہ ساری دنیا کے اندر عورت مردوں کی ہوس رانیوں کا ایک بے جان کھلونا تھی، شاعر اس سے سرِ بازار عشق کرتے تھے، اور اپنی داستانِ ہوس، ہیجان انگیز اشعار میں مزے لے لے کر بیان کرتے تھے، امراء القیس تو اس سلسلہ میں سب سے آگے تھا۔

اس کے علاوہ، عورتوں کو، کوئی خاص منزلت نہیں حاصل تھی، بہ حیثیت ماں کے تو ان کا کچھ درجہ تھا بھی، لیکن بیوی اور بیٹی کی حیثیت سے انہیں کوئی خاص منزلت نہیں حاصل تھی بعض لوگ تو ننگ و عار کے جذبہ کے ماتحت اپنی لڑکیوں کو زندہ زمین میں دفن کر دیتے تھے، ماں کا بھی یہ حال تھا کہ سوتیلی ماؤں سے بے تکلف شادی رچا لیا کرتے تھے، اور ذرا بھی نہ شرماتے تھے۔

لیکن رسول اللہ نے دنیا کی تاریخ میں سب سے پہلی مرتبہ عورت کو اس کے

صحیح مقام پر فائز کیا، اسے اتنے حقوق دیئے جو آج اس ترقی یافتہ دور میں بھی بہت سے ملکوں اور ملتوں میں عورتوں کو نہیں حاصل ہیں، عورتوں کی انفرادیت اور شخصیت سب سے پہلے اسلام ہی نے تسلیم کی، عورتوں کی عزت و حرمت کا درس، سب سے پہلے داعیٔ اسلام نے دیا، عورتوں کو مردوں کے برابر درجہ سب سے پہلے اس آسمان کے نیچے نبیؐ امیؐ نے عطا کیا!

آبگینے!

ایک سفر میں کجاووں پر خواتین خاندان سوار تھیں۔ ساربان حُدی خوانی کرنے لگے، اور اونٹ ذوقِ سماع سے مست ہو کر تیز قدم چلنے لگے۔

حُدی را تیز ترمی خواں چو محمل را گراں بینی

آپؐ نے فرمایا "دیکھنا یہ آبگینے ہیں، کہیں انہیں ٹھیس نہ لگ جائے"!

پہلے عورت!

ایک مرتبہ، اُمّ المومنین صفیہؓ اور آنحضرتؐ اونٹ پر سے گر پڑے، حضرت ابو طلحہؓ بے ساختہ رسولؐ اللہ کی طرف دوڑے، آپؐ نے فرمایا "علیك بالمرآۃ" یعنی پہلے عورت کی خبر لو"!

حدِ قذف!

پاک دامن خواتین پر بداخلاقی کی تہمت لگانے کی سزا، سزائے تازیانہ مقرر کی گئی، اور اس سزا سے کسی کو بھی مستثنیٰ نہیں قرار دیا گیا، چنانچہ شاعرِ رسول حضرت

حسّان بن ثابت تک اس جُرم میں ماخوذ ہوئے اور سزائے تازیانہ سے نہ بچ سکے۔

حجۃ الوداع!

حجۃ الوداع (سنہ ۱۰ھ) کے موقع پر آپؐ نے جو آخری خطبہ دیا۔ اس میں جہاں مسلمانوں کو اور بہت سی ہدایتیں اور نصیحتیں فرمائیں۔ وہاں یہ بھی فرمایا:۔

"دیکھو میرے بعد گمراہ نہ ہوجانا کہ باہم ایک دُوسرے کی گردن مارنے لگو۔ جس طرح تمہارے حقوق عورتوں پر ہیں، اسی طرح عورتوں کے حقوق تم پر ہیں، ان کے ساتھ نرمی کرنا، مہربانی سے پیش آنا، اور اللہ سے ڈر کر ان کے حقوق کی حفاظت کرنا!

عملی نمونہ!

خود اپنی حیاتِ گرامی میں رسول اللہ نے عورتوں کی عزت و احترام کر کے ان کے حقوق ادا کر کے انہیں ان کے درجہ پر فائز کر کے، اپنے عمل سے ایک مثال قائم فرمادی تمام ازواجِ مطہرات کے ساتھ، آپؐ کا برتاؤ نہایت عمدہ تھا، سب کے ساتھ پورا پورا انصاف فرماتے تھے، سب کی باری بندھی تھی، سب کے ہاں باقاعدہ تشریف لے جاتے تھے، مرض الموت میں بھی جب چلنا پھرنا آپؐ کے لئے دُوبھر ہوگیا تھا، تو چادر میں لپٹ کر، دُوسروں کا سہارا لیتے ہوئے اپنے اس اصول کو پورا کرتے تھے۔

حضرت عائشہؓ سے تمام ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ محبت اور دلی ربط تھا، لیکن اس محبّت اور ربط کے باوجود کبھی آپؐ نے اپنے اصول میں فرق نہیں آنے

دیا، نہ یہ ثابت ہونے دیا کہ آپؐ کسی کو کسی پر ترجیح دیتے ہیں، مرض الموت میں بار بار آپؐ خدا سے دُعا فرماتے تھے "خدایا جو کچھ میرے بس میں ہے، اسے کرتا ہوں، اور جو چیز میرے بس کی نہیں (یعنی عائشہؓ کی محبت) تو، تو اسے معاف کرنے والا ہے"!

عورتوں سے ہمدردی!

مدینہ کی لونڈیاں، آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتیں، اور عرض پرواز ہوتیں یا رسول اللہ یہ کام ہے، آپؐ فوراً اٹھ کھڑے ہوتے اور کام کر دیتے، بیوہ ہو یا مسکین یا کوئی اور ضرورت مند آپؐ سب ہی کی حاجت روائی کرتے۔

آپؐ کے پاس ہر وقت مردوں کا جمگھٹ رہتا تھا عورتوں کو آپؐ کی باتیں سُننے کا موقع نہ ملتا، انہوں نے اس محرُومی کی آپؐ سے شکایت کی، آپؐ نے ان کے لئے ایک خاص دن مقرر فرما دیا، عورتیں خدمتِ گرامی میں حاضر ہوتیں، بیباکی کے ساتھ مسائل دریافت کرتیں، آپؐ ذرا بھی بُرا نہ مانتے، ایک ایک سوال کا جواب نہایت حلم اور عنایت سے دیتے، ان کی خاطر کا بہت خیال رکھتے، ان کی دلجوئی کرتے، اور کوئی ایسی بات نہ فرماتے جس سے ان کی دل شکنی ہو یا انہیں صدمہ پہنچے، آپؐ لوگوں کو تاکید کرتے کہ وُہ عورتوں کے ساتھ بدسلوکی نہ کریں، ان کے آرام و آسائش کا خیال رکھیں، ان کے حقوق ادا کریں، ان کے ساتھ آمرانہ برتاؤ نہ کریں ❊

سرمایہ داری اور انفرادی ملکیّت

بعض چیزیں ایسی تھیں، فطرتِ انسانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے جن کی آپؐ نے نہی و ممانعت نہیں فرمائی، لیکن نمونہ اور اُسوہ ایسا چھوڑا کہ صاف معلوم ہو جاتا ہے، آپؐ کا رجحان کیا تھا۔

غلامی!

غلامی کی آپؐ نے ممانعت نہیں فرمائی لیکن غلاموں کو اتنے حقوق دیئے، غلاموں کے ساتھ حسنِ سلوک کی ایسی تاکید کی کہ وُہ غلام نہ رہے رُکنِ خاندان بن گئے، وُہی کھانا کھائیں جو مالک کھاتا ہے، وُہی کپڑے پہنیں جو مالک پہنتا ہے۔ مغفرت کا بہترین وسیلہ غلاموں کو آزاد کرنا قرار دیا، نتیجہ یہ ہُوا کہ اسلام میں غلاموں نے وُہ منزلت حاصل کر لی کہ تختِ حکومت پر پہنچ گئے، سیاسیات میں دخیل ہوئے اور سیادت اُن کے حصّہ میں آئی۔

سرمایہ داری!

آپؐ نے اگرچہ سرمایہ داری پر کوئی پابندی نہیں عائد کی، ہر شخص کو حق دیا کہ وہ اپنی محنت سے جتنا چاہے کمائے لیکن کس طرح کمائے؟ اس پر پابندی عائد کردی، کمانے کے لئے یہ شرط رکھی کہ وہ آئینِ دیانت وامانت کے خلاف نہ ہو۔ اس طرح جو سرمایہ حاصل ہو، اسے بھی زکوٰۃ وصدقہ، خیرات اور دوسرے محاصل سے جکڑ دیا، اگر اسلام کی حکومت ہو، اور سرمایہ داری پر قطعاً کوئی پابندی نہ ہو، تو بھی اسلام کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کے بعد ناممکن ہے کہ اسلام میں کوئی فورڈ یا راک فیلر پیدا ہو سکے!

سُود کی ممانعت!

سرمایہ داری، اور نظامِ سرمایہ داری پر آپؐ نے جو سب سے بڑی ضرب لگائی وہ سُود لینے اور سُود دینے دونوں کی ممانعت ہے، دنیا کا سرمایہ دارانہ نظام، عہدِ جاہلیت میں بھی، اور موجودہ عقلی ارتقا کے دَور میں بھی، سُود ہی پر قائم رہا ہے، یہی وہ لعنت ہے جس سے غریب، غریب تر ہوتے ہیں، نانِ شبینہ کو محتاج ہو جاتے ہیں خودکشی پر، آبرو کا سودا کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، اور امیر امیر تر ہو جاتا ہے، اس کی کوٹھیاں بنتی ہیں، سامانِ تعیش فراہم ہوتا ہے، غریب کا خون خشک ہوتا ہے، اور امیر یہ خون چوس چوس کر اور زیادہ سرمایہ کماتا ہے، یہ بینک، یہ بیمہ کمپنیاں، یہ اسٹاک ایکسچینج، یہ بڑی بڑی تجارتی فرمیں صرف سُود کے مظاہر ہیں، آج اگر سُود کا خاتمہ کر دیا جائے تو ان ایوانوں میں خاک اڑنے لگے، داعیٔ اسلام نے اس حقیقت کو محسوس فرمایا

تھا۔انہوں نے شاخ نہیں کاٹی، جڑ پر حملہ کیا، اور سود دینے، اور لینے کی ممانعت کر کے حقیقت سرمایہ داری، اور نظامِ سرمایہ داری کا خاتمہ کر دیا۔

انفرادی ملکیّت!

رسول اللہؐ نے ایک غریب کی حیثیت سے زندگی بسر کی۔ایک فاتح کی حیثیت سے زندگی بسر کی، ایک بادشاہ سے زیادہ اختیار و اقتدار کے حامل ہوئے، لیکن زندگی کے کسی دور میں بھی آپؐ نے انفرادی ملکیّت نہ قائم کی، نہ اس کی حوصلہ افزائی کی۔

آپؐ نے جب اس دُنیا سے پردہ فرمایا تو اگرچہ سارا عرب آپؐ کے زیرِ نگیں تھا لیکن آپؐ کی متاع صرف ایک خچّر اور عام استعمال کے چند ہتھیار پر مشتمل تھی، اور ان میں بھی ایک زرہ تھی، جو چند سیر جَو پر ایک یہودی کے پاس رہن تھی۔

ہاں، آپؐ چند بیگھہ زمین کے بھی مالک تھے، لیکن نہ زندگی میں اسے خود استعمال کیا، نہ وفات کے بعد اپنے عیال کے لئے چھوڑ گئے، وُہ مسلمانوں کے لئے وقف تھی، کسی وارث کو، حتیٰ کہ آپؐ کی چہیتی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہرؓا تک کو آپؐ سے وراثت میں کچھ نہیں ملا۔

مرض الموت میں جو چند دینار حضرت عائشہؓ کے پاس رکھے ہوئے تھے، جب تک وُہ صدقہ نہ کرا لئے، آپؐ کو آرام نہ آیا۔ فرمایا "میں خدا کو کیا مُنہ دکھاؤں گا، کیا اس سے بدگمان ہو کر ملوں؟ عائشہؓ انہیں ابھی خیرات کر دو!"

کیا ان واقعات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپؐ سرمایہ داری کے مُخالف تھے،

شخصی ملکیّت کو، کوئی اہمیّت نہیں دیتے تھے۔

اس اسوہ حسنہ کی موجودگی میں، دُنیا کا سب سے بڑا مسئلہ — سرمایہ داری اور انفرادی ملکیّت — حل ہو سکتا ہے، حل ہو چکا ہے ؏

اسرار و حکم !

آنحضرتؐ کے دہن مُبارک سے، وحی الٰہی کے سوا بھی ایسے کلمات آبدار نکلا کرتے تھے، جو اسرار و حکم کا ایک بحرِ ناپیدا کنار ہیں۔

ایمان کی حلاوت !

ارشاد ہُوا :۔

تین باتیں ایسی ہیں جن میں ایمان کی حلاوت موجود ہوتی ہے :۔

۱۔ خدا، اور خدا کے رسولؐ کو سب سے زیادہ چاہے۔

۲۔ جس انسان سے محبّت کرے، وُہ صرف خدا کے لئے، غرض کا شائبہ نہ ہو۔

۳۔ کفر میں ملوّث ہونے کو ایسا بُرا جانتا ہو، جیسا آگ میں گر پڑنا۔

بندہ اور خدا !

فرمایا :۔

"اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ بندے اس کی عبادت کریں، اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں، بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ جب وُہ اللہ کا حق ادا کریں، تو وُہ انہیں عذاب نہ دے۔"

مسلمان کی شان!

ارشاد فرمایا:۔

"ایک مومن دُوسرے مومن کے لئے ایسا ہے جیسے بُنیاد کی اینٹیں کہ جن کو ایک دُوسری سے قوت ملتی ہے!"

والدین!

ایک شخص آنحضرتؐ کی خدمت میں آکر عرض پرداز ہوا "میں جہاد کرنا چاہتا ہوں" آپؐ نے پوچھا "تیرے ماں باپ زندہ ہیں؟" — اس نے جواب دیا "جی ہاں زندہ ہیں" فرمایا "ان کی خدمت کرو، (تمہارا) یہی جہاد ہے!"

عبادتِ نافلہ!

آپؐ نے ایک گھر میں رسّی لٹکتی دیکھی، دریافت فرمایا "یہ کیا ہے؟" لوگوں نے کہا "فلاں عورت نے لٹکا رکھی ہے! وُہ رات کو عبادت کرتے کرتے جب اونگھنے لگتی ہے تو اس سے لٹک جاتی ہے"، آپؐ نے فرمایا "اسے کھول ڈالو، عبادت (نافلہ) اس وقت تک کرو، کہ نشاطِ طبع قائم رہے!"

عبداللہ بن عمرو بن عاص!

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے آپؐ نے دریافت فرمایا:

"تم راتوں کو برابر جاگا (عبادت) کرتے ہو، اور دن کو روزے رکھتے ہو؟" عبداللہ نے کہا: "ہاں یا رسول اللہ!" آپؐ نے فرمایا: "اب ایسا نہ کرنا، روزہ رکھو، پھر چھوڑ دو، نماز بھی پڑھو، اور سوؤ بھی، تمہارے جسم کا تم پر حق ہے، تمہاری آنکھ کا تم پر حق ہے، تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے"!

قابلِ رشک!

فرمایا:-

قابلِ رشک دو شخص ہیں:-

۱۔ جسے خدا نے مال دیا، اور اس مال کو جائز جگہ صرف کرنے کی اسے توفیق ملی۔

۲۔ جسے خدا نے حکمت دی، اس حکمت پر وُہ خود بھی عمل کرتا ہے، اور دُوسروں کو بھی سکھاتا ہے۔

سکوت و کلام!

ارشاد فرمایا:-

"جو کوئی خدا اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے، اسے لازم ہے بات کہے تو اچھی کہے، ورنہ خاموش رہے"

کسبِ حلال!

ارشاد ہُوا:۔

"اگر کوئی شخص پیٹھ پر لکڑیوں کا گٹھا لا دا کرے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے، بہ نسبت اس کے کہ وُہ دوسروں سے سوال کرے۔"

فرق و امتیاز!

ارشاد ہُوا:۔

"اگر کسی ایسے شخص پر تمہاری نظر پڑے، جو مال اور حسن میں تم سے بڑھ کر ہو، تو ایسے شخص پر بھی نظر ڈال لیا کرو، جو ان چیزوں میں تم سے کمتر ہے۔"

اصلی طاقت!

فرمایا:۔

"شہ زور وُہ نہیں ہے جو دُوسروں کو پچھاڑ دیتا ہے، وُہ ہے جو غصّہ کے عالم میں اپنے آپ پر قابو رکھتا ہے۔"

تبلیغِ اسلام!

معاذ بن جبل، اور ابو موسیٰؓ کو، یمن میں آپؐ نے تعلیم و تبلیغِ اسلام کے لیے بھیجا چلتے وقت ہدایت کی:۔

"لوگوں کے ساتھ آسانی پسند کرنا، انہیں سختی میں نہ ڈالنا، خوش خبری، اور بشارت سنانا، دین سے نفرت نہ دلانا، اور تم لوگ آپس میں مِل جُل کر رہنا۔"

جنّت کی خُوشبُو!

ارشاد فرمایا :۔

"اگر کوئی مُسلمان، کسی غیر مسلم معاہد کو قتل کرے گا، تو وُہ جنّت کی خوشبو بھی نہیں سونگھنے پائے گا، حالانکہ جنّت کی خوشبو چالیس۴۰ سال کی مُسافت سے آنے لگتی ہے!"

زندگی کی قدر!

فرمایا :۔

"کسی مسلمان کو موت کی آرزو نہیں کرنی چاہیئے، اگر نیک ہے تو اس لیئے کہ شاید وُہ اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کا اہل بن سکے!"

صحت اور دولت!

ارشاد ہُوا :۔

"دو نعمتیں ہیں جن کی قدر اکثر لوگ نہیں پہچانتے،

۱۔ صحت ۔۲۔ دولت

عورت اور گھر!

فرمایا :۔

"عورت اپنے شوہر کے گھر میں اولاد پر حکمران ہے!"

وراثت!

ارشاد ہُوا :۔

"بہتر ہے، کہ تم اپنے ورثاء کے لئے کچھ چھوڑ کر، سفرِ آخرت اختیار کرو، بہ نسبت
اس کے کہ وُہ تہی دست ہوں اور لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز کریں۔"

رحم کی فضیلت!

فرمایا:۔

"جو دُوسرے پر رحم نہیں کرتا خُود اُس پر بھی رحم نہیں کیا جائے گا۔"

دولت، کی تعریف!

فرمایا:۔

"دولت مندی مال و زر کی کثرت سے نہیں حاصل ہوتی، غنی وُہ ہے جس
دل غنی ہے۔"

مساوات!

فرمایا:۔

"عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، گورے کو کالے پر، اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت
نہیں، فضیلت کا معیار تو صرف "تقویٰ" ہے۔"

فصاحت و بلاغت اور خطابت

سنہ ۱۰ھ میں مسیلمہ کذاب نے، آنحضرتؐ کو حسب ذیل خط لکھا:-

"خدا کے رسول مسیلمہ کی طرف سے، خدا کے رسول محمدؐ کے نام، واضح ہو کہ نصف زمین ہماری، اور نصف قریش کی ہے، مگر قریش انصاف نہیں کرتے، آپ پر سلام ہو!"

آپؐ نے جواب دیا:-

"اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے، خدا کے نبی محمدؐ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام! واضح ہو کہ زمین خدا کی ہے، وہ اپنے بندوں سے جسے چاہتا ہے وارث بناتا ہے، اور اچھا انجام صرف خدا ترس لوگوں کے لئے ہے، اس پر سلام، جو ہدایت کی پیروی کرتا ہو۔"

غمِ فرزند!

آپؐ کے فرزند حضرت ابراہیمؑ عہدِ طفلی میں انتقال کر گئے، جب انہیں قبر میں رکھا گیا تو آپؐ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، آپؐ نے فرمایا:۔

تدمع العین ویحزن القلب ولا	آنکھ پُرنم ہے، دل سراپا الم ہے، ہم وہی
نقول الا مایرضی ربنا وانا علیک	بات کہتے ہیں جو ہمارے رب کو پسند ہے
یا ابراھیم محزونون!	اے ابراہیمؑ! ہم تیرے غم میں محزون ہیں

کمالِ خطابت و بلاغت!

جنگِ حنین کے بعد جب آپؐ نے مالِ غنیمت تقسیم کیا تو مکّہ والوں کے حصّہ میں زیادہ آیا، اس لئے کہ وُہ جدید الاسلام تھے، اور آپؐ کو ان کی تالیفِ قلب منظور تھی بعض انصارؓ کو اس سے صدمہ ہوا، انہوں نے کہا "رسول اللہ نے قریش کو انعام دیا اور ہم کو محروم رکھا، حالانکہ ہماری تلواروں سے اب تک خون کے قطرے ٹپکتے ہیں"، بعض نے کہا "مشکلات میں ہماری یاد ہوتی ہے، اور غنیمت دُوسروں کو ملتی ہے"۔

حضورؐ نے یہ چرچے سُنے تو انصارؓ کو طلب فرمایا، آپؐ نے انصارؓ کی طرف خطاب کر کے کہا: "کیا تم نے ایسا کہا؟" لوگوں نے عرض کیا: "ہمارے سربرآوردہ لوگوں میں سے کسی نے نہیں کہا، چند نوجوانوں نے یہ بات ضرور کہی!"

پھر آپؐ نے ایک خطبہ دیا، جو خطابت اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ ہے، آپؐ نے انصار سے مخاطب ہو کر کہا:

"کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم پہلے گمراہ تھے، مگر خدا نے میرے ذریعہ تم کو ہدایت بخشی؛ تم منتشر اور پراگندہ تھے، خدا نے میرے ذریعہ تم میں اتفاق پیدا کیا؛ تم مفلس تھے خدا نے میرے ذریعہ تمہیں دولت مند بنایا؟"

آپؐ یہ فرماتے جاتے تھے، اور ہر ہر فقرہ پر انصارؓ کہتے جاتے تھے،

"خدا اور رسولؐ کا احسان سب سے بڑھ کر ہے"

آپؐ نے فرمایا:

"نہیں، تم یہ جواب دو کہ اے محمدؐ، جب لوگوں نے تجھے جھٹلایا، تو ہم نے تیری تصدیق کی، جب لوگوں نے تجھے چھوڑ دیا تو ہم نے تجھے پناہ دی، تو مفلس آیا تو ہم نے ہر طرح تیری مدد کی"

پھر آپؐ نے فرمایا:

"تم یہ جواب دیتے جاؤ، اور میں کہتا جاؤں گا کہ ہاں تم سچ کہتے ہو لیکن اے انصارؓ کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم محمدؐ کو لے کر اپنے گھر آؤ"

انصارؓ بے تحاشہ چیخ اُٹھے،

"ہمیں کچھ نہیں چاہیئے، ہمیں صرف خدا کا رسولؐ درکار ہے"

انصارؓ کا وفورِ تاثر سے یہ حال تھا کہ بہتوں کی روتے روتے داڑھیاں تر ہو گئیں

پھر آپؐ نے نرمی سے سمجھایا کہ مکّہ کے لوگ نومسلم ہیں، میں نے انہیں جو کچھ دیا، حق کی بنا

پر نہیں، محض تالیفِ قلب کے لیئے۔

زبان دانی!

آپؐ تمام قبائلِ عرب کی زبانیں اختلافِ لب ولہجہ، اور تلفّظ کے ساتھ جانتے تھے، ہر قبیلہ کے لوگوں سے انہی کی زبان میں خطاب فرماتے تھے، جو فقرہ منہ سے نکلتا تھا، وُہ ایسا جامع اور پُر مغز ہوتا تھا، کہ سارے ملک میں مشہور ہو جاتا تھا، چھوٹے چھوٹے بامعنی، پُراثر، سحر انگیز جملے، یہ تھی آپؐ کی زبان، یہی وجہ ہے کہ آپؐ کی فصاحت و بلاغت کے آگے عہدِ جاہلیّت کے مشہور زبان دانوں اور شاعروں کے کارنامے بھی ماند پڑ گئے

روادارى!

سرکارِ دوعالمؐ اگرچہ مذہبِ حقّہ اسلام کے داعی تھے، لیکن نامسلموں کے ساتھ بھی آپؐ لطف و مراعات فرماتے رہتے تھے، جبر و جور سے دین کی تبدیلی کو سخت ناپسند کرتے تھے، دُوسروں کے عقائد و خیالات کا لحاظ رکھتے تھے، اور حتی الامکان ان کی دلشکنی نہیں ہونے دیتے تھے، انہیں زیادہ سے زیادہ سہولتیں اور آسانیاں بہم پہنچاتے تھے۔

وفدِ نجران!

نجران کے عیسائیوں کا وفد (سنہ ۹ھ) جب آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر مطیع ہُوا تو آپؐ نے نجران کے عیسائیوں پر جزیہ مقرر فرما دیا، اور باقاعدہ ایک عہد نامہ لکھوا کر انہیں مرحمت فرمایا، اس معاہدہ کا ایک بہت ہی اہم اور یادگار حصّہ یہ ہے:۔

"نجران والوں کو خدا، اور محمدؐ رسول اللہ کی حفاظت حاصل ہو گی، جان اور مذہب، زمین اور جائداد، ان سب کو جو حاضر ہیں یا غائب ہیں،

صاحبِ قبیلہ ہیں یا اتباع کرنے والے ہیں، ان کی حالت میں، اور حقوق میں کوئی تغیر نہیں کیا جائے گا، اور جو کچھ کم یا زیادہ ان کے قبضہ میں ہے اسے نہ بدلا جائے گا، پچھلے زمانہ کے شبہات یا قتل کے جھگڑے ان پر نہ چلائے جائیں گے، وُہ بیگار میں نہ پکڑے جائیں گے نہ ان سے عشر لیا جائے گا، نہ ان کے علاقہ سے (اسلامی) فوج عبور کرے گی!"

اس رواداری کا نتیجہ یہ ہوا کہ نجران کے بہت سے لوگ جن میں اسقف او[ر] بشپ، اور پادری بھی تھے، بہ رضا و رغبت بغیر کسی تحریک کے خود بخود مسلمان ہو گئے

مسجد اور عیسائی!

اس وفد کے واقعہ کے کچھ عرصہ بعد، نجران کا اسقف ابوالحارث جس کا [...] تک احترام کرتا تھا، اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا [...] یہ لوگ مسجدِ نبوی میں حاضر ہوئے، تو ان کی نماز کا وقت آگیا، آنحضرتؐ نے انہیں مسجدِ نبو[ی] میں، عبادت کرنے کی اجازت دے دی، بعض مسلمانوں نے انہیں روکنا چاہا، مگر حضورؐ نے منع فرما دیا۔

یہودیوں کی شرارت!

یہودیوں کا معمول تھا کہ وُہ آنحضرتؐ کو دیکھتے تو "السّام علیکم" کہتے، جس کے معنی یہ ہیں کہ "تجھے موت آئے"! ایک دفعہ یہ واقعہ حضرت عائشہؓ کے سامنے ہوا [...]

کو سخت غصہ آیا، اور بے اختیار ہو کر بول اٹھیں "کم بختو، تمہیں موت آئے"! آنحضرتؐ نے فرمایا "عائشہؓ نرمی سے کام لو"!

بیعتِ رضوان!

بیعتِ رضوان اور صلحِ حدیبیہ (۶ھ) کے موقع پر سہیل بن عمرو، کافروں کی طرف سے آپؐ کی خدمت میں شرائطِ صلح طے کرنے کے لئے حاضر ہوا، آخر کار چند شرائط پر اتفاق ہو گیا۔ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو بلا کر حکم دیا، کہ معاہدہ کے الفاظ قلمبند کریں، حضرت علیؓ نے عنوان پر "بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" لکھا، سہیل بن عمرو نے اعتراض کیا، اور کہا، وہی قدیم الفاظ لکھے جائیں، آپؐ نے منظور فرما لیا، پھر حضرت علیؓ نے کہا "یہ وُہ معاہدہ ہے جو محمدؐ رسول اللہ نے تسلیم کیا"! سہیل نے کہا "اگر ہم آپؐ کو نبی تسلیم کرتے ہوتے تو جھگڑا ہی کیا تھا؟ آپؐ صرف اپنا اور اپنے والد کا نام لکھوائیں" آنحضرتؐ نے فرمایا "اگرچہ تم تکذیب کرتے ہو، لیکن بخدا میں پیغمبر ہوں"! پھر آپؐ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا "خالی میرا نام لکھو"! حضرت علیؓ نے باہمہ اطاعت گزاری و فرمانبرداری فرمایا "میں ہرگز آپؐ کا نام نہ مٹاؤں گا"! آپؐ نے فرمایا "اچھا مجھ کو دکھاؤ میرا نام کہاں ہے"؟ حضرت علیؓ نے اس جگہ انگلی رکھ دی، آپؐ نے انگشتِ مبارک سے رسول اللہ کا لفظ مٹا دیا!

اسیرانِ جنگ سے برتاؤ!

جنگِ بدر کے قیدیوں کے لئے آپؐ نے لباس کا انتظام فرمایا، قیدیوں کو

متفرق صحابہ کے سپرد کیا کہ وُہ انہیں اپنے ساتھ آرام سے رکھیں، بعض مُفلس صحابہ آنحضرتؐ کے اس فرمان سے متاثر ہو کر ان قیدیوں کو اپنا کھانا کھِلا دیتے تھے، اور خود فاقہ سے گزار لیتے تھے۔

مشرکین کے ایک سرآوردہ شخص ابوعزیز کا بیان ہے کہ "میں جس انصاری کے حوالہ کیا گیا وُہ روٹی تو مجھے کھِلا دیتے تھے، اور خود کھجوریں کھا کر بسر کرتے تھے، میں شرما کر روٹی ان کے سامنے رکھ دیتا تو وُہ اس کو چھُوتے بھی نہیں تھے!"

کیا آج کی ترقی یافتہ دنیا بھی اسیرانِ جنگ کے ساتھ یہ سلوک کرتی ہے؟ جاپان جرمنی، روس، برطانیہ، امریکہ، چین، سب کے "روشن کارنامے" اس سلسلہ میں دُوسری جنگِ عظیم طشت از بام کر چکی ہے۔

غُلام اور غُلامی!

غلامی کا رواج دُنیا میں بہت قدیم ہے، ہر زمانہ اور ہر دَور میں غلامی موجُود رہی ہے، پہلے اسیرانِ جنگ غلام بنائے جاتے تھے، اب غیر متحارب اور امن پسند ملک غلام بنا لئے جاتے ہیں، غلامی ایک ناگزیر برائی تھی، اس لئے آپؐ نے غلامی کو ممنُوع تو نہیں فرمایا، لیکن غلامی کو ایسی شرطوں سے جکڑ دیا، اور غلاموں کو اتنے حقوق مرحمت فرمائے کہ غلام غلام نہ رہے، خاندان اور عائلہ کے جزو بن گئے۔

داعیِ اسلام کے ان فرمودات کا اثر یہ ہوا کہ غلام ان تمام حقوق سے بہرہ مند ہونے لگے، جو ایک آزاد مُسلمان کو حاصل ہو سکتے ہیں، خود آپؐ نے غلاموں کی زیادہ سے زیادہ عزّت افزائی کی، آپؐ کی ازواجِ مطہراتؓ میں ایسی بھی تھیں، جو کنیز تھیں لیکن آزاد کی گئیں، اور فخرِ کائنات کے حبالۂ عقد میں آئیں۔

زیدؓ بن حارثہ!

حضرت حارثؓ بن عمیر کا قصاص لینے کے لئے جنہیں شرجبیل نے دشہید قتل کر دیا تھا، آپؐ نے تین ہزار کی فوج تیار کر کے شام کی طرف روانہ کی، اس فوج کے سپہ سالار حضرت زیدؓ بن حارثہ تھے، جو آپؐ کے غلام تھے، لیکن جنہیں آپؐ نے آزاد کر دیا تھا، وقتِ رخصت آپؐ نے فرمایا: "اگر زید جامِ شہادت نوش کریں، حضرت جعفرؓ طیار اور وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہؓ بن رواحہ فوج کے سردار ہوں"، حضرت جعفرؓ، حضرت علیؓ کے بھائی، حضرت عبداللہؓ بن رواحہ معزز انصاری تھے، لیکن ان کے ہوتے ہوئے آپؐ نے حضرت زیدؓ کو سرداری کا تمغہ عنایت فرمایا، لیکن کیا ایسے غلام دنیا نے کہیں دیکھے ہیں؟

پھر یاد رہے، یہی وہ زیدؓ ہیں، جن سے آپؐ نے حضرت زینبؓ کی شادی، روایاتِ خاندانی اور عالی نسبی کو پسِ پشت ڈال کر فرمائی تھی۔

حسنِ سلوک کی وصیت!

خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر بھی آپؐ نے غلاموں کو فراموش نہ فرمایا، کہا:

"غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، جو خود کھانا وہی ان کو کھلانا، جو خود پہنو، وہی ان کو پہنانا، ان سے کوئی خطا ہو تو درگزر کرنا، یا ان کو جدا کر دینا، وہ بھی اللہ ہی کے بندے ہیں، ان پر سختی روا نہ رکھنا"

اسامہؓ بن زید!

مرض الموت سے چند روز پہلے آپؐ نے رومیوں پر حملہ کرنے کے لئے ایک فوج مرتب کی تھی، فوج میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابی ــــ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، ابوعبیدہؓ، سعدؓ، سعیدؓ، قتادہؓ بن نعمان وغیرہ ــــ بطور صحابی کے داخل تھے، اس فوج کی سپہ سالاری آپؐ نے اسامہؓ کے سپرد کی تھی، یہ حضرت زیدؓ بن حارثہ کے نوعمر صاحبزادے تھے، سن صرف ۱۸ سال کا تھا، اس واقعہ پر عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی نے نکتہ چینی کی، کہ معزز مہاجرین و انصار پر، ایک کم سن لڑکے کو افسر بنا دیا گیا۔

فوج کی روانگی میں کچھ تاخیر ہوئی، آپؐ مرض الموت میں مبتلا ہو چکے تھے، اسی حالت میں مسجد میں تشریف لائے، اور ممبر پر بیٹھ کر خطبہ دیا:۔

"لوگو! اسامہؓ کی فوج روانہ کر دو، مجھے معلوم ہوا ہے، تم اسامہؓ کے بارے میں نکتہ چینی کرتے اور اس کی سرداری پر معترض ہو، خدا کی قسم، اگر تم اس کی سرداری میں کلام کرتے ہو، تو اس کے باپ کی سرداری میں بھی کلام کر چکے ہو، حالانکہ وُہ بھی امارت کا اہل تھا، اور میرے محبوب ترین لوگوں میں سے تھا۔ اور یہ (اسامہؓ) بھی اس کا اہل ہے، اور اپنے باپ کے بعد، میرے سب سے زیادہ محبوب لوگوں میں سے ہے، اے لوگو! میں تمہیں اسامہؓ سے اچھے سلوک کی وصیت کرتا ہوں، کیونکہ وُہ تمہارے اچھوں میں سے ہے!"

غلاموں کی یاد!

مرض الموت میں بھی آپؐ کو غلاموں کا بہت خیال رہتا تھا، مرض کی شدت تھی بخار اُترنے کا نام نہیں لیتا تھا، بار بار آپؐ پر غشی کے دورے پڑتے تھے، ایک مرتبہ دیر تک بیہوش رہے، پھر آنکھیں کھولیں، اور فرمایا:۔

اللہ اللہ فیما ملکت ایمانکم!

پھر فرمایا:۔

"اپنے غلاموں کے معاملہ میں خدا سے ڈرتے رہو، ان کا جسم کپڑے سے ڈھکو، پیٹ کھانے سے بھرو، اور ان سے نرم زبان سے بولو!"

کیا غلاموں کے ساتھ اس حسنِ سلوک کی مثال کسی دوسرے مذہب میں مل سکتی ہے؟

مسئلہ جانشینی!

اسلام ایک جمہوری مذہب ہے، لیکن جمہوریت کی بہت سی شاخیں ہیں، ان میں کسی کی تعیین وترجیح داعیٔ اسلام نے نہیں کی، آپؐ مرض الموت میں مبتلا تھے، وفات سے پیشتر آپؐ کو اطلاع مل چکی تھی، کہ اب دُنیا سے کنارہ ہونے والا ہے، اور رفیقِ اعلیٰ سے ملاقات کا وقت آرہا ہے، خطبہ حجۃ الوداع میں آپؐ نے صاف صاف اشارہ کردیا تھا، الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی" سے بھی یہی اشارہ مل چکا تھا، پھر بھی آپؐ نے کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا۔

سکوت کی مصلحت!

آپؐ اُمت پر کسی کو مسلّط کرنا نہیں چاہتے تھے اب نبوّت ختم ہوچکی تھی، سیادت اور امارت کی باری تھی، اور امت کو پوری اجازت تھی کہ وہ امارت وسیادت کا نظم جس طرح چاہے مرتب کرے، اور جسے چاہے اپنا امیر اور سردار بنائے۔ شرط صرف یہ

تھی کہ اسلام کے بُنیادی اصولوں سے انحراف نہ ہو، یعنی شوریٰ کو نظر انداز نہ کیا جائے شوریٰ کے بعد، جو صورت بھی مناسب سمجھے امت اختیار کر لے، چنانچہ یہی ہوا، اور امّت نے آپؐ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ کو اپنا سردار بنا لیا۔

حضرت ابوبکرؓ کی طرف رُجحان!

آپؐ نے اگرچہ کھُلے لفظوں میں کبھی یہ نہیں ظاہر فرمایا کہ حضرت ابوبکرؓ آپؐ کے جانشین ہوں گے، لیکن آپؐ کا رُجحان حضرت ابوبکرؓ ہی کی طرف تھا، جب آپؐ کی علالت اور نقاہت بہت بڑھ گئی تو جس کو آپؐ نے امامت کے لئے منتخب فرمایا، کیا وُہ حضرت ابوبکرؓ کے سوا کوئی دُوسری ہستی تھے۔

اور بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ آنحضرتؐ کی جانشینی کا کٹھن کام حضرت ابوبکرؓ سے بہتر کوئی اور شخص مسلمانوں میں انجام دے ہی نہیں سکتا تھا۔

طرزِ حکومت!

طرزِ حکومت کے بارے میں قرآن بھی ساکت ہے، اور اس سلسلہ میں سرورِ کائنات نے بھی کوئی مفصّل دستور و آئین نہیں منضبط فرمایا تھا، اس کی مصلحت اور عِلّت بھی یہ تھی کہ اسلام ابدی ہے، اسلام کی بُنیادی تعلیمات ابدی ہیں، لیکن ضروریات ہنگامی اور وقتی ہیں، اور ان ہنگامی اور وقتی ضروریات کے مطابق مسلمانوں کو حق ہے کہ کتاب و سُنّت کی روشنی میں اسلام کی بُنیادی تعلیمات کے پیشِ نظر، وقت اور حالات کو سامنے رکھ کر جو طرزِ حکومت بھی چاہیں اختیار کریں۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں، آنحضرتؐ کے بعد، حضرت ابوبکرؓ کو جمہور مسلمین نے منتخب کیا، لیکن حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ کو نامزد کر گئے۔ حضرت عمرؓ نے چار آدمیوں کا "پینل" بنا دیا، اور حضرت علیؓ نے وہی طریقہ روا رکھا، جو رسول اللہؐ نے روا رکھا تھا، یعنی بالکل سکوت اختیار فرمایا، اور جانشینی کے لئے کسی کو بھی نامزد نہیں فرمایا بلکہ بعض لوگوں نے جب اس پر اصرار کیا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔

مُلاحظات!

آنحضرتؐ کی حیاتِ گرامی کے تین پہلو ہماری نظر سے گزر چکے۔

۱۔ بہ حیثیت اِنسان کے

۲۔ بہ حیثیت نبی کے

۳۔ بہ حیثیت مفکّر اور حکیم کے

اِنسان اور نبی کی حیثیت سے ہم آپؐ کے سراپائے جمال پر ایک نظر ڈال چکے ہیں
اب مُفکّر اور حکیم کی حیثیت سے آپؐ کی حیاتِ طیّبہ کے مختلف گوشوں پر ہم نے نظر ڈالی ہے
نبی کے لئے مُفکّر اور حکیم ہونا بہت ضروری ہوتا ہے، ضروری ہے، کہ وہ
ماہرِ نفسیات ہو، اِنسانی عقول و اذہان اور طبائع اور رُجحان کی نبض پر اس کا ہاتھ ہو
وُہ اپنے مقدّس مشن میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ وُہ شک و ارتیاب کے کانٹوں کو
نکال سکتا، وُہ ظن و تخمین کے وسوسوں کو دُور نہیں کر سکتا، وُہ اِنسان کی فطرت کے

مُوافق، اس کی صلاحیّت اور استعداد کے مطابق اس کی رہنمائی نہیں کرسکتا، وُہ حکمت و مصلحت سے کام لے کر، بھٹکے ہوئے انسان کو راہِ راست پر نہیں لاسکتا۔

اس اعتبار سے اگر ہم نبی اکرمؐ کے حالاتِ زندگی کا تجزیہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا، کہ مُفکّر اور حکیم کی حیثیت سے بھی آپؐ کا پایہ بہت بلند، سب سے اُونچا تھا، صلح حدیبیہ کے موقع پر، آپؐ نے جس طرح کفّار کی باتیں مانیں۔ اس نے مسلمانوں کے قلب کو مجروح کر دیا لیکن جلد ہی معلوم ہو گیا کہ یہ صلح جو بظاہر احوال دب کر کی گئی تھی، درحقیقت اسلام کی غیر معمولی وسعت اور مقبولیت کا سبب بنی، نجران کے عیسائیوں کے ساتھ، آپؐ نے جس لطف و رعایت کا برتاؤ فرمایا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیوں کا اسقفِ اعظم تک مُسلمان ہوگیا، ایک قبیلہ کی استدعا پر آپؐ نے اسے جہاد اور زکوٰۃ کی پابندیوں سے مستثنیٰ کر دیا، لیکن نماز کی پابندی قائم رکھی، نتیجہ یہ ہوا، کہ نماز کی برکت سے وُہ خود جہاد اور زکوٰۃ پر مائل ہوگیا، یہ آپؐ کی حکمت و مصلحت ہی تھی، جس نے بڑے بڑے سرکشوں کو مطیع و منقاد بنا دیا، بڑے بڑے باغیوں کو سمع و طاعت کا خوگر کر دیا، بڑے بڑے دشمنوں کو جاں نثار اور فِدا کار کر دیا۔

غرض اس اعتبار سے بھی آپؐ کا پلّہ سب پر بھاری اور سب سے اونچا تھا!

مُجاہد کی حیثیّت سے

جہاد

خصوصیات اور شرائط!

جہاد ــــــــــ کتنا ہولناک لفظ ہے! جہاد کا نام سنتے ہی مسلمانوں کی سفّاکی خون آشامی اور درندگی اور بہیمیت، بربریت اور شقاوت کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے، یہی وُہ لفظ ہے، جس سے آج بھی یورپ چونکتا اور ہمسایہ حکومتیں لرزتی ہیں یہی وُہ چیز ہے، جس کے بھیانک اور لرزہ خیز مرقعے مسیحی، اور غیر مسیحی مورخین نے داستان گو کی طرح کھینچے ہیں، لیکن کیا یہ سب باتیں واقعات اور حقائق پر مبنی ہیں؟ تاریخ اور صداقت کا جواب نفی میں ہے۔

اسلام کا جہاد!

اسلام کا جہاد حروب صلیبیہ اور دوسری دُنیاوی جنگوں سے قطعاً مختلف ہے

اسلام کے جہاد کا مقصد حبِّ جاہ، طلبِ دنیا، حصولِ سیم و زر نہیں ہے، یہ صرف جاں سپاروں کے لئے ہے، یہ صرف اس لئے ہے کہ خدا کا بول بالا ہو، مظلوم کی اعانت ہو، حق کی نصرت ہو، حق کی تائید کی جائے، ظلم، عدوان اور فتنہ کا خاتمہ کیا جائے امن، امان اور سکون کی سلطانی قائم کی جائے۔ جارحانہ حملوں کی مدافعت کی جائے اور ملک گیری کی ہوس کے سامنے سدِ سکندری بن کر کھڑا ہو جائے، قرآن میں ہے:

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق ان لا یقولوا ربنا اللہ!

جن لوگوں سے لوگ برسرِ جنگ ہوتے ہیں انہیں اس بنا پر جنگ کرنے کی اجازت دی گئی کہ وہ مظلوم ہیں اور خدا ان کی مدد پر قادر ہے، وہ لوگ جو اپنے گھروں سے ناحق اس لئے نکال دیئے گئے کہ وہ کہتے تھے ہمارا پروردگار خدا ہے!

حدیث میں مروی ہے:۔

من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا

جو شخص اس لیے لڑتا ہے کہ خدا کا بول بالا ہو

جہاد کی حالت میں بھی بار بار خدا کو یاد کرنے یعنی دنیا سے رُوگرداں ہو کر خدا سے لو لگانے، نماز با جماعت ادا کرنے یعنی جنگ و پیکار صرف خدا کے لئے کرنے کی ہدایت کی گئی، بار بار رسول اللہؐ نے یہ فرمایا کہ جو شخص حصولِ زر اور مالِ غنیمت کے لئے جہاد کرتا ہے اس کا جہاد مقبول نہیں۔

جہاد پر پابندیاں!

عربوں میں اور صرف عربوں ہی میں نہیں، وقت کی تمام ملّتوں اور قوموں میں یہ دستور تھا اور انسانیت کے اس دورِ ارتقا میں بھی مہذّب اور متمدن قوموں کے ہاں یہ دستور جاری ہے، کہ اسیرانِ جنگ کو قتل کر دیتے تھے، ان کے ساتھ چھوٹے چھوٹے بچوں اور عورتوں کو بھی ہلاک کر دیتے تھے، کبھی کبھی آگ میں جلا دیتے تھے، غفلت یا نیند کے عالم میں دفعتہً جاپڑتے تھے، اور شبخون مار کر دشمن کو تہس نہس کر دیتے تھے، بچوں کو ہدفِ سہام (تیروں کا نشانہ) بنا دیتے تھے، ہاتھ پاؤں اور دُوسرے اعضاء کاٹ کر چھوڑ دیتے تھے، اور آدمی بڑی دیر میں تڑپ تڑپ کر ہلاک ہو جاتا تھا، مرنے کے بعد بھی جوشِ انتقام ٹھنڈا نہیں پڑتا تھا، اور مثلہ کرتے تھے، حاملہ عورتوں کا پیٹ تک چاک کر ڈالنے سے دریغ نہیں کرتے تھے، مُردوں کی کھوپڑیوں کو کاسۂ صہبا بنا کر مزے سے شراب پیتے تھے۔

لیکن داعیِ اسلام علیہ التحیۃ والسلام نے ان تمام ننگِ انسانیت چیزوں کو سخت سے سخت جنگ اور دشمنی کی حالت میں بھی ناجائز اور ممنوع ٹھہرا دیا، اچانک حملہ صرف ان کو ہ نشینوں کے لئے جائز قرار پایا جو کھل کر میدان میں نہیں آتے تھے، اور چھاپہ مار لڑائی لڑتے تھے، یا لشکرِ اسلام کی خبر سُنتے ہی اِدھر اُدھر نکل جاتے تھے۔

سنہ ۱۰ھ میں آپؐ نے حضرت علیؓ کو یمن بھیجا تو تاکید فرما دی،

"جب تم وہاں پہنچ جاؤ تو جب تک تم پر کوئی حملہ نہ کرے،

تم نہ لڑنا!"

ممنوعات!

داعیِ اسلام نے، اسلام کے مجاہدوں اور سُورماؤں کو ہدایت فرما دی کہ وُہ کبھی عالتِ جنگ میں بھی، عورتوں کو قتل نہ کریں، بوڑھوں کو ہلاک نہ کریں، بچّوں پر ہاتھ نہ اٹھائیں، نوکروں اور خادموں کی جان نہ لیں، جب کبھی مہم پر فوج بھیجی جاتی تو سالارِ عسکر کو جو ہدایات دیئے جاتے تھے، ان میں ایک لازمی دفعہ یہ بھی ہوتی تھی کہ عورتوں، بچّوں، بوڑھوں کو ہلاک نہ کریں، اسی طرح سر سبز درختوں کے کاٹنے کی ممانعت فرمائی، لہلہاتے ہوئے کھیتوں کو پامال کرنے سے منع فرمایا، عہدِ جاہلیّت میں دشمن کو تیروں کا نشانہ بنا کر ہلاک کر دیا جاتا، آپؐ نے اس سے سختی کے ساتھ منع کیا۔ ایک دفعہ عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید نے کچھ آدمیوں کو گرفتار کر کے یہی حرکت کی، حضرت ابو ایوب انصاری نے سخت سرزنش کی، کہا: "رسولِ اللہ اس سے منع فرماتے تھے!" حضرت عبدالرحمٰن نے کفّارہ کے طور پر چار غلاموں کو آزاد کیا، اور توبہ کی، جنگ اور ایفائے عہد، دو متضاد چیزیں ہیں، لیکن آپؐ نے سختی کے ساتھ ہدایت فرمائی کہ عہد کی پابندی جنگ کے عالم میں بھی پُوری شدّت سے کی جائے۔ ابو رافع قریش کے قاصد بن کر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، یہاں کا رنگ دیکھ کر صدقِ دل سے مسلمان ہو گئے، اور کہا "اب میں کافروں میں واپس نہ جاؤں گا،" آپؐ نے فرمایا "نہیں، قاصد کا روک لینا عہد شکنی ہے، تم جاؤ، پھر واپس آ جاؤ" حضرت ابو جندل کافروں کی قید سے کسی طرح بھاگ کر خدمتِ نبویؐ میں پا بجولاں پہنچے، بدن کے داغ دکھائے، یہ قریش کی ایذا رسانیوں کا زبردست ثبوت تھا، مسلمان

انہیں دیکھ کر بے تاب ہو گئے، حضرت عمرؓ نے قرار کا دامن چھوڑ دیا، حضرت ابوبکرؓ نے بار بار سفارش کی، لیکن آنحضرتؐ نے انہیں پھر مکہ واپس بھیج دیا، محض اس لیئے کہ آپؐ کافروں سے عہد (صلح حدیبیہ ۶ھ) کر چکے تھے، کہ مکہ سے جو مسلمان مدینہ بھاگ آئیگا، ہم اسے واپس کر دیں گے، کیا پابندیِ عہد کی ایسی مثال دنیا کی تاریخ آج تک پیش کر سکی ہے؟

اسیرانِ جنگ کے ساتھ آپؐ نہایت عمدہ برتاؤ فرماتے تھے، انہیں لباس دیتے تھے، اچھے سے اچھا کھانا کھلاتے تھے۔

لُوٹ مار کی مُمانعت!

لُوٹ مار کی بہ حالتِ جنگ بھی داعیِ اسلام نے اجازت نہیں دی، حضرت معاذؓ بن انس کی روایت ہے کہ "میں فلاں غزوہ میں آپؐ کے ساتھ تھا (ہمارے) لوگوں نے دُوسروں (دشمن) کے پڑاؤ پر جا کر، انہیں تنگ کیا، اور لوٹا مارا، آپؐ نے منادی کرائی "جو دُوسروں کو تنگ کرے گا، یا لُوٹے مارے گا، اس کا جہاد بارگاہِ خداوندی میں قبول نہیں ہو گا۔"

رسد ختم ہو جانے اور مُبتلائے فقر و فاقہ ہونے کے بعد بھی، جنگ کے دوران میں آپؐ لوٹ مار کو سخت ناپسند فرماتے تھے، ایک انصاری کی روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم لوگ ایک مہم پر گئے، اور غایت تنگ حالی اور مصیبت میں گرفتار ہو گئے، اتفاق سے بکریوں کا ایک گلہ نظر آیا، ہم سب ٹوٹ پڑے، اور بکریاں لوٹ لیں، آنحضرتؐ

کو اطلاع ہوئی، آپؐ موقع واردات پر تشریف لائے، وہاں گوشت پک رہا تھا، اور ہانڈیاں اُبال کھا رہی تھیں، آپؐ کے دستِ مبارک میں ایک کمان تھی۔ آپؐ نے اس سے ہانڈیاں اُلٹ دیں، سارا گوشت خاک میں مل گیا، پھر آپؐ نے فرمایا "لوٹ کا مال مردار گوشت کے برابر ہے۔"

یہ تھا وہ جہاد، جسے اسلام اور داعیٔ اسلام نے جائز قرار دیا تھا، اور یہ ہے وہ جہاد جسے متعصب مؤرخین نے اپنے عناد کے سبب نہایت غلط رنگ میں پیش کیا ہے۔

تہوّر و شجاعت!

آنحضرتؐ صرف جہاد کا حکم ہی نہیں دیتے تھے، خود بھی جہاد میں شروع سے آخر تک شریک رہتے تھے، آپؐ کی شجاعت مسلّم تھی سخت لڑائیوں میں جہاں بڑے بڑے بہادروں کے پاؤں اکھڑ گئے، آپؐ ثابت قدم رہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں، جب معرکہ سخت ہوتا تھا، تو ہم لوگ آنحضرتؐ کے پیچھے جا کر پناہ لیتے تھے، دشمنوں سے زیادہ قریب آپؐ ہی ہوتے تھے۔ مدینے میں ایک رات دہشت چھائی ہوئی تھی کہ غسانی بادشاہ حملہ کے لئے آ گیا، آپؐ نے گھوڑے کی برہنہ پشت پر سوار ہو کر شہر کا چکر لگایا، اور آ کر لوگوں کو مطمئن کیا کہ کوئی خطرہ نہیں ہے۔

جنگِ اُحد میں آپؐ زخمی ہو گئے، اور بعض بڑے صحابہ ثابت قدم نہ رہ سکے، آپؐ کے پائے ثبات کو لغزش نہ آئی، آپؐ پہاڑ کی طرح اپنی جگہ جمے ہوئے تھے، اور بلند آواز سے فرما رہے تھے: انا النبی لا کذب

جنگِ بدر!

بدر کی لڑائی، رمضان ۲ھ میں وقوع پذیر ہوئی!

رسولِ اللہ نے مدینہ میں ہجرت فرمائی، اور مکّہ سے قطع تعلق کر لیا پھر بھی قریش کو قرار نہ آیا، وُہ برابر شرارتیں کیا کرتے تھے، مدینہ کے یہودیوں اور منافقوں سے اسلام، اور داعیٔ اسلام کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے، آپ حتی الامکان صبر و تحمّل سے کام لیتے تھے، پھر بھی کبھی کبھی جھڑپیں مسلمانوں اور کافروں کے مابین ہوتی رہتی تھیں، ان میں کشت و خون کی نوبت بہت کم آتی تھی، لیکن کافروں کا ایک شخص عمرو بن الحضرمی جب حضرت عبداللہ کے ہاتھ سے ایک جھڑپ میں مارا گیا، تو کفّار نے تہیّہ کر لیا، کہ اب ضرور وُہ مسلمانوں سے ایک فیصلہ کن جنگ کریں گے، اور مسلمانوں کا استیصال کر کے دم لیں گے،

کاروانِ قریش!

قریش کا قافلہ حسبِ معمول تجارت کے لئے ملک شام گیا ہُوا تھا۔ سالارِ قافلہ

ابوسفیان تھے، یہ قافلہ واپسی میں جب مکّہ کے قریب پہنچا تو اطلاع ملی کہ آنحضرتؐ اس قافلہ پرحملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں، ابوسفیان نے فوراً ایک تیز رَو قاصد مکّہ روانہ کیا، قریش جلد از جلد مدد کو پہنچیں، ورنہ سارا مالِ تجارت لُٹ جائے گا، یہ پیام پاتے ہی قریش بڑے ساز وسامان سے مقابلہ کرنے کے لئے نکل کھڑے ہُوتے۔

لیکن ابوسفیان کترا کر، ساحلِ بحر کی طرف سے اپنا قافلہ نکال لے گئے۔ اور قریش کو اطلاع دی کہ وُہ بھی واپس آجائیں لیکن ابوجہل نے انکار کردیا، اور کہا آ گئے ہیں تو اب ہم جشن مناکر جائیں گے۔

مسلمانوں کی تیاریاں!

آنحضرتؐ کو ان واقعات کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے صحابہ کو جمع کیا، اور واقعہ کا اظہار فرمایا، حضرت ابوبکرؓ اور دوسرے اصحاب نے جان نثارانہ تقریریں کیں لیکن رسول اللہؐ انصار کی طرف دیکھ رہے تھے، کیونکہ انصار نے بیعت کرتے ہوئے صرف یہ وعدہ کیا تھا کہ جب دشمن مدینہ پر چڑھائی کرے گا، تب وُہ تلوار اٹھائیں گے، باہر نکل کر نہیں، حضرت سعد بن عبادہ نے جو قبیلۂ خزرج کے سردار تھے، آنحضرتؐ کا مطلب سمجھ لیا، اُٹھے، اور فرمایا: "کیا حضورؐ کا اشارہ ہماری طرف ہے؟ خدا کی قسم آپؐ کا ارشاد ہو تو ہم سمندر میں کُود پڑیں! حضرت مقداد نے کہا: "ہم مُوسیٰؑ کی طرح یہ نہ کہیں گے اور آپ اور آپ کا خدا جاکر لڑیں ہم تو آپؐ کے داہنے سے بائیں سے، سامنے سے پیچھے سے، لڑیں گے!" ان کلمات سے آنحضرتؐ کا چہرہ مُبارک وفورِ مسرّت سے چمک اُٹھا۔

۱۲ رمضان کو آپؐ ۳۱۳ جاں نثاروں کے ساتھ شہر سے نکلے، ۶۰ مہاجر اور باقی انصار، چونکہ اندیشہ تھا، مدینہ سے غیبت کے زمانہ میں منافقین یا یہود شورش نہ کریں، لہٰذا آپؐ نے ابولبابہ بن عبدالمنذر کو مدینہ کا حاکم مقرر کر کے واپس کر دیا، ۱۷ ار رمضان کو آپؐ بدر کے قریب پہنچے، اور پہلے چشمہ پر اتر پڑے۔

حبابؓ بن منذر کا سوال!

حضرت حبابؓ بن منذر نے دریافت کیا "یہاں اترنے کا حکم الہامی ہے یا آپؐ کی ذاتی رائے ہے؟" آپؐ نے فرمایا "ذاتی ہے"، حضرت حبابؓ نے کہا "تو پھر یہ مقام موزوں نہیں، مناسب یہ ہے کہ ہم اور آگے بڑھ کر، قریش کی فرودگاہ کے قریب ترین چشمہ پر قبضہ کر لیں، اور اپنے لئے حوض بھر کر ارد گرد کے کنوؤں اور چشموں کو پاٹ دیں تاکہ دشمن کو آسانی سے پانی نہ مل سکے" آپؐ نے اس مشورہ کو پسند فرمایا اور اسی پر عمل کیا لیکن دشمنوں کو اپنے ہاں سے پانی لینے کی اجازت دے دی۔

رسولؐ کی دعا!

دونوں فریق آمنے سامنے آ گئے، کفّار کی جمعیت کسی طرح ایک ہزار سے کم نہیں تھی، اس فوج میں قریش کے بڑے بڑے سردار تھے، صرف ابولہب کسی وجہ سے نہیں آسکا تھا۔

رات ہوئی، سارے لوگ آرام کر رہے تھے، لیکن ایک ہستی سرورِ کائناتؐ کی ایسی تھی جو جاگ رہی تھی، نماز پڑھ رہی تھی، رو رو کر خدا سے کہہ رہی تھی: "اے اللہ! آج

اگر یہ تیرے عبادت گزار بندے مِٹ گئے تو پھر کبھی دُنیا میں تو نہ پُوجا جائے گا!" اِسی حالت میں آپؐ کو فتح کی بشارت ملی سیھزم الجمع ویولون الدبر (سُورۂ قمر) یعنی "یہ فوج شکست کھائے گی، اور یہ لوگ پیٹھ پھیر دیں گے"!

صف آرائی!

صبح ہوتے ہوتے صف آرائی شروع ہو گئی، صحابہ کرام نے میدانِ جنگ کے کنارے ایک چھپر ڈال لیا تھا کہ آپؐ اس میں تشریف رکھیں، حضرت سعدؓ بن معاذ تیغ بکف دروازے پر کھڑے تھے، کوئی اِدھر نہ آنے پائے۔ یہ اہتمام اس لئے کیا گیا تھا کہ آپؐ اپنے ہاتھ سے کسی کو قتل کرنا نہیں چاہتے تھے، آپؐ نے فوجیں مرتب کیں۔

قریش کی فوجیں اب بالکل قریب آگئی تھیں، لیکن آپؐ نے مسلمانوں کو پیش قدمی سے روکا، یہ عجیب دغریب معرکہ آرائی تھی، حضرت ابوبکرؓ کے مقابلہ میں ان کے لختِ جگر عبدالرحمٰن تھے، حضرت حذیفہؓ اپنے باپ عتبہ کو للکار رہے تھے، حضرت عمرؓ اپنے ماموں کا خون بہا رہے تھے۔

جنگ کا آغاز!

سب سے پہلے عامر حضرمی اپنے بھائی کا بدلہ لینے میدان میں آیا، مہجعؓ، حضرت عمرؓ کے غلام سے مقابلہ ہوا، اور مہجعؓ کو شہادت نصیب ہوئی۔

عتبہ سردارِ لشکر تھا، اب یہ بھائی، اور بیٹے کو لے کر میدان میں نکلا، اس نے انصار سے لڑنا اپنی کسرِ شان سمجھا، لہٰذا حضرت علیؓ، حضرت حمزہؓ اور عبیدہؓ مقابلہ میں آئے،

عتبہ حضرت حمزہ رض سے لڑا، اور مارا گیا، ولید نے حضرت علی رض سے مقابلہ کیا، اور ہلاک ہو گیا، شیبہ نے حضرت عبیدہ رض کو زخمی کر دیا، لیکن حضرت علی رض نے بڑھ کر شیبہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا

اب سعید بن عاص آیا، سر سے پاؤں تک غرقِ آہن، حضرت زبیر رض اس کے مقابلے کو نکلے، تاک کر آنکھ میں برچھی ماری، زمین پر گرا، اور مر گیا، برچھی اس طرح پیوست ہو گئی تھی حضرت زبیر رض نے اس کی لاش پر پاؤں رکھ کر کھینچا، تب نکلی، مگر اس کے دونوں سرے خم ہو چکے تھے۔

مسعود رض اور معاذ رض نے ابوجہل کو قتل کر دیا، عکرمہ بن ابوجہل نے پیچھے سے آکر معاذ رض پر تلوار کا وار کیا، جس سے بازو کٹ گیا، لیکن تسمہ باقی لگا رہ گیا، معاذ رض نے اسی حالت میں جنگ جاری رکھی، لیکن ہاتھ کے لٹکنے سے زحمت ہوتی تھی، ہاتھ پاؤں کے نیچے دبا کر کھینچا، تسمہ الگ ہو گیا، ہاتھ زمین پر پڑا رہ گیا، اور وہ بدستور دادِ شجاعت دے رہے تھے۔

ابوجہل اور عتبہ کے قتل کے بعد، کفار کے لشکر میں سناٹا چھا گیا، قریش نے آخر کار ہتھیار ڈال دیئے، قریش کے ستر آدمی ہلاک ہوئے، اور مسلمانوں میں ۱۴ نے جامِ شہادت نوش کیا، اور اس طرح تین سو بے سر و سامان آدمیوں نے ایک ہزار مسلح آدمیوں پر فتح پائی، جس پر دنیا آج بھی انگشت بدنداں ہے۔

اسیرانِ جنگ!

سپر افگندگی کے بعد، گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہوا، جو لوگ گرفتار ہوئے، ان میں حضرت عباس رض (آنحضرت صلعم کے چچا) حضرت عقیل رض (حضرت علی رض کے بھائی) اور دوسرے معززین

قریش بھی تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود، ابوجہل کا سر کاٹ لائے، اور آنحضرتؐ کے سامنے
ڈال دیا۔

اسیرانِ جنگ کے ساتھ آپؐ نے بہت اچھا برتاؤ کیا، انہیں مختلف صحابہ میں تقسیم کر دیا، اور یہ صحابہ خود فاقے کرتے تھے، مگر اپنے گرفتاروں کو شکمِ سیر ہو کر کھلاتے تھے، آنحضرتؐ نے ان قیدیوں کے لئے لباس کا بھی انتظام فرمایا۔

رہائی کی شرط!

اسیرانِ جنگ کی قسمت کا فیصلہ آپؐ نے صلاح و مشورہ کے بعد یہ کیا کہ زرِ فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے، اور جو فدیہ کی رقم نہ دے سکیں، وُہ دس دس آدمی کو لکھنا سکھا دیں۔

حضرت عباس آپؐ سے کافر ہونے کے باوجود بے حد محبت کرتے تھے اور آپؐ بھی انہیں بے حد چاہتے تھے، رات کو آپؐ حضرت عباس کی کراہ سُن کر سو نہ سکے، فدیہ سے وُہ بھی مستثنےٰ نہ کئے گئے، ذاتی محبت دُوسری چیز تھی، اور اصول کا معاملہ الگ تھا، حالانکہ انصار نے آنحضرتؐ کی قرابت کے خیال سے حضرت عباس کو بلا فدیہ کے چھوڑ بھی دینا چاہا، مگر خود آنحضرتؐ نے اسے گوارا نہ فرمایا کہ عباس یُونہی چھوڑ دیئے جائیں اور دُوسروں سے فدیہ لیا جائے، لیا جائے تو سب سے ورنہ کسی سے بھی نہیں۔

غزوۂ بدر کے نتائج!

یہ پہلی باقاعدہ لڑائی تھی، جو کافروں اور مسلمانوں میں ہوئی تھی، لیکن اس جنگ

نے واقعات کا پانسہ پلٹ دیا، قریش کی کمر ٹوٹ گئی تھی، اور مسلمان سربلند ہو گئے تھے، حالانکہ قریش ساز و سامانِ جنگ اور تعداد میں مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ تھے، یہ اللہ کا انعام تھا، اور خود خدا نے مسلمانوں کو اپنا یہ احسان یاد دلایا ہے۔

ولقد نصرکم اللہ ببدر و انتم اذلۃ فاتقوا اللہ لعلکم تشکرون۔

بلاشبہ خدا نے بدر میں تمہاری مدد کی حالانکہ تم کمزور تھے، خدا سے ڈرو، تاکہ اس کے شکر گزار بندے بن جاؤ۔

ابوسفیان کا عہد

اب ابوسفیان مکّہ کا رئیس تھا، اس نے قسم کھائی کہ جب تک وُہ مسلمانوں سے بدلہ نہ لے گا، نہ غسلِ جنابت کرے گا، نہ سر میں تیل ڈالے گا، چنانچہ ذی الحجہ ۲ھ میں وُہ دو سو شتر سواروں کے ساتھ مدینہ پر بڑھا، اسے امید تھی، یہود اس کی مدد کریں گے لیکن یہود اتنے سہمے ہوئے تھے، اور مسلمانوں کی اس فتح سے اتنے مرعوب ہو چکے تھے کہ وُہ کسی قسم کی عملی مدد دینے پر تیار نہیں ہوئے، صرف باتیں کر کے ٹال دیا۔

آخر ابوسفیان نے اپنا عہد اور اپنی قسم یوں پوری کی کہ مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر، عریض پر حملہ آور ہوا، ایک انصاری حضرت سعدؓ بن عمرو کو قتل کیا، چند مکانات، اور گھاس کے انبار میں آگ لگا دی، اور اپنی قسم "پوری کر کے بھاگ کھڑا ہوا، آنحضرتؐ کو اطلاع ہوئی تو آپؐ نے تعاقب کیا، ابوسفیان کے پاس رسد کا جو سامان تھا، وُہ صرف ستّو تھا، گھبراہٹ میں ستّو کے بورے پھینکتا گیا، عربی میں ستّو کو سویق کہتے ہیں، اسی لئے یہ واقعہ

غزوۂ سویق کے نام سے مشہور ہے۔

اس سال کے خاص واقعات!

اس سال کے خاص واقعات جو تاریخی اہمیت رکھتے ہیں یہ ہیں:۔

۱۔ فرضیتِ صوم

۲۔ حکمِ صدقہ

۳۔ نمازِ عید کی ابتدا

حضرتِ فاطمہؓ کی شادی

اسی سال حضرت علیؓ کے ساتھ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی شادی ہوئی، پیام دینے والوں میں حضرت ابوبکرؓ، اور حضرت عمرؓ بھی تھے، لیکن آپؐ نے حضرت علیؓ کا پیام قبول فرمایا، اور نہایت سادگی کے ساتھ یہ تقریب انجام دے ڈالی، حضرت فاطمہؓ سے فرمایا "میں نے اپنے خاندان میں افضل تر شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے"!

شادی کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ، ایک الگ مکان میں اُٹھ گئے۔

جنگِ اُحد!

بدر کی شکست اِتنا بڑا، اور دردناک سانحہ تھی جس نے قریش کو انگاروں پر لٹا رکھا تھا، ایسی ذِلّت بخش شکست سے وُہ کبھی دوچار نہیں ہوئے تھے، ان کے دِل انتقام کے لئے بیقرار تھے، وُہ مُسلمانوں سے بدلہ لینے کے لئے ماہیِ بے آب کی طرح تڑپ رہے تھے۔ وُہ سازوسامانِ جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھے تاکہ مُسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابُود کر دیں، ان کے شاعر رجز اور مرثیے کہہ رہے تھے۔ ان کی عورتیں غم میں سیہ پوش تھیں، ان کے مردوں پر خواب و خور حرام تھا، ان کے سپہ گر، لڑنے مرنے کے لئے کمر کس رہے تھے، ان کے جوان میدانِ جنگ میں شجاعت کے جوہر دکھانے کے لئے مچل رہے تھے، ان کے بوڑھے، اور کہن سال خلوت کی انجمن میں، اور جلوت کی محفل میں مسلمانوں کی تباہی و بربادی کی اسکیمیں سوچ رہے تھے، غرض سارا مکّہ اِسی کرب میں مبتلا تھا، قریش کا ایک ایک فرد اِس فکر میں تھا،

کہ جلد از جلد وُہ دن آئے کہ مسلمانوں سے بدر کی شکست کا انتقام لیا جا سکے۔

عمِ رسول حضرت عباس اگرچہ مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے لیکن سر دست مکہ ہی میں مقیم تھے، انہوں نے کافروں کے ان عزائم کی ایک تیز رَو قاصد بھیج کر آنحضرت کو اطلاع دی، اور مسلمانوں نے بھی جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

آنحضرتؐ کا مشورہ!

قریش کی جنگی تیاریوں بلکہ جنگ کے لئے ان کے اقدام و پیش قدمی کے سلسلہ میں آپؐ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ عبداللہ بن ابی مشہور منافق بھی شریکِ مشورہ تھا۔ اس نے رائے دی کہ ہمیں مدینہ میں رہ کر حملہ کی مدافعت کرنی چاہیئے، آنحضرتؐ بھی اس رائے کے مؤید تھے، لیکن مدینہ کے بعض نوجوانوں نے اصرار کیا کہ ہمیں مدینہ سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کرنا چاہیئے، یہ وُہ نوجوان تھے جو جنگِ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے، اور اب اپنے جوشِ فداکاری کا مظاہرہ کر رہے تھے، یہ آخری مشورہ سُن کر آپؐ خاموشی سے اُٹھے، اور گھر تشریف لے گئے، اور وہاں سے مسلح ہو کر تشریف لائے، صحابہؓ نے اس خیال سے کہ شاید ہماری بات آنحضرتؐ کو ناگوار ہوئی، عرض کیا آپؐ ہمارے مشورہ کا کچھ خیال نہ فرمائیں، اگر شہر میں رہ کر مدافعت کرنا انسب ہے، تو پھر یہی کرنا چاہیئے، آپؐ نے جواب دیا: "نبی کے لئے یہ زیبا نہیں ہے کہ جب وُہ ہتھیار لگا لے، تو بے لڑے ان کو اُتار دے۔"

منافق کی منافقت!

نماز جمعہ کے بعد شوال ۳ھ آپؐ، ایک ہزار مسلمانوں کے ساتھ مدینہ سے باہر نکلے۔ عبداللہ بن ابی کے تین سو آدمی بھی اس گروہ میں موجود تھے، عبداللہ نے کہا، جب آنحضرتؐ نے ہماری بات نہیں مانی تو ہم ان کا ساتھ کیوں دیں؟ چلو واپس چلو! چنانچہ اس کے تین سو آدمی واپس چلے گئے، اب صرف، سو مجاہدین رہ گئے، یہ سات سو بھی پورے طور پر ساز و سامانِ جنگ سے آراستہ پیراستہ نہیں تھے۔ صرف سو آدمیوں کے پاس زرہیں تھیں۔ باقی اصحاب زرہ تک سے محروم تھے۔

شوقِ شہادت!

معلوم ہو چکا تھا، کہ کفّار کا لشکر، پانچ ہزار افراد پر مشتمل ہے، سامانِ رسد سے بھرپور ہے، ساز و سامانِ جنگ سے بہمہ وجوہ آراستہ پیراستہ ہے، مسلمان صرف ایک ہزار تھے۔ ان میں سے بھی تین سو عبداللہ بن ابی کے بہکاوے میں آکر واپس چلے گئے تھے، اب سات سو رہ گئے تھے، اور یہ بھی ساز و سامان سے محروم، لیکن جوشِ شہادت اور جذبۂ فداکاری کا یہ عالم تھا کہ جب یہ طے ہوا کہ ۱۶ سال سے کم عمر کے بچے واپس کر دیئے جائیں تو حضرت رافعؓ بن خدیج ایڑیاں اٹھا کر پاؤں کے بل کھڑے ہو گئے، اور قد اونچا کر لیا، یہ تدبیر راس آئی، اور وہ مجاہدین کے گروہ میں لے لئے گئے، انہی کے ہم عمر حضرت سمرہ تھے۔ انہوں نے بھی واپس جانے سے انکار کر دیا، اور کہا "میں رافع سے زیادہ قوی اور توانا ہوں، انہیں پچھاڑ دیتا ہوں،

مجھے کیوں محروم رکھا جاتا ہے کشتی ہوئی، ابو رافع کو پچھاڑ دیا، اور شریکِ جنگ ہو

اجازت حاصل کر ہی لی۔

آمنا سامنا!

کوہِ اُحد کو پسِ پشت رکھ کر صف بندی شروع ہوئی حضرت مصعبؓ کو پرچم

پشت کی طرف پہاڑی درّہ تھا، یہاں سے اندیشہ تھا کہ مشرکین حملہ آور نہ ہوں، لہٰذا عبداللہ جبیرؓ کی سرکردگی میں ۵۰ تیر اندازوں کو متعین کر دیا گیا، کہ دشمن کے سوار ادھر سے آئیں تو انہیں تیروں پر رکھ لیا جائے، تاکید کر دی گئی کہ مسلمانوں کو فتح ہو یا شکست لیکن تم اپنی جگہ سے نہ ہلنا۔

سامنے قریش کا لشکر تھا، طلحہ سالارِ لشکر تھا، خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابوجہل میمنہ اور میسرہ پہ تھے، تیر اندازوں کی سرگروہی عبداللہ بن ربیعہ کے سپرد تھی، دوسو کوتل گھوڑے موجود تھے کہ ضرورت کے وقت کام دے سکیں۔

جنگ کا آغاز!

جنگ کا طبل بجا!

قریش کی عورتیں دف بجا بجا کر رجز خوانی کر رہی تھیں، ابوسفیان کی بیوی ہندہ سب سے آگے تھی، قریش کا علم بردار طلحہ میدان میں آیا، اور پکارا "مسلمانو! ہے کوئی تم میں جو مجھے جلد از جلد جہنم پہنچا دے یا میرے ہاتھوں جلد از جلد جنّت میں پہنچ جائے۔" اسد اللہ علیؓ ابن ابی طالب صف سے نکل کر آگے بڑھے، فرمایا "میں ہوں"! یہ کہتے کہتے ذوالفقار

چکی، اور طلحہ جہنّم واصل ہو چکا تھا، اب طلحہ کا بھائی، عثمان میدان میں آیا۔ اس کے مقابلے کے لئے حضرت حمزہؓ تشریف لائے اور ایک ہی وار میں کام تمام کر کے نعرہ لگایا "میں ساقی حجاج کا بیٹا ہوں!"

جنگِ مغلوبہ!

اس انفرادی نبرد آزمائی کے بعد جنگِ مغلوبہ شروع ہو گئی یعنی صفیں صفوں سے گتھ گئیں، نیزے رکنے لگے، تلواریں چمکنے لگیں، نعرے لگنے لگے، حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابو دجانہؓ نے بے مثل تہوّر اور شجاعت کا اظہار فرمایا، آنحضرتؐ کے ہاتھ میں ایک تلوار تھی، آپؐ نے ابو دجانہؓ کو مرحمت فرمائی، وُہ اسے لے کر اکڑتے اور اتراتے ہوئے چلے، آپؐ نے یہ چال دیکھ کر فرمایا "یہ چال اللہ کو پسند نہیں، سوا میدانِ جنگ کے"۔ ابو دجانہؓ نے بہت سے کافروں کی گردنیں قلم کر دیں، ابوسفیان کی بیوی ہندہ بھی سامنے آگئی، لیکن تلوار اس کے سر تک پہنچ چکی تھی، کہ ہٹالی، کہا "رسول اللہؐ کی تلوار عورت کے خون سے رنگین نہیں کرتا"۔

حضرت حمزہ کی شہادت

حضرت حمزہؓ دو دستی تلوار چلا رہے تھے، اور دشمن کی صفیں صاف کر رہے تھے۔ وحشی جبیر بن مطعم کا غلام تھا، حربہ (ایک قسم کا نیزہ لیکن بہت مختصر) چلانے کے فن میں ماہر تھا، جبیر نے حبشی سے وعدہ کیا تھا، اگر تم نے حمزہؓ کو قتل کر دیا تو میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔ جب حضرت حمزہؓ برابر بڑھتے ہوئے، اور دشمنوں کے سر قلم کرتے ہوئے وحشی کی زد میں آئے

تو اس نے حمبہ کھینچ مارا، ناف سے گزر کر پشت سے باہر نکل گیا، آپؓ وہیں شہید ہو گئے

جنگ کا رنگ!

مسلمان برابر آگے بڑھ رہے تھے، اور قریش برابر پیچھے ہٹ رہے تھے، قریش کے کئی بڑے بڑے سردار قتل ہو گئے، کئی علمبردار یکے بعد دیگرے ہلاک ہوئے، افراتفری پھیل گئی آخر کار وُہ بھاگ نکلے۔

قریش کو راہِ فرار اختیار کرتے دیکھ کر مسلمان مالِ غنیمت پر جھپٹ پڑے، یہ دیکھ کر وُہ تیر انداز بھی جو درّے پر بٹھائے گئے تھے اور جنہیں شکست و فتح ہر حالت میں اپنی جگہ جمے رہنے کی ہدایت کی گئی تھی ادھر لوٹ آئے، حالانکہ حضرت عبداللہؓ بن جبیر انہیں برابر روکتے رہے کہ یہاں سے نہ جاؤ، موقع پاکر خالد بن ولید درّہ کے راستے آئے، اور مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے مسلمان بڑے اطمینان سے مالِ غنیمت سمیٹ رہے تھے، دفعۃً سروں پر تلواریں چمکنے لگیں، اب مسلمانوں میں افراتفری پھیل گئی، عبداللہ بن جبیر اور ان کے چند ساتھیوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن جامِ شہادت نوش کیا۔

مصعبؓ کی شہادت!

اسی اثنا میں کافروں کے مشہور شہسوار، ابن قمیئہ نے علمبردارِ اسلام حضرت مصعبؓ کو قتل کر دیا، آپؓ آنحضرتؐ کے ہم شبیہ تھے، فوراً نعرہ لگایا "میں نے محمدؐ کو قتل کر دیا" یہ سن کر مسلمان اور زیادہ بدحواس ہو گئے، حضرت عمرؓ تک کے پائے ثبات میں لغزش آ گئی جی چھوڑ، تلوار پھینک ایک گوشہ میں بیٹھ گئے، لیکن چند جاں نثار، جن میں حضرت

حضرت ابوبکرؓ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت زبیرؓ بن العوام، حضرت ابودجانہؓ اور حضرت طلحہؓ کے نام تاریخی طور پر معلوم ہیں، بدستور شمعِ نبوت کو پروانوں کی طرح گھیرے ہوئے تھے، آنحضرتؐ کا چہرۂ مبارک خود میں چھپا ہوا تھا، صرف آنکھیں نظر آرہی تھیں، حضرت کعبؓ بن مالک کی نظر پڑی، انہوں نے نعرہ لگایا "مسلمانو! رسول اللہؐ یہ ہیں!" یہ سُن کر مسلمانوں کی جان میں جان آئی، کفار نے سارا دباؤ اسی طرف ڈال دیا، لیکن ذوالفقارِ حیدری چمک چمک کر کفار کے سر قلم کر رہی تھی، عبداللہ بن قمیہ آنحضرتؐ کے قریب پہنچ گیا، اور چہرۂ مبارک پر تلوار کا وار کیا، خود کی دو کڑیاں چہرۂ مبارک میں پیوست ہو گئیں۔ کسی کافر نے پتھر کھینچ مارا، اس سے آپؐ کے سامنے کے دو دندانِ مبارک بھی شہید ہو گئے، آپؐ زخمی ہو چکے تھے، چہرۂ مبارک سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے۔

جہاں آپؐ کے لئے سائبان بنایا گیا تھا، اس کے متصل ایک گڑھا تھا، آپؐ کا پائے مبارک اس کے اندر جا پڑا۔ اور آپؐ اس کے اندر گر گئے، حضرت علیؓ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت طلحہؓ نے آپؐ کو نکالا۔

حضرت فاطمہؓ کی آمد!

مدینے میں جب آنحضرتؐ کی شہادت کی خبر پہنچی، تو بہت سی عورتیں دوڑ پڑیں، ان میں حضرت فاطمہؓ بھی تھیں، حضرت علیؓ ڈھال میں پانی بھر کر لائے، حضرت فاطمہؓ نے روئے مبارک سے خون دھویا، چٹائی کا ٹکڑا جلا کر زخم میں راکھ بھری۔

اب آنحضرتؐ، دشمنوں کی زد سے بچنے کے لئے پہاڑی پر چڑھ آئے تھے، ابوسفیان

نے اپنے فوجیوں سمیت چڑھنے کی کوشش کی، لیکن حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کے پتھراؤ سے مجبور ہوگیا، ابوسفیان نے پکارا "یہاں محمدؐ ہیں؟" آنحضرتؐ کی ہدایت کے مطابق کسی نے جواب نہ دیا، پھر اس نے حضرت عمرؓ اور ابوبکرؓ کے بارے میں پوچھا، اب بھی سب خاموش رہے، اب اس نے کہا "سب مارے گئے" حضرت عمرؓ خاموش نہ رہ سکے، فرمایا "او دشمن خدا ہم سب زندہ ہیں"! ابوسفیان نے کہا! "یہ بدر کی لڑائی کا بدلہ تھا، اب اگلے سال پھر بدر میں مقابلہ ہوگا! آنحضرتؐ نے صحابہ سے کہا "کہہ دو ہمیں منظور ہے"!

جنگ کا انجام

مسلمان تیر اندازوں کی بے تدبیری سے اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح حاصل کرنے کے بعد شکست ہوئی، اس لڑائی میں ستر مسلمان شہید ہوئے، انہی شہداء میں سید الشہداء حضرت امیر حمزہؓ بھی تھے، ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے حضرت حمزہؓ کا پیٹ چاک کیا اور کلیجہ نکال کر چبا گئی، پھر مثلہ کیا گیا۔ حضرت حمزہؓ کی بہن حضرت صفیہؓ آئیں، بھائی کی لاش کے ٹکڑے دیکھے، اور کمال استقامت سے "اناللہ" کہہ کر خاموش ہوگئیں، کفن کے لئے بیٹے حضرت زبیرؓ کو دو چادریں دیں، حضرت زبیرؓ کہتے ہیں "یہ چادریں لے کر ہم نے چاہا کہ سید الشہداء کا کفن تیار کریں، لیکن انہی کے قریب ایک شہید انصاری کی لاش پڑی تھی ان کی لاش کا بھی مثلہ کیا گیا تھا، ہم نے یہ بات مناسب نہ سمجھی کہ ایک مسلمان کو دو چادروں کا کفن ملے، اور دوسرا بے کفن رہے، آخر دونوں کو ایک ایک چادر میں دفن کر دیا"

مسلمانوں کی بے نوائی کی یہ کیفیت تھی کہ علمبردار لشکر اسلام حضرت مصعبؓ کے

کفن کے لئے ایک چادر ملی، وُہ بھی اتنی چھوٹی کہ سر ڈھانکتے تھے تو پاؤں کھل جاتے تھے، پاؤں ڈھانکتے تھے تو سر کھُل جاتا تھا، آخر کار سر ڈھانکا گیا، اور پاؤں پر گھاس ڈال دی گئی، خاک و خون میں لتھڑے ہوئے شہداء بغیر غسل دیئے دو دو کر کے ایک ایک قبر میں رکھے گئے۔

مدینہ کی واپسی!

ان امور سے فارغ ہو کر مدینہ کی طرف کوُچ ہوُا، راستہ میں حمنہ بنت جحش ملیں، اپنے ماموں حضرت حمزہ رضؓ کی خبر سُن کر دُعائے مغفرت کی، اور صبر سے کام لیا، پھر اپنے بھائی عبداللہ رضؓ بن جحش کی خبرِ شہادت سُنی، اب بھی دامن صبر ہاتھ سے نہ چھُوٹا، اناللہ پڑھ کر خاموش ہو گئیں، پھر اپنے شوہر حضرت مصعب رضؓ کی شہادت کی خبر سُنی، بے اختیار رو پڑیں، آنحضرتؐ نے یہ دل دوز منظر دیکھ کر فرمایا: "دیکھو اس کے دل میں شوہر کی کس قدر محبت تھی"

ابُوسفیان کا تعاقب!

مدینہ پہنچ کر آپؐ کے دل میں یہ خیال آیا کہ کہیں کفار پھر پلٹ کر حملہ نہ کر دیں۔ آپؐ نے مسلمانوں کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا "کون کافروں کا تعاقب کرے گا!" فوراً ستّر سر فروش اس کام کے لئے تیار ہو گئے، ان میں حضرت ابوبکر رضؓ اور حضرت زبیر رضؓ بھی تھے، اور واقعی کچھ دُور جا کر ابوسفیان نے پلٹنے کا ارادہ کیا لیکن خبر ملی مسلمان خود تعاقب کو آرہے ہیں تو ارادہ بدل دیا، اور واپس چلا گیا۔

سُورۂ آلِ عمران!

سُورۂ آلِ عمران کی ۱۶۰ آیتیں، غزوۂ اُحد سے متعلق نازل ہوئیں، ان آیات میں شِکست پر مسلمانوں کو صبر کی تلقین فرمائی گئی، اور جس کمزوری کا اظہار اُن سے ہوا تھا، یعنی درّہ چھوڑ کر مالِ غنیمت کے لئے جھپٹنا، اس پر ہلکے الفاظ میں ملامت فرمائی گئی اور فرمایا گیا شِکست کا اصل سبب یہی تھا، منافقوں کے ساتھ بیزاری کا اظہار کیا گیا، اور افراتفری کے عالم میں جو لوگ بھاگ گئے تھے، ان کی معافی کا اعلان کیا گیا، جو لوگ اس جنگ میں شہید ہوئے ان کے لئے انعامِ آخرت کی بشارت دی گئی اور فرمایا گیا "ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ"! پھر ان لوگوں کی مدح فرمائی گئی، جو شکست کے باوجود اتنے ثابت قدم، اور با حوصلہ تھے کہ زخموں سے چُور چُور ہونے کے باوجود دوسرے روز پھر کفار کے تعاقب میں لڑنے کے لئے گئے۔ اور حوصلہ افزائی فرمائی گئی، "ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین، یعنی" نہ غم کرو، نہ پریشان ہو، اگر تم اسلام پر قائم ہو تو سربلندی تمہارے ہی لئے ہے"!

دُوسرے واقعات!

جنگِ اُحد، شوال ۳ھ یعنی مارچ ۶۲۵ء کو ہوئی، اس سال کے دُوسرے خاص واقعات یہ ہیں:۔

(۱) حضرت امام حسنؑ کی ولادت!

(۲) حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ سے آنحضرتؐ کی شادی

۳. حضرت عثمانؓ کی حضرت اُمِّ کلثومؓ سے شادی۔

۴. قانونِ وراثت کا نزول

۵. نکاحِ مشرکہ کی تحریم

جنگِ خندق!

مُسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے یہود خائف ہو چکے تھے، انہوں نے دَرپردہ اور علانیہ حسبِ موقع، قریش اور مُنافقین سے اسلام کے استیصال کی سازشیں شروع کر دیں، رسُول اللہؐ نے اہلِ کتاب کے ساتھ، اور خاص طور پر یہودیوں کے ساتھ لطف و عنایت کا برتاؤ روا رکھا تھا، اور ان سے خیر مصالحتی عہد نامے کر رکھے تھے لیکن یہود ان معاہدوں کو بھی توڑتے رہتے تھے۔ ۲ھ میں جنگِ قینقاع ہوئی، اس قبیلہ کے یہودی بڑے جنگ آزما اور لڑاکا تھے، انہوں نے ایک معمولی سے واقعہ کی آڑ لے کر جنگ شروع کر دی، لیکن مسلمانوں کے محاصرہ کی تاب نہ لا سکے، بالآخر معاملہ اس طرح ختم ہوا کہ یہ جلاوطن کر کے مدینہ سے خارج کر دیئے گئے۔

ربیع الاول ۴ھ میں بنو نضیر (یہود) نے سر اٹھایا انہیں اُمید تھی کہ منافقینِ مدینہ ان کا ساتھ دیں گے، اور انہوں نے وعدہ بھی ایسا ہی کیا تھا لیکن کھلے طور پر آنے کی ہمت

بڑی، نہ بنو قریظہ (یہود) نے کوئی مدد کی، ان کے پاس مضبوط قلعے تھے۔ یہ قلعہ بند ہوگئے، مسلمانوں نے محاصرہ کرلیا، یہ محاصرہ بھی اس شرط سے ٹوٹا کہ بنو نضیر مدینہ سے جلاوطن ہو جائیں، چنانچہ یہ جتنا مال اسباب ساتھ لے جاسکتے تھے، لے گئے، اور مدینہ سے رخصت ہوگئے۔ ان کے معززین اور سردار کا بڑا حصہ خیبر میں جاکر بس گیا، اور وہاں یہ پھر امارت اور سیادت کی زندگی بسر کرنے لگے۔

غزوۂ بنی مصطلق!

بنو مصطلق نے مدینہ پر حملہ کا ارادہ کیا، آپؐ کو اطلاع ہوئی، تو آپؐ کے حکم کے مطابق ۲ شعبان (۵ھ) کو مسلمان فوجیں روانہ ہوئیں، لیکن بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کو جب یہ اطلاع ملی تو وہ اپنی جمعیت کے ساتھ منتشر ہوگیا، لیکن مریسیع کے کفار نے مقابلہ کیا، اور مسلمانوں کے مقابلہ میں شکست کھائی، کافروں کے دس آدمی ہلاک ہوئے اور چھ سو گرفتار کر لئے گئے، مال غنیمت میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں۔

جنگِ خندق!

مدینہ کے جلاوطن یہودیوں نے خیبر جاکر بڑے وسیع پیمانہ پر سازش کا جال پھیلایا قریش کو پھر جنگ پر آمادہ کیا، غطفان کے قبیلہ کو بھی لالچ دے کر شریک کار بنا لیا، اور مدینہ پر دس ہزار کفار کے لشکرِ جرّار نے چڑھائی کی تیاریاں شروع کردیں، آنحضرتؐ کو جب ان عزائم کی اطلاع ملی تو آپؐ نے صحابۂ کرام سے مشورہ کیا، حضرت سلمان فارسیؓ کی رائے ہوئی کہ شہر بند ہو کر خندق کھودی جائے، اور دشمن کا مقابلہ کیا جائے، خندق کھودنے میں آنحضرتؐ صحابہؓ

کے ساتھ برابر شریک تھے۔ دوشِ گرامی پر پتھر لادتے، اور مزدوروں کی طرح کام کرتے کفا
کے مقابلہ میں مسلمان صرف ۳ ہزار تھے۔

بنو قریظہ کے یہودی، اب تک، حسبِ معاہدہ الگ تھلگ تھے، لیکن بنو نضیر نے انہیں بھی پرچایا، اور اپنا شریک بنالیا۔ آنحضرتؐ نے اتمامِ حجت کے لئے دو صحابیوں کو بھیجا کہ بنو قریظہ کی روش کا اندازہ لگائیں، یہ گئے، اور معاہدہ کی یاد دہانی کرائی، انہوں نے صاف جواب دے دیا "ہم نہیں جانتے محمدؐ کون ہیں، اور معاہدہ کیا ہے"؟

مسلمانوں کی پریشانی!

اِن حالات نے مسلمانوں کو بہت پریشان کر دیا تھا، ایک طرف فقر و فاقہ کا عا دُوسری طرف تعداد کی کمی، تیسری طرف کفّار کا لشکرِ جرّار، سازو سامانِ جنگ سے آرا پیراستہ، سورۃ احزاب میں خود خدا نے مسلمانوں کی اس کیفیت کا ان الفاظ میں اظہار فرمایا ہے:۔

اِذجاؤکم من فوقکم ومن اسفل	جب دشمن نشیب اور فراز سے تم پر چڑھ آئے
منکم واِذ ازاغت الابصار وبلغت	آنکھیں پتھرانے لگیں اور دل اُچھلنے لگا تب
القلوب الحناجر وتظنّون باللہ الظنونا	مسلمانوں کی آزمائش کا وقت آگیا، اور سخت
ھنالک ابتلی المؤمنون وزلزلوا زلزالا	زلزلہ ان پر طاری ہو گیا۔
شدیدا۔	

منافقین اس موقع سے پورا فائدہ اُٹھا رہے تھے، چنانچہ اپنے گھروں کی حفاظت

کے بہانے، واپس جانے کی اجازت مانگنے لگے، تاکہ مسلمانوں میں ہراس اور بددلی پیدا ہو، لیکن سچے اور کھرے مسلمان اس نازک ترین وقت میں بھی سرفروشی کے لئے سرکارِ دو عالمؐ کے اشارہ کے منتظر تھے۔

شدید ترین محاصرہ!

کفار نے مدینہ کا بہت کڑا محاصرہ کر رکھا تھا، اور اس حالت کو ۲۰ دن سے زیادہ کی مدت گزر چکی تھی، صحابہؓ کا یہ عالم تھا کہ کڑاکے کے تین تین فاقے گزر گئے تھے، ایک دن انہوں نے اپنے پیٹ کھول کر دکھائے کہ پتھر بندھے ہوئے ہیں، آپؐ نے جب شکم مبارک کھولا تو ایک کے بجائے دو پتھر بندھے ہوئے تھے، گویا آپؐ بھی برابر فاقہ سے تھے۔

جنگ کی ابتدا!

کفار محاصرہ کئے ہوئے تھے، خندق کا عبور کرنا ان کے لئے ناممکن ہو رہا تھا، وہ موقع موقع سے تیروں، اور پتھروں کی بارش کرتے تھے، مسلمان جواب دیتے رہتے تھے، شہر کے اندر آنحضرتؐ اور صحابہؓ کے اہل وعیال قلعہ بند تھے، ادھر بھی کفار نے حملہ کرنے کی کوششیں شروع کر دیں، مسلمانوں کی پریشانی دیکھ کر آپؐ اس پر آمادہ ہو گئے کہ غطفان سے اس شرط پر صلح کر لیں کہ مدینہ کی آدھی پیداوار انہیں ملے گی، چنانچہ آپؐ نے انصار کے سردار حضرت سعدؓ بن عبادہ اور سعدؓ بن معاذ سے مشورہ کیا، انہوں نے کہا اگر یہ خدا کا حکم ہے تو ہمارا سر جھکا ہوا ہے اور اگر حضورؐ کی ذاتی رائے ہے تو عرض یہ ہے کہ کفر کی حالت میں بھی کوئی ہم سے بلا قیمت ایک کھجور بھی نہ لے سکا، اب تو اسلام نے ہمارا پایہ بہت اونچا

کر دیا ہے" آپؐ مطمئن ہو گئے، اور معاہدہ کا ارادہ ترک کر دیا۔

باقاعدہ جنگ!

ایک مقام پر خندق کی چوڑائی کم تھی، یہیں سے کفّار نے حملہ شروع کیا، کفّار کے کئی ہزار گھوڑوں کو مہمیز کر کے خندق پار کر گئے، ان میں عمرو بن عبدود بھی تھا، یہ بہت بڑا بہادر تھا، اسے ایک ہزار سواروں کے برابر مانا جاتا تھا، ۹۰ سال کی عمر ہو چکی تھی لیکن دم خم نوجوانوں سے زیادہ تھے، اس نے مبارزت کی "کون میرے مقابلہ میں آتا ہے؟"

ذوالفقارِ علیؓ!

حضرت علیؓ کھڑے ہوئے اور فرمایا "میں!" آنحضرتؐ نے روکا، کہ "یہ عمرو بن عبدود ہے" حضرت علیؓ بیٹھ گئے لیکن کوئی اور اس کے مقابلہ کے لئے تیار نہیں ہوا، عمرو نے پھر پکارا، پھر حضرت علیؓ اُٹھے، اور فرمایا "میں مقابلہ کروں گا،" اس مرتبہ بھی آنحضرتؐ نے یہ کہہ کر حضرت علیؓ کو بٹھا دیا "یہ عمرو ہے،" تیسری مرتبہ پھر وہی ہوا کسی نے جواب نہ دیا عمرو کو، پھر حضرت علیؓ اٹھے، اور پھر آنحضرتؐ نے وہی فرمایا، اس دفعہ حضرت علیؓ نے عرض کیا، "ہاں میں جانتا ہوں یہ عمرو ہے!" آپؐ نے اجازت دے دی، خود تلوار مرحمت فرمائی اور دستِ مبارک سے سر پر عمامہ باندھا۔

عمرو نے حضرت علیؓ سے نام پوچھا، آپؐ نے نام بتایا، اس نے کہا "میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا" آپؐ نے جواب دیا، "لیکن میں چاہتا ہوں!" برہم ہو کر اس نے تلوار نکالی اور بھرپور وار کیا، حضرت علیؓ کی پیشانی معمولی طور پر زخمی ہو گئی، اب ذوالفقارِ حیدر چمکی

زنانہ کاٹ کر نیچے اُتر آئی، حضرت علیؓ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا، اور فتح کا اعلان ہوگیا۔

بنو قریظہ کی شرارت!

گھمسان کا رن پڑ رہا تھا، دشمن کی طرف سے تیروں اور پتھروں کی بارش ہو رہی تھی خواتین جس قلعہ میں تھیں، وہ بنو قریظہ نے یہ دیکھ کر کہ مسلمان تو ادھر پھنسے ہیں، ادھر اس خالی قلعہ پر قبضہ کر لیا جائے، آگے بڑھے، ایک یہودی پھاٹک پر پہنچ چکا تھا، مگر حضرت حمزہؓ کی بہن، اور حضرت زبیرؓ کی ماں، حضرت صفیہؓ جو آنحضرتؐ کی پھوپھی تھیں، اس یہودی کا کام تمام کر دیا، اور اس کا سر کاٹ کر میدان میں پھینک دیا، یہ دیکھ کر بنو قریظہ کو خیال ہوا کہ ادھر بھی مسلمانوں کی فوج ہے، لہٰذا پھر آگے بڑھنے کی ہمت نہ کی۔

تائیدِ غیبی!

محاصرہ کو جتنی زیادہ مدت گزرتی جاتی تھی، کافروں کے حوصلے پست ہوتے جاتے تھے، اور ان میں آپس میں بدظنی، اور بدگمانی، شک و شبہ اور بے اعتمادی پیدا ہوتی جاتی تھی حضرت نعیم بن مسعود، جو غطفان کے ایک رئیس تھے، اور مسلمان ہو چکے تھے مگر جن کے اسلام کی اطلاع ان کے قبیلہ کو نہیں تھی، انہوں نے بنو قریظہ اور قریش میں بدگمانی کی خلیج پیدا کر دی۔ اس سے اور زیادہ طرفین کی ہمت پست ہونے لگی۔

ادھر تو یہ حال تھا، ادھر یہ ہوا کہ بڑے زور کی آندھی آئی، خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں، کھانے کے برتن اُلٹ گئے، چولھے پر کی دیگچیاں اوندھی ہو گئیں، پہلے ہی دس ہزار کے لشکر کو رسد پہنچانا دشوار ہو رہا تھا، اس بادِ تند نے، اور زیادہ سارے انتظامات درہم

برہم کر دیئے، سورۂ احزاب میں خدا نے اس آندھی کو مددِ الٰہی سے تعبیر کیا ہے،

يا ايها الذين آمنوا اذكروا نعمة الله	مسلمانو! خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو جب
اذ جاءتكم جنود فارسلنا عليهم ريحا	(کفار کی) فوجیں تم پر چڑھ آئیں، تو ہم
وجنودا لم تروها ورد الله الذين كفروا	ان پر آندھی بھیجی، اور فوجیں بھیجیں، جو
بغيظهم لم ينالوا خيرا وكفى الله المؤمنين	دکھائی نہیں دیتی تھیں، اور اللہ تعالیٰ
القتال۔	کافروں کو غصّہ میں بھرا ہوا نامراد واپس ک
	اور مسلمانوں کو لڑنے سے بچا لیا۔

اب یہ ہوا کہ بنو قریظہ، قریش کا ساتھ چھوڑ کر اپنے قلعوں میں چلے گئے، غطفا
بھی روانہ ہوئے، اور قریش کے لئے بھی اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ ناکام و نام
واپس چلے جائیں۔ چنانچہ وہ بھی باصد حسرت و غم واپس چلے گئے۔

اس جنگ میں مسلمانوں کا جانی نقصان اگرچہ نہ ہونے کے برابر ہوا، لیکن سب
سے بڑا حادثہ یہ ہوا کہ قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعدؓ بن معاذ زخمی ہو کر وفات
گئے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں "میں نے دیکھا سعد جوش کی حالت میں حربہ (چھوٹا نیز
لئے بڑی تیزی سے بڑھ رہے ہیں، اور یہ شعر وردِ زبان ہے،

لبث قليلا يلحق الهيجا جمل لا باس	ذرا تھم جا کہ میدانِ جنگ میں ایک اور
بالموت اذا الموت نزل	آلے، وقت جب آگیا تو موت سے کیا

حضرت سعدؓ کی ماں نے سنا تو آواز دی "بیٹا دوڑ کر جا، تو نے دیر لگا دی!"

بنو قریظہ کا انجام!

بنو قریظہ نے بڑے نازک مرحلہ پر مسلمانوں کے ساتھ غدّاری اور بدعہدی کی تھی، اس سے درگزر نہیں کیا جا سکتا تھا، کفّار کی ہمہ جماعتی فوج کے منتشر ہونے کے بعد آنحضرتؐ نے بنو قریظہ کی طرف رُخ کیا، قریظہ اگر اعترافِ خطا کرتے، اور معافی طلب کرتے تو یقیناً رحمۃ للعالمین کا ابرِ رحمت انہیں بخش دیتا، لیکن فوراً آمادہ جنگ ہو گئے، آنحضرتؐ کو گالیاں دیں، اور شرارت پر اُتر آئے۔

مُسلمانوں نے بنو قریظہ کا محاصرہ کر لیا، جو تقریباً ایک مہینے تک جاری رہا، تنگ آکر انہوں نے حضرت سعد بن معاذ کو حَکَم بنایا، انہوں نے فیصلہ کیا کہ جو لڑنے کے قابل ہوں وہ قتل کر دیئے جائیں، عورتیں اور بچّے قید ہوں، مال و اسباب مسلمانوں پر تقسیم کر دیا جائے، اسی فیصلہ پر عمل ہوا، یہ فیصلہ، تورات (یہودیوں کی مذہبی کتاب) کے مطابق ہوا۔ کیونکہ اب تک قرآن میں ایسی صورتِ حال کے لئے کوئی واضح حکم نہیں آیا تھا۔

فیصلہ کا پس منظر!

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ یہ فیصلہ بہت سخت تھا، لیکن اگر اس فیصلہ کے پس منظر پر غور کیا جائے، تو صاف معلوم ہوگا، اس سے کم کی سزا دی ہی نہیں جا سکتی تھی، یہ بنو قریظہ وہ تھے، جن سے رسول اللہؐ نے دوستانہ معاہدہ کیا، انہیں پوری مذہبی آزادی دی، ان کے جان و مال کی حفاظت کا عہد کیا، یہ بھی یاد رہے بنو قریظہ بنو نضیر سے کم رتبہ تھے، بنو نضیر کا کوئی آدمی قریظہ کے کسی آدمی کو قتل کر دیتا تو اسے صرف نصف خوں بہا دینا پڑتا، اور

بنو قریظہ کے کسی آدمی سے ایسی حرکت ہوتی تو اسے پورا خون بہا ادا کرنا پڑتا تھا لیکن رسول اللہ نے یہ فرق مٹا دیا، اور دونوں کی مساوی حیثیت تسلیم کر لی، پھر جب بنو نضیر جلا وطن کئے گئے، تو آنحضرت نے نہ صرف بنو قریظہ کو مدینہ میں رہنے دیا، بلکہ ان سے تجدید عہد بھی کر لی ان عنایتوں اور احسانوں کے باوجود بنو قریظہ نے بغیر کسی وجہ کے معاہدہ توڑ دیا، جنگ خندق میں کفار کا ساتھ دیا، ازواج مطہرات کے قلعہ پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی، اور حضرت علیؓ جنگ کے بعد جب پہنچے، تو بجائے اعتراف خطا اور طلب عفو کے لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئے، آنحضرت کو گالیاں تک دیں، ایسے بد عہدوں اور فتنہ انگیزوں کا انجام اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا؟

بنو قریظہ کے مقتولین کی تعداد چار سو تھی۔

خاص خاص واقعات

اس سال کے خاص خاص واقعات یہ ہیں:-

۱۔ حضرت زینبؓ سے نکاح

۲۔ مسلمان عورتوں کے لئے گھونگٹ نکال کر چلنے کا حکم

۳۔ ازواج مطہرات کے لئے غیر مردوں کے سامنے آنے کی اجازت

۴۔ حد قذف کا اجراء یعنی اگر کسی پاک دامن عورت پر بے عصمتی کی تہمت لگائی جائے تو اسے سنو دُرّے مارے جائیں۔

صُلح حدیبیہ!

یہ واقعہ ذی قعد سنہ ۶ھ کا ہے۔

آنحضرتؐ نے خواب میں اپنے تئیں، اور مُسلمانوں کو حرم میں داخل ہوتے اور طواف کرتے دیکھا، چنانچہ ذی قعدہ کے مہینہ میں عمرہ کا احرام باندھا، قربانی کے اونٹ ساتھ لئے، اور ۱۴ سو مسلمانوں کے ساتھ بغیر ساز و سامانِ جنگ کے روانہ ہوئے، مقصد صرف عمرہ کرنا تھا، جنگ کا قطعاً ارادہ نہ تھا، سفر کا مہینہ ذی قعد اسی لئے منتخب کیا گیا کہ اس مہینہ میں از رُوئے روایات جنگ ممنُوع تھی۔

قریش سے استیذان!

مکّہ سے ۱۹ میل کے فاصلہ پر ایک قریہ حدیبیہ ہے، یہاں تشریف فرما ہو کر آپؐ نے قریش کو اپنے آنے کی اطلاع دی۔ اور آگے بڑھنے کی اجازت چاہی، آنحضرتؐ کا جب یہ پیام قریش کے پاس پہنچا تو انہوں نے عروہ بن مسعود ثقفی کو آنحضرتؐ کی

خدمت میں بھیجا لیکن کوئی بات طے نہیں ہوئی، اگرچہ عروہ آپؐ سے بہت متاثر ہوئے پھر آپؐ نے دوسری سفارت قریش کے پاس بھیجی، قریش نے اسلامی سفیر پر حملہ کیا، پھر قریش نے ایک دستہ مقابلہ کے لئے بھیجا، جسے مسلمانوں نے گرفتار کر لیا لیکن رحمتِ عالمؐ نے معاف فرما کر رہا کر دیا، آخر تیسری بار حضرت عثمانؓ سفیر بنا کر بھیجے گئے۔

حضرت عثمانؓ کے قتل کی افواہ!

قریش نے حضرت عثمانؓ کو قید کر لیا، اور یہاں مسلمانوں کے لشکر میں یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمانؓ کو کافروں نے قتل کر دیا۔ اس خبر نے مسلمانوں کو بہت زیادہ مشتعل کر دیا آنحضرتؐ نے فرمایا "عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینا فرض ہے" ببول کے ایک درخت کے نیچے آپؐ نے حاضر الوقت مسلمانوں سے جاں نثاری کی بیعت لی۔ اس بیعت میں آپؐ نے اپنے بائیں ہاتھ کو حضرت عثمانؓ کا داہنا ہاتھ قرار دیا، اور ان کی جانب سے اپنے داہنے ہاتھ پر بیعت کی، قرآن نے اس بیعت کو "بیعتِ رضوان" کے نام سے یاد کیا ہے یعنی وہ بیعت جو خدا کی رضامندی کی موجب ہوئی۔

لقد رضی اللّٰہ علی المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ	جب مسلمان درخت کے نیچے تمہارے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے تو اللّٰہ ان سے خوشنود ہوا

مزید تفتیش کے بعد معلوم ہوا کہ کافروں نے حضرت عثمانؓ کو صرف گرفتار کیا تھا، شہید نہیں کیا تھا، کفار نے تنہا حضرت عثمانؓ کو عمرہ کرنے کی اجازت دے دی تھی، لیکن آپؓ نے فرمایا "بغیر آنحضرتؐ کے، میں عمرہ کیونکر کر سکتا ہوں۔"

قریش کی سفارت اور صلحنامہ

قریش نے اب اپنا سفیر بنا کر سہیل بن عمرو کو آنحضرتؐ کی خدمت میں روانہ کیا، اور چلتے وقت کہہ دیا، صلح کی بنیاد صرف یہ ہو سکتی ہے کہ محمدؐ اس سال واپس چلے جائیں اور عمرہ کا خیال ترک کر دیں۔

سہیل نے بہ حیثیت سفیر قریش کے شرائطِ صلح پر گفتگو کی، اور حسب ذیل شرائط طے پائے۔

۱۔ اس سال مسلمان بغیر عمرہ کئے واپس چلے جائیں، آئندہ سال آئیں اور اس طرح کہ کوئی ہتھیار لگا کر مکّہ میں داخل نہ ہوں، تلوار ساتھ ہو لیکن وہ بھی نیام میں ہو، تین دن ٹھہریں اور عمرہ سے فراغت کر کے واپس چلے جائیں۔

۲۔ قبائلِ عرب میں سے مسلمان جس سے چاہیں محالفت کا عہد (یعنی پیمان دوستی) کر لیں، اور قریش جس کو چاہیں اپنا حلیف بنا لیں، اس معاملہ میں ہر دو فریق پر کوئی پابندی نہیں عائد ہو گی۔

۳۔ مکّہ سے اگر کوئی مسلمان مدینہ چلا جائے تو مسلمان اسے پھر مکّہ واپس کر دیں گے، لیکن مدینہ سے اگر کوئی مسلمان مکّہ قریش کے پاس آ جائے تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔

۴۔ یہ معاہدہ دس سال تک نافذ رہے گا۔

یہ معاہدہ صحابۂ کرام کے صدق و وفا کا بڑا سخت امتحان تھا، اس معاہدہ سے انہیں سخت تکلیف پہنچی، لیکن جب آنحضرتؐ نے اسے تسلیم کر لیا تو انہیں بھی سرِ اطاعت خم کرنا پڑا۔

حضرت عمرؓ سب سے زیادہ جوش میں تھے، بے اختیار رسول اللہؐ سے پوچھا۔

حضرت عمرؓ: "یا رسول اللہ کیا آپؐ سچے نبی نہیں ہیں؟"

آنحضرتؐ: "ہاں میں سچا نبی ہوں!"

حضرت عمرؓ: "کیا ہم سچائی پر نہیں ہیں؟"

آنحضرتؐ: "ہاں ہم حق پر ہیں"

حضرت عمرؓ: "تو ہم دین کے معاملہ میں یہ توہین کیوں گوارا کریں؟"

آنحضرتؐ: "میں خدا کا پیغمبر ہوں، اور اس کے حکم کی تعمیل کروں گا!"

حضرت عمرؓ: "کیا آپؐ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم کعبہ کا طواف کریں گے؟"

آنحضرتؐ: "لیکن یہ کب کہا تھا کہ اسی سال کریں گے؟"

حضرت عمرؓ، حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے، اور یہی باتیں کیں، حضرت ابوبکرؓ نے کہا

"وہ خدا کے نبی برحق ہیں، جو کچھ کرتے ہیں، خدا کے حکم سے کرتے ہیں"۔

حضرت عمرؓ اپنی اس گستاخانہ گفتگو پر، زندگی بھر نادم رہے۔ کفّارہ کے طور پر روزے رکھے، غلام آزاد کئے، خیرات کی، نماز پڑھی۔

پاسِ عہد!

آنحضرتؐ نے یہ معاہدہ کر لیا، اور پوری صداقت، اور سچّائی سے اس معاہدہ پر قائم رہے۔ سفیر قریش سہیل بن عمرو کے فرزند حضرت ابوجندلؓ عین اس وقت جب معاہدہ منظور ہو رہا ہے، پابجولاں مکّہ سے بھاگ کر مدینہ پہنچتے ہیں مسلمان ان کا یہ حالِ زار دیکھ کر جوش سے بے قابو اور بے خود ہو جاتے ہیں، لیکن آنحضرتؐ کو اپنے عہد کا احترام منظور ہے۔ باوجود

حالت میں ابوجندلؓ پھر کافروں کی تحویل میں دے دیئے جاتے ہیں، آنحضرتؐ ابوجندلؓ کو صبر کی تلقین کرتے ہیں، اور فرماتے ہیں۔

انا قد عقدنا بیننا وبین القوم صلحاً	اب صلح ہو چکی، اور ہم بدعہدی نہیں
وانا لا نغدر بھم	کر سکتے۔

صرف مسلمان عورتیں واپسی کی شرط سے مستثنیٰ تھیں۔

ابوبصیر کا واقعہ!

مکّہ میں جو مسلمان مقیم تھے، کفّار ان پر ننگِ انسانیت مظالم کرتے تھے، وُہ بھاگ بھاگ کر مدینہ آتے تھے، لیکن پابندیٔ عہد کا یہ عالم تھا کہ وُہ پھر مکّہ واپس کر دیئے جاتے تھے۔ انہی بھاگ کر آنے والوں میں ابوبصیر (حضرت عتبہ بن اسید) بھی تھے، قریش نے حسب معاہدہ اپنے دو آدمی بھیج کر انہیں طلب کر لیا، آپؐ نے ابوبصیر کو حکم دیا، کہ مکّہ واپس جائیں، انہوں نے کہا:۔

"کیا آپؐ مجھ کو کافروں کے پاس واپس بھیجتے ہیں کہ وُہ مجھے کفر پر مجبور کریں؟"

آپؐ نے فرمایا:۔

"خدا اس کی کوئی تدبیر نکالے گا!"

آخر ابوبصیر دو کافروں کی حراست میں مکّہ واپس بھیج دیئے گئے، راستے میں ابوبصیر نے ایک کافر کو قتل کر دیا، دُوسرا بھاگ کھڑا ہوا، اور بھاگ کر شکایت کناں سیدھا آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، اتنے میں ابوبصیر بھی آ گئے، اور رسول اللہؐ سے عرض پرداز ہوئے۔

"آپؐ نے عہد کے مطابق اپنی طرف سے مجھے واپس کر دیا، اور میں چلا گیا، اب آپؐ پر کوئی ذمہ نہیں ہے۔"

یہ کہہ کر ابوبصیرؓ مدینہ سے چلے گئے، اور سمندر کے کنارے ذو مرہ کے قریب ایک مقام عیص میں رہنے لگے، جب مکّہ کے مسلمانوں کو یہ نئی جائے پناہ معلوم ہوئی تو بھاگ بھاگ کر یہاں آنے لگے، اور کچھ عرصہ بعد اچھا خاصا گروہ بن گیا، قریش کے کاروانِ تجارت کا یہی راستہ تھا، یہ لوگ چھاپہ مارتے، اور جو کچھ مِل جاتا اسی سے زندگی بسر کرتے، قریش ان چھاپوں سے جب عاجز آگئے تو وُہ خود معاہدہ کی اس دفعہ سے دستبردار ہوگئے، اور آنحضرتؐ کو لکھ دیا جو مسلمان مکّہ سے جاکر مدینہ میں بسے گا ہم اس پر معترض نہیں ہوں گے آنحضرتؐ نے ان لوگوں کو مدینہ واپس بُلا لیا، اور قریش کے کاروانِ تجارت کی آزادانہ آمد و رفت شروع ہوگئی۔

صُلح کے نتائج!

بلاشُبہ بہ ظاہر صُلح کی شرطیں مسلمانوں کے لئے دل شکن اور شکست خوردہ ذہنیت پیدا کرنے والی تھیں، لیکن ان کے نتائج بہت خوشگوار برآمد ہوئے۔ مکّہ کے مظلوم مسلمانوں کے حُسنِ اخلاق، پاکیزگیٔ عمل، توحید، تقویٰ، دیانت اور راستبازی نے کفّار پر اثر کرنا شروع کردیا، ان کے سخت دل موم ہونے لگے، اِسلام سے ان کی نفرت کم ہونے لگی، اور وُہ یہ سوچنے پر مجبُور ہوگئے کہ جس دین کے پیرو اتنے اچھے، اور سچّے ہوں، وُہ جھُوٹا کیسے ہوسکتا ہے، خود حضرت ابوجندلؓ نے قید و بند کی حالت میں اسلام اور توحید کی تبلیغ شروع کردی

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ بظاہر جو چیز شکست تھی، درحقیقت وہ مسلمانوں کے لئے فتحِ مبین ثابت ہوئی، چنانچہ قرآن مجید میں اسی صلح کے بارے میں وارد ہوا انا فتحنا لک فتحا مبینا یعنی ہم نے تمہیں کھلی ہوئی فتح عنایت کی۔ اور ظاہر بین نگاہیں جس چیز کو دیکھنے سے قاصر تھیں، واقعات نے بالآخر انہیں صحیح اور حق ثابت کر دکھایا حدیبیہ کی صلح قریشِ مکہ کی مزاحمت اور مدافعت دین کا آخری حلہ تھا، اس کے بعد وہ اسلام کے ریلے کو نہ روک سکے ؛

جنگِ خیبر!

یہُود کی قوت کا عِبرت انگیز خاتمہ!

آنحضرتؐ اگرچہ مُشرکین کے مقابلہ میں اہلِ کتاب کو زیادہ نوازتے تھے، اور یہودیوں کے ساتھ تو خاص مراعات ملحوظ رکھتے تھے، لیکن یہود موقع پاکر ہمیشہ مسلمانوں کے استیصال کی تدابیر میں خفیہ اور علانیہ حصّہ لیا کرتے تھے۔

یہود کے ساتھ پہلا معاہدہ!

ہجرت کے پہلے سال جب آپؐ مدینہ تشریف لائے تو آپؐ نے انصار اور یہُود کو بُلا کر حسبِ ذیل معاہدہ تحریر کرایا جس پر دونوں فریق نے اتفاق کر لیا۔

۱۔ خُوں بہا اور فدیہ کا اصول حسبِ سابق جاری رہے گا۔

۲۔ یہُود کو مذہبی آزادی حاصل ہو گی، ان کے مذہبی معاملات میں کوئی مداخلت

نہیں کی جائے گی۔

۳۔ یہود اور مُسلمان ایک دُوسرے کے دوست رہیں گے۔

۴۔ یہُود یا مُسلمان، اگر کسی سے برسرِ پیکار ہوں گے، تو ایک فریق دُوسرے کی مدد کرے گا۔

۵۔ کوئی فریق قریش کو امان نہ دے گا۔

۶۔ مدینہ پر کوئی حملہ ہوگا، تو دونوں مل کر مدافعت کریں گے۔

۷۔ کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دُوسرا بھی شریکِ صلح ہوگا، لیکن مذہبی جنگ اِس اصول سے مستثنیٰ ہوگی۔

مسلسل بدعہدی!

مسلمان، داعیِ اسلام کے حسبِ ہدایت، صدقِ دل سے اِس معاہدہ پر عمل کرتے رہے، مگر یہود نے کبھی اِس شریفانہ معاہدہ کو کوئی اہمیّت نہ دی، بنو قریظہ اور بنو نضیر کے جو واقعات دُوسرے مقامات پر ہم لکھ چکے ہیں، وُہ اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہود:۔

۱۔ ہمیشہ مسلمانوں سے برسرِ پرخاش رہے۔

۲۔ مُنافقین سے مل کر سازشیں کرتے رہے۔

۳۔ قریش کی حوصلہ افزائی اور امداد کرتے رہے۔

۴۔ علانیہ بدعہدی اور غداری کے مُرتکب بھی ہوتے رہے۔

۵۔ مسلمانوں نے جب تجدیدِ عہد چاہی تو انکار کر دیا، اور جنگ کے لئے آمادہ ہوگئے۔

۶۔ آنحضرتؐ کی تاک میں بھی لگے رہتے، اور آپؐ کو قتل کرنے کے منصُوبے سوچتے،

انہیں عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرتے، ناکام ہونے کے بعد پھر بھولے بن جاتے

خبثِ نفس کی انتہا!

ہجرت کے پہلے سال یہود کے ایک فاضل اجل، عبداللہ بن سلام مُسلمان ہو گئے، ان کے مسلمان ہونے کا واقعہ بھی کافی اثر انگیز ہے، آنحضرتؐ وعظ فرما رہے تھے کہ آپؐ نے فرمایا:-

ایہا الناس، افشو السلام واطعمو الطعام وصلوا الارحام، وصلو باللیل والنّاس نیام	لوگو، سب کو سلام کیا کرو، لوگوں کو کھانا کھلایا کرو۔ قرابت داروں سے اچھا سلوک کیا کرو، رات کو جب خلقت سو رہی ہو عبادت کیا کرو۔

یہ بول عبداللہ کے دل میں بیٹھ گئے! اور وُہ صدقِ دل سے اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے عبداللہ بن سلام نے آنحضرتؐ سے مسلمان ہونے کے بعد عرض کیا، میں اظہارِ اسلام اپنی قوم کے سامنے کرنا چاہتا ہوں، لہذا پہلے یہود کو بُلایا جائے، اور ان سے میرے بارے میں دریافت کیا جائے کہ وُہ کیا رائے رکھتے ہیں؟ آنحضرتؐ نے یہود کے اکابر کو طلب کیا، حضرت عبداللہ پسِ پردہ چھُپ گئے، آپؐ نے پُوچھا:

"عبداللہ بن سلام تمہاری قوم میں کیسے ہیں؟"

سب نے بالاتفاق کہا:

"وُہ عالم ابنِ عالم، سردار ابنِ سردار ہیں، وُہ ہم سب سے بہتر ہیں۔"

اسی اثناء میں حضرت عبداللہ برآمد ہوئے، اُنہوں نے کلمہ پڑھ کر اپنے قبولِ اسلام کا اعلان کر دیا، یہ رنگ دیکھ کر اکابر یہود پکار اُٹھے :۔

"تو جاہل ابن جاہل، ذلیل ابنِ ذلیل، اور ہم میں سب سے بدتر شخص ہے"!

اِس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہود صحیح معنی میں "ختم اللہ علیٰ قلوبھم" کے مصداق تھے، ان کے دل کے دروازے بند تھے، اور کوئی دستک اُنہیں نہیں کھول سکتی تھی، اُن کا خُبثِ نفس حد سے تجاوز کر گیا تھا، اور وُہ گمراہی وضلالت کی آخری سرحد پر پہنچ چکے تھے۔

مُخالفت کے اسباب!

سوال پیدا ہو سکتا ہے، آخر یہود کو قریش سے بھی زیادہ اسلام اور داعیِ اسلام سے کد کیوں تھی؟

جواب بالکل صاف اور واضح ہے۔

یثرب میں (مدینہ میں) یہود جاگیرداری اور مہاجنی نظام کے سب سے بڑے نمائندے تھے تجارت اُن کے ہاتھ میں تھی، دولت کے انبار اُن کے قبضہ میں تھے سُودی کاروبار نے ان کی دولت میں اور دولت کے ساتھ سطوت اور شوکت میں، سطوت وشوکت کے ساتھ حرص و ہوس میں، بڑا اضافہ کر دیا تھا۔ یہ سُود در سُود پر غریبوں کو قرض دیتے تھے اور پھر ان کی کھجوروں پر قبضہ کر لیتے تھے، ان کے کھیتوں کے مالک بن جاتے تھے، ان کی لڑکیوں، عورتوں اور بچّوں کو رہن رکھ لیتے تھے، اور ان سے غلاموں کی طرح کام لیتے تھے،

اور ہوس کے تقاضے پورے کرتے تھے۔

اسلام جب مدینہ میں دبے پاؤں آیا تو ان کی دور بین نظروں نے بھانپ لیا کہ اسلام کی کامیابی اور نظامِ اسلام کی استواری، ان کے بنائے ہوئے مہاجنی نظام کو توڑ پھوڑ کر رکھ دے گی، ان کی آسودگی کو خاک میں ملا دے گی، ان کی عشرت پسندی کا خاتمہ کر دے گی، ان کی دولت و ثروت کو بیکار کر دے گی، اسلام یا اسلام کی سیادت قبول کر لینے کا مطلب یہ تھا کہ ان کی عشرت گاہیں ویران ہو جائیں، ان کے خزانے خالی ہو جائیں، ان کے غلاموں کا گلہ آزاد ہو جائے، اور انہیں محنت و مشقت کی زندگی بسر کرنا پڑے اس مصیبت سے بچنے کے لئے، یہ اسلام اور داعیِ اسلام کے خلاف منصوبے بنانے لگے اور انہیں بروئے کار لانے کی تیاریاں کرنے لگے۔ دولت مند بزدل بھی ہوتا ہے، اس لئے حتی الامکان یہ کھلی جنگ سے گریز کرتے تھے، اعصابی جنگ سے فتح حاصل کرنا چاہتے تھے، اور جب کوئی چارہ کار نہیں رہتا تھا تو مرنے مارنے پر بھی آمادہ ہو جاتے تھے۔

آنحضرتؐ کا برتاؤ

لیکن ان شرارتوں کے بعد بھی آنحضرتؐ ان کے ساتھ لطف و مہربانی کا برتاؤ کرتے تھے، اُن کی خطائیں معاف فرما دیتے تھے، اور زیادہ سے زیادہ انہیں مطمئن رکھنے کی کوشش فرماتے تھے محض اس لئے کہ یہ مُشرک نہیں تھے، اہلِ کتاب تھے، اور اہلِ کتاب کو مُشرک پر بہرحال فضیلت ہے۔

یہُود کی بدنفسی اور خباثت کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اسلام کو کمزور کرنے کے

لئے انہوں نے یہ ترکیب کی کہ کچھ یہودی مسلمان ہو جائیں، اور مسلمان ہو کر پھر اسلام سے مُنحرف ہو جائیں تاکہ سچے مسلمانوں میں اسلام کے خلاف بے اعتباری پھیلے، اور وُہ یہ خیال کریں کہ یہ دین اگر حق و صداقت پر مبنی ہوتا تو کوئی اسے قبول کر کے ترک کیوں کرتا؟ سُورۂ آلِ عمران میں یہودیوں کی اِسی حرکت کی طرف اشارہ ہے :-

وقالت طائفۃ من اھل الکتاب آمنوا بالذی انزل علی الذین آمنوا وجہہ النہار واکفروا آخرہ لعلّہم یرجعون

اور اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ (یہود) کہتا ہے، کہ مسلمانوں پر جو کچھ (خدا کی طرف سے) اترا ہے۔ اس پر صبح کو ایمان لاؤ اور شام کو اس سے پھر جاؤ، شاید وُہ لوگ (مُسلمان) بھی اس (دین) سے پھر جائیں۔

اِن حرکتوں کے علاوہ مسلمانوں کو آپس میں لڑانے، انصار اور مہاجرین میں غلط فہمیاں پیدا کر کے انہیں جنگ پر آمادہ کرنے کی بھی کوششیں کیا کرتے تھے، ایسے لوگ بھی (مثلاً کعب بن اشرف) مامور کر رکھے تھے، جو آپؐ کی شان میں ہجویہ اشعار کہا کرتے تھے، اِنہی حرکتوں کا نتیجہ غزوہ بنی قینقاع (۲ھ) غزوہ بنو نضیر (۴ھ) اور بنو قریظہ کے خاتمہ (۵ھ) کی صورت میں نمودار ہوا جس کا ذکر اپنے موقع پر آ چکا ہے۔

جنگِ خیبر!

محرم ۷ھ میں خیبر کی جنگ ہُوئی، اور اس جنگ نے یہود کی قوت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا۔

خیبر مدینہ سے تقریباً دوسو میل کے فاصلہ پر تھا، اب سارے حجاز سے سمٹ
کر یہودی یہیں جمع ہو گئے تھے۔ یہاں آبادی کے گرداگرد، انہوں نے مضبوط اور مستحکم قلعے
بنا رکھے تھے۔

صلح حدیبیہ کے کچھ عرصہ بعد اطلاع ملی کہ یہودی مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہے ہیں
اور جنگ خندق کی ناکامی کا داغ دھونے پر تلے ہوئے ہیں، یہود نے سازش کر کے بنو غطفان
کے چار ہزار دلیروں کو شریک کار یہ لالچ دے کر کر لیا کہ اگر مدینہ فتح ہو گیا تو خیبر کی پیداوار
نصف حصّہ ہمیشہ انہیں ملتا رہے گا۔ مسلمانوں کو جب اِن حالات کی اطلاع ملی تو انہوں
نے طے کر لیا کہ دشمن کو آگے بڑھ کر نہ صرف روکنا چاہیئے، بلکہ اس کی ایسی سرکوبی کرنا چاہیئے
کہ پھر وُہ سر نہ اٹھا سکے، یہود کے حوصلوں، اور ان کے ساتھی بنو غطفان کی جرأت کا اندازہ اس
سے کرنا چاہیئے کہ غطفان کے ایک خاندان بنو فزارہ نے ۶ھ میں مدینہ کی چراگاہ پر حملہ
کیا، اور ایک مُسلمان کو شہید کر دیا۔

مُسلمانوں کا لشکر!

اب مزید تحمّل مسلمانوں کے لئے ناممکن ہو گیا، چنانچہ مسلمانوں کا لشکر آگے بڑھا
یہ لشکر ۱۶ سو افراد پر مشتمل تھا، دو سو سوار، باقی پیدل، تین عَلَم تھے۔ ایک حضرت حباب
بن منذر کو عطا فرمایا، دُوسرا حضرت سعدؓ بن عبادہ کو، اور تیسرا پرچمِ نبویؐ جو حضرت عائشہؓ
کی اوڑھنی سے تیار ہوا تھا، فاتحِ خیبر علیؓ مرتضیٰ کو مرحمت ہوا۔

اس لڑائی میں کچھ مسلمان عورتیں بھی شریک تھیں، تاکہ زخمیوں کی مرہم پٹی کریں

بانی بلائیں، تیر اُٹھا اُٹھا کر مسلمانوں کو دیں۔

غطفان کی کنارہ کشی!

یہود نے اگرچہ غطفان کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا، اور وُہ لالچ میں آ کر ان کے شریک بھی ہو گئے تھے، اور مدد دینے کا پختہ وعدہ بھی کر لیا تھا، بلکہ اپنی طرف سے چھیڑ چھاڑ بھی شروع کر دی تھی، (مثلاً بنو فزارہ کا چراگاہ پر حملہ) لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان سر سے کفن لپیٹ کر میدان میں آ گئے ہیں، اور خود غطفان خطرہ میں پڑ گئے ہیں، تو اگرچہ وُہ ہتھیاروں سے لیس ہو کر نکل رہے تھے، لیکن واپس گئے، اور یہود کی کوئی باقاعدہ عملی مدد نہیں کی۔

تاہم میں آپؐ نے شام کا کھانا (ستّو) عام مسلمانوں کے ساتھ کھایا، اور جھٹپٹے میں، اسلامی فوجیں، اطرافِ خیبر میں پہنچ گئیں، آپؐ رات کو حملہ نہیں کرتے تھے، چنانچہ فوجوں کو آرام کا حکم دیا، اور طے ہوا کہ صبح مقابلہ ہو گا۔

خیبر کے قلعے!

خیبر میں چھ قلعے تھے:۔

(۱) سالم (۲) نطاۃ (۳) قصارہ (۴) شق (۵) مرطبہ (۶) قموص

ان قلعوں میں بیس ہزار سپاہی موجود تھے، اِن قلعوں میں قموص سب سے زیادہ ناقابلِ تسخیر تھا، عرب کا مشہور یہودی پہلوان مرحب اِس قلعہ کا رئیس تھا۔ مرحب ایک ہزار سواروں کے برابر مانا جاتا تھا۔

حملہ کا آغاز

مسلمانوں نے جب دیکھا کہ واقعی یہودی برسرِ جنگ ہیں۔ تو حملہ شروع کر
سب سے پہلے ناعم فتح ہو گئے، اب قموص کی باری آئی، آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکرؓ
حضرت عمرؓ کو فتح کرنے بھیجا، لیکن دونوں ناکام واپس آئے، طبری کی روایت ہے
کہ جب خیبری قلعہ سے نکلے، حضرت عمرؓ کے پاؤں نہ جم سکے، اور آنحضرتؐ کی خدمت
میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ فوج نے نامردی کی، لیکن فوج نے خود ان کے بارے میں
شکایت کی۔

مولانا شبلی نے طبری کی اس روایت پر جرح کی ہے، "وہ اس روایت کو
تسلیم کرنے میں تامّل کرتے ہیں کہ اس کے ایک راوی عوف ہیں، جن کو بہت سے لوگوں
نے ثقہ کہا ہے لیکن ان کی شیعیت سب کو تسلیم ہے، اور گو شیعہ ہونا بے اعتباری کی
دلیل نہیں، لیکن ظاہر ہے کہ جس روایت میں حضرت عمرؓ کے بھاگنے کا واقعہ بیان کیا
شیعہ کی زبان سے اس روایت کا کیا درجہ رہ جاتا ہے۔"

مولانا شبلی کے اصول کو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں، محدثینِ کرام، اور اربابِ
آثار اور ماہرینِ اسماء الرجال کا تقریباً متفق علیہ فیصلہ ہے کہ صاحبِ مذہب اگرچہ
ہو، لیکن اس کی روایت اس کے عقیدہ کے باب میں قابلِ قبول نہیں ہوتی" لیکن
شبلی کے استنتاج سے ہم متفق نہیں ہیں، عوف کی یہ روایت اگر شیعیت کا نتیجہ ہوتی
وہ حضرت عمرؓ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کے فرار کا ذکر بھی کرتے، لیکن انہوں نے حضرت

ابوبکرؓ کے بارے میں یہ نہیں کہا، اور مجرّد شیعہ ہونا، ساقط الرّوایت نہیں کرتا، اسماء الرجال کی معتبر مستند ترین کتابوں میزان والاعتدال، اور تہذیب التہذیب وغیرہ میں متعدد شیعہ رواۃ کو "ثقہ" "عدول" اور "صدوق" قرار دیا گیا ہے، اور امام بخاری تک نے ان کی روایتیں اپنی صحیح میں لی ہیں۔

دوسرے یہ کہ اگر یہ روایت صحیح تسلیم کر لی جائے تو اس سے حضرت عمرؓ کی جلالت شان پر حرف نہیں آتا، جنگ میں فتح و شکست لازم و ملزوم ہیں، اگر ایک معرکہ حضرت عمرؓ سر نہ کر سکے، اور حالات کے مدّنظر پسپائی اختیار فرمائی تو اسے بزدلی نہیں کہہ سکتے، تدابیر جنگ میں سے ایک تدبیر یہ بھی تھی، اس واقعہ سے حضرت عمرؓ کی شان کا استخفاف نہیں ہوتا، جیسا کہ جنگِ موتہ کے موقع پر اسلامی فوج کا جو دستہ، جلدی کر کے پہلے مدینہ چلا آیا تھا، اسے بعض مسلمانوں نے "فراری" کہہ کر طنز کیا، مگر آنحضرتؐ نے تسلی دی، اور فرمایا: "تم فراری نہیں بلکہ پھر دوبارہ حملہ کرنے کی نیت سے پیچھے ہٹ آنے والے ہو!"

فاتحِ خیبر!

بہرحال جب کئی صحابہؓ اس مہم کو سر نہ کر سکے، تو آنحضرتؐ نے فرمایا: "کل میں اس شخص کو عَلَم دوں گا جس کے ہاتھ پر خدا فتح دے گا، جو خدا اور خدا کے رسولؐ کو چاہتا ہے اور خدا اور خدا کا رسولؐ بھی اس کو چاہتے ہیں!" (سیرۃ النبی بہ حوالہ صحیح بخاری)

یہ رات انتظار میں کٹی، سب منتظر تھے کہ دیکھیں یہ فخر کس کے حصّہ میں آتا ہے!

حضرت عمرؓ نے قناعت پسندی اور بلند نظری کی بنا پر کبھی حکومت اور سروری کی تمنّا نہیں

کی لیکن جیسا کہ صحیح مسلم، باب فضائل علیؓ میں مذکور ہے۔ ان کو خود اعتراف ہے کہ اس موقع کی تمنا میں ان کی خودداری بھی قائم نہ رہ سکی۔ (سیرۃ النبیؐ)

صبح کو دفعتہً یہ آواز کانوں میں آئی کہ "علیؓ کہاں ہیں؟" یہ بالکل غیر متوقع آواز تھی کیونکہ جناب موصوف کی آنکھوں میں آشوب تھا، اور سب کو معلوم تھا کہ وُہ جنگ سے معذور ہیں، غرض حسب طلب وُہ حاضر ہُوئے، آنحضرتؐ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا، اور دعا فرمائی۔" (سیرۃ النبیؐ، بہ حوالہ صحیح بخاری)

حضرت علیؓ کے مقابلہ کو مرحب یہ رجز پڑھتا ہوا باہر نکلا۔

"خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہُوں، دلیر ہُوں، تجربہ کار ہُوں، سلاحِ جنگ سے آراستہ ہُوں۔"

حضرت علیؓ نے فرمایا،

"میں وُہ ہُوں کہ میری ماں نے میرا نام شیر رکھا تھا، میں شیرِ نیستاں کی طرح مہیب ہوں۔"

حضرت علیؓ شیرِ خُدا نے مرحب پر ایسا کاری وار کیا کہ ذُوالفقارِ حیدری مرحب کا سر کاٹتی ہُوئی دانتوں تک اُتر آئی، اور مرحب کا خاتمہ ہوگیا، اور اِس طرح بیس دن کے شدید محاصرہ کے بعد قلعہ فتح ہوگیا، ان معرکوں میں ۹۳ یہود مارے گئے، اور ۱۵ صحابہؓ نے جامِ شہادت نوش کیا۔

یہود کی قوت کا خاتمہ!

مسلمانوں کی اِس فتح نے یہود کی قوت کا خاتمہ کردیا۔ فتح کے بعد مفتوحہ زمین

مسلمانوں نے قبضہ کر لیا لیکن یہود نے درخواست کی کہ ہم یہاں کی نصف پیداوار سالانہ دیتے رہیں گے ہم سے صلح کر لی جائے، ان کی درخواست منظور کر لی گئی، اور اسی شرط پر مصالحت ہوئی، لیکن یہ اختیار باقی رکھا گیا کہ مسلمان جب چاہیں گے، یہود کو یہاں سے نکال دیں گے۔

بٹائی کے وقت آنحضرتؐ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کو بھیجتے تھے، وہ غلہ کو دو برابر حصوں میں تقسیم کر کے یہود سے کہتے تھے، ان دو میں سے جو چاہو لے لو، وہ اس دیانت اور عدل پر حیران ہو کر کہتے تھے" زمین و آسمان اسی عدل سے قائم ہیں"!

خاص خاص واقعات!

۱۔ فتح خیبر کے بعد آپؐ نے حضرت صفیہؓ سے شادی کر لی،

۲۔ یہودیوں نے پھر شرارت کی، ایک یہودی عورت نے زہر ملا کر آپؐ کی دعوت کی، لیکن آپ نے کھانے سے ہاتھ روک لیا۔

۳۔ خیبر سے واپسی میں مسلمانوں نے دو یہودی بستیوں تیما اور فدک کا رُخ کیا لیکن یہاں کے یہود نے بھی خیبر کی شرط پر صلح کر لی۔

۴۔ اسی سال آپؐ نے صلح حدیبیہ کی شرائط کے مطابق مکہ جا کر عمرہ کیا۔

۵۔ درندے حرام ہو گئے۔

۶۔ لونڈیوں سے تمتع پر پابندی، استبرا کی پابندی عائد کر دی گئی۔

۷۔ چاندی سونے کا اضافہ کے ساتھ خرید نا حرام ہو گیا۔

۸۔ متعہ کی تحریم

جنگِ موتہ!

عیسائیوں سے مُسلمانوں کی پہلی باقاعدہ جنگ!

اب تک مُسلمانوں سے عیسائیوں کی کوئی باقاعدہ جنگ نہیں ہوئی تھی، مسلمانوں کے خلاف قریش اور یہود، اپنی مخالفتوں اور سازشوں کا جال پھیلا کر برسرِ عناد اور برسرِ جنگ تھے، اور مُسلمان بھی انہی کے خلاف اپنی قوتیں صرف کر رہے تھے۔ لیکن جمادی الاوّل ۸ھ میں عیسائیوں سے بھی مسلمانوں کو مقابلہ کرنا پڑا، روم کی عیسائی حکومت کے زیرِ سیادت بعض عرب سردار حکمران تھے، ان میں شرجیل بن عمرو غسانی بھی تھا، اس کے پاس آنحضرت ﷺ نے دعوتِ اسلام کا پیام دے کر حضرت حارث رضی اللہ عنہ بن عمیر ازدی کو بھیجا، جنہیں اس نے قتل کرا دیا، آپ ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کی قیادت میں تین ہزار فوج قصاص کے لئے مدینہ سے روانہ کی۔

[illegible]

دشمن کی تیاریاں!

غسانی خود بھی کچھ کم نہ تھا، مگر اتفاق سے ہرقل (قیصرِ روم) بھی اپنی فوج گراں کے ساتھ مآب میں خیمہ زن تھا، اس نے بھی غسانی کی مدد کی، اور اس کے پاس ایک لاکھ فوج ہوگئی، مسلمانوں نے ایک مقام موتہ میں ڈیرے خیمے ڈال دیئے۔ اور یہیں تاریخ کی ایک بہت خون چکاں اور ہولناک جنگ ہوئی، ایک طرف کفّار کا لشکر تھا جس کی تعداد کسی طرح ایک لاکھ سے کم نہیں تھی، اور جو ہر طرح کے ساز و سامانِ جنگ سے آراستہ تھا، دُوسری طرف مسلمان تھے، جن کی تعداد صرف تین ہزار تھی اور پھر بے سرو سامانی مستزاد۔

گھمسان کا رَن!

حضرت زیدؓ نے یہ رنگ اور دشمن کی یہ غیر معمولی، کثرتِ تعداد دیکھ کر دربارِ رسالتؐ کو اطلاع دے کر حکم کا انتظار کرنا چاہا لیکن حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے کہا "ہم تو حصول شہادت کے مالامال ہوئے، آپ کے بعد رسول اللہؐ کے حسبِ ارشاد، حضرت جعفرؓ طیار نے قیادت سنبھالی، گھوڑے سے اتر کر پہلے خود اپنے گھوڑے کے پاؤں پر تلوار ماری، کہ اس کی کونچیں کٹ گئیں، پھر اس جوش و خروش سے لڑے کہ زخموں سے چُور ہو کر منصبِ شہادت پر فائز ہوئے، حضرت جعفرؓ طیار کے جوشِ جہاد کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ لڑائی میں آپؓ کا ایک ہاتھ بھی کٹ گیا تو دُوسرے ہاتھ میں پرچمِ اسلامی کو لے لیا، دُوسرا ہاتھ بھی کٹ گیا تو سینہ سے علم لگا لیا، نہ اسے گرنے دیا، نہ لڑائی سے باز آئے، شہادت کے وقت حضرت جعفرؓ کی عمر صرف ۴۲ سال کی تھی، حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ "میں نے حضرت جعفرؓ کی لاش دیکھی

[illegible]

تھی، تلواروں اور برچھیوں کے ۹۰ زخم تھے لیکن سب کے سب سامنے کی جانب تھے، پشت کی جانب ایک بھی نہیں، حضرت جعفرؓ کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے رسولؐ اللہ کی ہدایت کے بموجب علَم لے لیا اور لڑنے لگے، مگر آپؓ بھی شہید ہوئے۔

سیف اللہ!

اب حضرت خالدؓ بن ولید نے کمان اپنے ہاتھ میں لی، اور نہایت بہادری سے لڑے، آٹھ تلواریں ان کے ہاتھ سے ٹوٹ کر گریں، حضرت خالدؓ بن ولید اپنی پوری فوج کو کے نرغہ سے صاف بچا لائے، سیف اللہ کا خطاب آپؓ کو اسی جنگ کے بعد دربارِ نبویؐ سے ملا۔

آنحضرتؐ کو از روئے وحی جنگ کی یہ ساری کیفیت معلوم ہوگئی تھی، اور ان لوگوں کے مدینہ پہنچنے سے پہلے آپؐ نے فرما دیا تھا کیا ہوا؟

حضرت جعفرؓ کا غم!

آنحضرتؐ کو حضرت جعفرؓ کی شہادت کا بہت غم ہوا، یہ حضرت علیؓ کے سگے بڑے بھائی تھے، اور عشقِ رسولؐ میں کسی طرح حضرت علیؓ سے پیچھے نہیں تھے، جس بہادری سے میدانِ جنگ میں انہوں نے جان دی، اور رسولؐ کے جھنڈے کا احترام قائم رکھا، وہ ہمارے دعوے کا بہترین ثبوت ہے۔

اِس جنگ میں صرف ۱۲ مسلمان شہید ہوئے۔ یہ حضرت خالدؓ کی جنگی مہارت کا لازوال کارنامہ ہے، ایک لاکھ کے لشکر سے ۳ ہزار کا مقابلہ، اور صرف ۱۲ آدمیوں کی شہادت؟

جنگِ حنین!

فتحِ مکّہ کے بعد اسلام کا غلبہ دیکھ کر مالک بن عوف کی سرکردگی میں ہوازن اور ثقیف کے جنگجو قبائل جو تیر اندازی میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے مسلمانوں سے لڑنے کے لئے جمع ہوئے یہ جنگ ایک مقام حنین میں ہوئی، جو مکّہ اور طائف کے درمیان عرفہ سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے، یہ واقعہ شوال ۸ھ کا ہے۔

بے سروسامانی کا عالم!

اگرچہ مکّہ فتح ہو چکا تھا لیکن دولت وثروت سے اسلام، اور داعیٔ اسلام کو کوئی واسطہ نہیں تھا جب آنحضرتؐ کو تصدیق ہوگئی کہ ہوازن اور ثقیف کے قبائل واقعی جنگ کا تہیّہ کر چکے ہیں تو آپؐ نے بھی جنگ کی تیاریاں شروع کیں، عبداللہؓ بن ربیعہ سے تیس ہزار درہم ضروریاتِ جنگ کے لئے قرض لئے، صفوان بن امیّہ سے جو ابتک اپنے مذہب کفر پر قائم تھا، سو زرہیں اور دوسرے لوازماتِ جنگ بطور قرض لئے حسب روایت موطا

اس نے کہا "آپ جبراً مانگ رہے ہیں یا طوعاً؟" آپ نے فرمایا "طوعاً" تو اس نے پیش کر دیا۔ مسلمان فوج کی تعداد بارہ ہزار کے لگ بھگ تھی۔

مقابلہ، شکست، فتح!

اپنی اس تعداد پر مسلمانوں کو بہت بھروسہ تھا، ان کے دل میں خیال تھا کہ جب ہم چھوٹی چھوٹی جماعتوں کو لے کر، کفّار کی بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آ چکے ہیں، تو آج تو ہم بارہ ہزار ہیں، کس میں ہمت ہے کہ ہمارے سامنے ٹھہر سکے، اللہ تعالیٰ کو یہ بات نامرغوب ہوئی، اور جنگ کے پہلے ریلے میں کفّار کی تیر اندازی سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے، لیکن اللہ کا سچّا رسولؐ بدستور اپنی جگہ پورے اطمینان و استقامت کے ساتھ موجود تھا۔

آپؐ نے داہنی جانب دیکھا اور پکارا "اے گروہِ انصار!" بھاگتے ہوئے پاؤں ٹھہر گئے، فوراً جواب دیا "ہم حاضر ہیں"، پھر بائیں جانب دیکھا، یہی فرمایا، اور یہی جواب ملا، پھر آپؐ نے فرمایا:- انا النبی لا کذب

انا ابن عبد المطلب

یعنی:- "بلاشبہ میں سچّا نبیؐ ہوں، عبد المطلب کا فرزند!"

حضرت عباسؓ نے آواز دی: "اے وہ لوگو! جنہوں نے اسلام کی حرمت پر کٹ مرنے کا عہد کیا ہے، آگے بڑھو!" اسلام کے فدائی، یہ اثر انگیز آواز سنتے ہی امام بخاری کے الفاظ میں "کبوتروں کی ٹکڑی کی طرح" پلٹ آئے، جوشِ شہادت میں زرہیں اتار کر پھینک دیں اور گھوڑوں سے کود پڑے، اور اس تہوّر اور شجاعت سے لڑے کہ دشمن کی صفیں ٹوٹ گئیں اور

بھگدڑ مچ گئی۔

طائف اور اوطاس!

کفّار دو ٹکڑوں میں بٹ گئے، جنگ آزمامرد، طائف کے قلعہ میں قلعہ بند ہو گئے، زر و مال اور اہل و عیال کو، اوطاس کی گھاٹی میں چھپا دیا مسلمانوں نے طائف کا محاصرہ کر لیا، اور حضرت ابو موسیٰؓ اشعری اوطاس کی طرف بھیجے گئے، وہاں انہوں نے کافروں کے زر و مال، اور اہل و عیال پر قبضہ کر لیا، یہ خبر سُن کر، آپؐ نے محاصرہ اٹھا لیا، اور جعرانہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا چھ ہزار قیدی، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور چار اوقیہ چاندی، یہ سامانِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا، آپؐ نے غایت رحم دلی سے کئی دن تک اسیرانِ جنگ کے متعلقین کا انتظار کیا، کہ وُہ آئیں، اور فِدیہ دے کر انہیں چھڑا لے جائیں چند روز بعد ہوازن کے کچھ لوگ آئے، اور حضرت حلیمہؓ دائی کے رشتہ سے آپؐ پر اپنی قرابت جتائی، آپؐ نے بغیر فدیہ لئے اپنے حِصّہ کے اسیرانِ جنگ کو رہا کر دیا مسلمانوں نے بھی اپنے نبیؐ کی تقلید کی، اور سب کو بغیر معاوضہ لئے چھوڑ دیا۔

قرآن کے الفاظ!

جنگ حنین کا ذکر، سورۃ توبہ میں، قرآن مجید نے ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے:۔

لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ ویوم	اللہ نے بہت سی موقعوں پر تمہاری مدد کی،
حنین اذا عجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم	اور حنین کے دن بھی، جب تم کو اپنی کثرت
شیئاً، وضاقت علیکم الارض بمارحبت	پر ناز تھا، حالانکہ وُہ کچھ کام نہ آئی، اور زمین

ثم ولّیتم مدبرین، ثم انزل اللہ سکینتہ علیٰ رسولہ وعلیٰ المومنین وانزل جنودا لم تروھا، وعذب الذین کفروا، وذلک جزاء الکافرین۔

باوجود اپنی وسعت کے تمہارے اوپر تنگ ہوگئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگے، پھر اللہ نے اپنے رسول اور مسلمانوں پر تسلّی نازل کی، اور وُہ فوجیں (فرشتوں کی) اتاریں، جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا دی، اور کافروں کا بدلہ یہی ہے۔

تقسیمِ غنائم!

اِسی جنگ کے مالِ غنیمت کی تقسیم پر انصار کے بعض لوگوں میں بددلی پیدا ہوئی تھی جس پر آپؐ نے وُہ مشہور خُطبہ دیا تھا، کہ "کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں، اور تم محمدؐ کو، اپنے گھر لے چلو!"

خاص واقعات!

اِس سال کے خاص خاص واقعات یہ ہیں:-

۱۔حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے حضرت ابراہیمؑ تولّد ہوئے، جن سے آنحضرتؐ کو بہت محبت تھی، لیکن ۱۷یا۱۸ مہینے کی عمر پاکر اس دُنیا سے رخصت ہوگئے، اِس سانحہ کا آپؐ کو بہت صدمہ ہوا

۲۔آنحضرتؐ کی صاحبزادی، حضرت زینبؓ کا بھی اسی سال اِنتقال ہوا۔

حنین کے معرکہ میں کفّارِ عرب کی شکست نے، ان کی قوت وطاقت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کردیا، ان کی سرکشی اور بغاوت کے جراثیم فنا ہوگئے، اور وُہ تسلیم ورضا کی زندگی بسر کرنے کے خوگر ہوگئے۔

جنگِ تبوک!

یہ سب سے آخری جنگ ہے، جس میں آنحضرتؐ نے شرکت فرمائی۔ یہ رجب المرجب ۹ھ میں وقوع پذیر ہوئی۔

شکست کا داغ!

جنگِ موتہ میں غسانی بادشاہ کو مسلمانوں کے مقابلہ میں جو زک اٹھانی پڑی تھی، اس کا بدلہ لینے کے لئے، اس نے اس سال پھر وسیع پیمانہ پر جنگ کی تیاریاں شروع کیں، قیصرِ روم (ہرقل) سے بھی مدد طلب کی، اس نے چالیس ہزار کا لشکرِ گراں بھیجا، وہ مدینہ پر چڑھائی کرنے کے منصوبے بنانے لگا۔

آنحضرتؐ کو بھی ان واقعات کی اطلاع ملی، اور آپؐ نے بھی مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

نازک دور!

اگرچہ مسلمان مکّہ فتح کر چکے تھے، لیکن درہم و دینار سے ان کے جیب و دامن خالی تھے،

گرمی بڑی تیز تھی، قحط کا خطرہ بھی سر پر منڈلا رہا تھا! اور مقابلہ وقت کی ایک بہت بڑی اور دولت مند حکومت سے تھا، منافقوں کو، اپنی سرگرمیاں تیز کرنے کا اچھا موقع ہاتھ آیا، چنانچہ وہ مسلمانوں کو موسم کی شدّت سے ڈرانے لگے۔ اسی پر قرآن مجید میں وارد ہوا۔

وقالوا لا تنفروا فی الحر قل نار جہنم اشد حرا۔

ان لوگوں (منافقوں) نے (مسلمانوں سے) کہا، گرمی میں (جنگ کے لئے) نہ نکلو، کہہ دو کہ جہنم کی آگ (اس سے) کہیں زیادہ گرم ہے۔

مسلمانوں کا ایثار اور جوش!

جو مسلمان دولت مند تھے، انہوں نے موقع کی نزاکت کو ملحوظ رکھتے ہوئے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں، صرف حضرت عثمانؓ نے دو سو اوقیہ چاندی اور دو سو اونٹ پیش کئے، ان کو "مجہز جیش العسرہ" (تنگ حال لشکر کے ساز و سامان کا انتظام کرنے والا! ابن خلدون) کا خطاب ملا، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے چالیس ہزار درہم پیش کئے، حضرت عمرؓ نے تمام اثاث البیت (نقد و جنس) کا نصف لا کر پیش کر دیا، حضرت ابوبکرؓ کے گھر میں جو کچھ تھا، سب کچھ لا کر نبیؐ کے قدموں پر ڈال دیا، ابو عقیل انصاری نے دو سیر چھوہارے لا کر پیش خدمت کئے، رات بھر پانی نکال نکال کر ایک کھیت کو سیراب کیا، چار سیر خرمے مزدوری کے ملے، دو سیر حاضر ہیں، آپؐ نے فرمایا "ان خرموں کو تمام قیمتی عطیات پر بکھیر دو!" جو مسلمان زادِ راہ کا انتظام نہ کر سکے، وہ اس سعادت سے محرومی پر پھوٹ پھوٹ کر روتے تھے۔

حضرت علیؓ کا منصب!

آنحضرتؐ جب مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے، تو کسی کو شہر کی امارت سونپ جاتے اس مرتبہ ازواجِ مطہراتؓ ساتھ نہیں جا رہی تھیں۔ اس لئے مناسب یہ تھا کہ خاندان کے کسی فرد کو یہاں چھوڑا جائے، چنانچہ اس مرتبہ شہر کی امارت کا کام حضرت علیؓ کے سپرد ہوا۔ انہوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہؐ، آپؐ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جاتے ہیں؟" آپؐ نے فرمایا: "کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ تم کو مجھ سے وُہ نسبت ہو، جو ہارون کو موسیٰؑ سے تھی"

تیس ہزار کا لشکر!

غرض آنحضرتؐ تیس ہزار نفوس کا لشکرِ جرّار لے کر عیسائی سامراج کے مقابلہ کو نکلے، دس سوار تھے، باقی پیادے، لیکن عالم یہ تھا کہ ۱۸ آدمیوں کے لئے ایک اونٹ مقرر تھا، جس پر وہ باری باری سے سوار ہوتے تھے، رسد کی کمی کے باعث، اکثر درختوں کے پتّے کھانے پڑے، جب پانی کہیں نہ ملتا، اور پیاس نڈھال کر دیتی تو قلت کے باوجود، کسی اونٹ کو ذبح کر دیا جاتا، اور اس کا جمع کیا ہوا پانی جو نکلتا، وہی سب مسلمان تھوڑا تھوڑا کر کے پیتے۔

کفّار ہمت ہار گئے!

مسلمانوں کا یہ دم خم، یہ سودائے شہادت اور جوشِ جہاد، یہ بے لوثی اور خدا پرستی، یہ ایثار اور قربانی دیکھ کر کافر ہمت ہار گئے، اور انہوں نے حملہ کرنے کا خیال ترک کر دیا۔

تبوک میں آپؐ نے بیس دن قیام فرمایا، ایلہ کا سردار یوحنّا حاضر ہوا، اور جزیہ دینا منظور کر کے اسلام کی حفاظت میں آ گیا، جربا اور اذرح کے عیسائیوں نے بھی یہی کیا، دومۃ الجندل

کا رئیس، اکیدر قیصرِ روم کا باج گزار تھا، اور اسلام کا سخت دشمن، حضرت خالدؓ نے اسے گرفتار کر کے خدمتِ نبوی میں پیش کیا، آنحضرتؐ نے اس کی جاں بخشی کی، اس نے بھی جزیہ دینا منظور کر لیا

مدینہ کو واپسی!

اس مرحلہ سے فارغ ہو کر کامیابی کے ساتھ آپؐ مدینہ تشریف لائے مسلمانوں نے آنکھیں بچھا دیں، منافق جل گئے، وُہ یہ سمجھ رہے تھے، اب آنحضرتؐ مدینہ واپس نہیں آسکیں گے، عیسائی سلطنت آپؐ کو گرفتار کر لے گی، مدینہ واپس آکر، آپؐ نے منافقوں کی بنائی ہوئی مسجد میں آگ لگوا دی، اسی مسجد کو قرآن نے "مسجد ضرار" کے نام سے یاد کیا ہے۔ کہ اس کی بنیاد مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کے لئے رکھی گئی تھی۔

حجِ اکبر!

۹ھ میں مسلمانوں کے اہتمام و انصرام سے پہلی مرتبہ حج ہوا، آپؐ خود تشریف نہ لے جا سکے، حضرت ابوبکرؓ کو امیر حاج اور حضرت علیؓ کو نقیب بنا کر ۳۰۰ مسلمانوں کے ساتھ بھیجا، یہ پہلا حج تھا، جو صدہا برس کے بعد سنّتِ ابراہیمیؑ کے مطابق ادا ہوا، حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کو مناسکِ حج کی تعلیم دی، اور حضرت علیؓ نے اعلان کر دیا کہ

۱۔ اب کوئی مشرک خانہ کعبہ میں داخل نہ ہو سکے گا،

۲۔ صلح کے وُہ تمام معاہدے، جو مشرکوں سے ہوئے ہیں، آج کے چار ماہ بعد منسوخ ہو جائیں گے۔

۳۔ کوئی شخص برہنہ ہو کر حج نہیں کر سکے گا؛

شمعِ اسلام کے پروانے!

آنحضرتؐ کی دعوتِ اسلام، ایک ایسا پیام تھا، جو دل سے نکلتا تھا، اور دل پر اثر کرتا تھا، یوں تو کافر بھی تھے، مشرک بھی تھے، منافق بھی تھے، اور یہ سب اسلام، اور داعئ اسلام کا استیصال کرنے کے منصوبے بناتے رہتے تھے، لیکن اسلام کی دعوت ایک دفعہ جس کے دل میں گھر کر گئی، پھر بڑی سے بڑی قوت، بڑی سے بڑی طاقت، بڑی سے بڑی تعذیب اور ایذارسانی، بڑے سے بڑا لالچ، بڑی سے بڑی ترغیب و تحریص بھی اسے جادۂ اسلام سے منحرف نہ کر سکی۔

حضرت بلالؓ!

حضرت بلالؓ حبشی، امیہ بن خلف کے غلام تھے، جب امیہ کو معلوم ہوا کہ بلالؓ نے اسلام قبول کر لیا ہے، تو وہ بہت برہم ہوا، اور ایذا رسانی کے نت نئے طریقے اس نے ایجاد کئے حضرت بلالؓ کی گردن میں رسی باندھ کر انہیں لڑکوں کے حوالے کر دیا جاتا، اور وہ مکہ کی پہاڑیوں

پر انہیں کھینچے کھینچے پھرتے، گرم ریت پر انہیں لٹا دیا جاتا، اور گرم گرم پتھر ان کی چھاتی پر رکھ دیے جاتے مشکیں باندھ دی جاتیں، پھر لکڑی سے پیٹا جاتا، پہروں دھوپ میں بٹھایا جاتا کئی کئی وقت کے فاقے کرائے جاتے۔

لیکن مصائب کا یہ لرزہ خیز اور ہولناک تسلسل حضرت بلال رضؓ کو اسلام سے منحرف نہ کر سکا ہر نئی تکلیف اور مصیبت پر ان کے منہ سے صرف ایک ہی لفظ نکلتا! ——احد—— یعنی خدا ایک ہے —— آخر حضرت ابوبکر رضؓ نے آپ رضؓ کو خرید کر آزاد کر دیا، ۲۰ھ بہ مقام دمشق ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔

حضرت عمار رضؓ کا خاندان!

حضرت عمار رضؓ، ان کے والد یاسر رضؓ اور والدہ سمیہ نے اسلام قبول کر لیا، ابوجہل اسلام کا بدترین دشمن تھا، وہ اس مسلمان کنبہ کو طرح طرح کی اذیتیں دیتا، مارتا، پیٹتا، ایک روز آنحضرت ﷺ نے تعذیب کا یہ منظر دیکھا، اور فرمایا "اصبروا یا آل یاسر فان موعدکم الجنۃ" "صبر کرو تمہارا مقام جنت ہے" ابوجہل کی شقاوت کی انتہا اس پر ہوئی کہ اس نے حضرت سمیہ رضؓ کے اندامِ نہانی میں نیزہ مار کر انہیں ہلاک کر دیا۔

حضرت صہیب رضؓ کا دورِ ابتلا!

جب مسلمانوں کو ہجرت کی اجازت ملی، اور وہ اپنے دیس سے نکلے تو بھی کافروں نے انہیں طرح طرح سے ستایا، حضرت صہیب رضؓ رومی جب ہجرت کرنے لگے تو کفار نے انہیں گھیرے میں لے لیا، اور کہا "جب تو مکہ میں آیا تھا، تو مفلس اور قلاش تھا، یہاں رہ کر تو نے دولت کما

آج تو سب مال و زر لے کر جانا چاہتا ہے، یہ کبھی نہیں ہو سکتا"۔

صہیب رضؓ نے کہا" اگر اپنا سارا مال تمہیں دے دوں تب تو جانے دو گے"؟

جواب ملا،

"ہاں پھر جانے دیں گے"!

حضرت صہیب رضؓ نے سب کچھ دے دیا، اور خالی ہاتھ ہجرت کو روانہ ہو گئے آنحضرت صؐ نے یہ واقعہ سن کر فرمایا" صہیب رضؓ نے اس سودے میں اچھا نفع کمایا"

ابو سلمہ رضؓ کی ہجرت!

حضرت ام سلمہ رضؓ کہتی ہیں، میرے شوہر ابو سلمہ رضؓ نے ہجرت کا ارادہ کیا، میں اونٹ پر بیٹھ گئی، گود میں میرا بچہ سلمہ تھا جب ہم روانہ ہوئے تو بنو مغیرہ نے آ کر گھیر لیا، اور کہا" تو جا سکتا ہے، مگر ہماری لڑکی (ام سلمہ) کو نہیں لے جا سکتا" اتنے میں بنو عبد الاسد آ گئے، انہوں نے کہا "تو جا سکتا ہے مگر ہمارے (قبیلہ کے) بچہ کو نہیں لے جا سکتا"! ان لوگوں نے اونٹ کو بٹھایا بنو عبد الاسد نے بچہ کو چھین لیا، اور بنو مغیرہ نے ام سلمہ رضؓ کو، لیکن راہِ اسلام کا مہاجر زن و فرزند سے بے پروا، اپنی منزل کی طرف بڑھ گیا۔

انس رضؓ بن نضر!

جنگ احد میں جب وہ نازک مرحلہ آیا، جب بہت سے مسلمانوں کے دل چھوٹ گئے، اور شکست آنکھوں کے سامنے پھرنے لگی، اور رسول اللہ صؐ کی شہادت کا شہرہ ہوا، تو حضرت انس رضؓ نے جوش کے عالم میں کہا" پھر ہم کیوں زندہ رہیں؟ تلوار نکال کر بڑھے، اور

۰، زخم جسم پر کھا کر شہید ہو گئے۔

یہ جاں نثاری کا جوش، کیا صرف، اسلام ہی کا پیدا کیا ہوا نہیں تھا؟

حضرت خبیبؓ کی شہادت!

جنگِ اُحد میں حضرت خبیبؓ نے حارث کو قتل کر دیا تھا، ایک مرتبہ یہ گرفتار ہو گئے، حارث کے بیٹوں نے انہیں خرید لیا اور بے آب و دانہ انہیں ایک جگہ قید کر دیا، اتفاقاً گھر کا ایک بچہ چھُری سے کھیلتا ہُوا، ان کے پاس آگیا، انہوں نے اس سے چھری لے لی، اور زانو پر بٹھا لیا، ماں بچّہ اور چھُری کو خبیبؓ کے پاس دیکھ کر لرز گئی، یہ وُہی قیدی تو تھا، جو جانتا ہے کہ قتل کیا جائے گا، اور جو بے آب و دانہ قید تھا۔ وُہ چیخ مار کر دوڑی خبیبؓ نے کہا "تم سمجھتی ہو کہ میں اِس معصوم بچہ کو قتل کر دوں گا، مسلمان کا کام غدّاری نہیں ہے"

پھر خبیبؓ کے قتل کی تیاریاں ہوئیں، کہا گیا، "اگر اسلام سے باز آجاؤ، تو رہا کر دیئے جاؤ گے،" فرمایا "اسلام کے بغیر زندہ رہ کر کیا کریں گے"؟

آخری تمنّا، قتل ہونے والے سے پوچھی گئی، کہا "صرف دو رکعت نماز پڑھنا چاہتا ہوں،" اجازت مل گئی، جلدی سے نماز پڑھی، اور قتل کے لئے بیٹھتے ہوئے فرمایا "میں دیر تک نماز پڑھتا لیکن تم کہو گے کہ موت سے ڈرتا ہے"!

پھر یہ جیالا مسلمان صلیب پر لٹکا دیا گیا، اور وفات پانے کے بعد نیزہ کی انی سے جسمِ مبارک کے ایک ایک حِصّہ پر چرکے لگائے گئے۔

شہادت کے ایسے جاں نواز منظر چشمِ فلک نے ضرور دیکھے ہیں لیکن کتنے؟

صید اور صیّاد!

ابو برا آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہا نجد میں اسلام کی تعلیم و تربیت دینے کے لئے کچھ مسلمان میرے ساتھ کر دیجئے اور حفاظت کا یقین دلایا، آپؐ نے منذر بن عمرؓ انصاری کو ۷۰ صحابہ سمیت روانہ کر دیا، بئر معونہ پر پہنچنے کے بعد، حضرت حرام بن ملحان کو نامہ نبویؐ دے کر طفیل (حاکم) کے پاس بھیجا گیا، یہاں جبار بن سلمیٰ نے طفیل کے اشارہ سے حرامؓ کی پیٹھ میں نیزہ مارا جو سینہ توڑتا ہوا نکل گیا۔

معلوم ہے شہید نے گرتے گرتے کیا کہا؟ کہا "فزت برب الکعبہ" (خدائے کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا)

قاتل پر اس چھوٹے سے جملہ نے ایسا اثر کیا، کہ وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا، یعنی صیاد خود صید بن گیا۔

شوقِ شہادت!

ذوالبجادین نے چچا کی مخالفت مول لے کر اسلام قبول کر لیا، چچا نے بدن کے کپڑے تک اتروا لئے، بالکل برہنہ حالت میں ماں کے پاس آئے، ایک کمبل لے کر آدھا باندھا، آدھا اوڑھا، اور مسجد نبوی میں پہنچ گئے۔ آنحضرتؐ نے اپنے پاس ٹھہرا لیا، ایک دفعہ یہ زور زور سے قرأت کر رہے تھے، حضرت عمرؓ نے ٹوکا، آپؐ نے فرمایا "عمرؓ اسے کچھ نہ کہو، اس نے خدا اور خدا کے رسولؐ کے لئے سب کچھ چھوڑ دیا ہے" ان کا نام عبدالعزیٰ تھا، آنحضرتؐ نے عبداللہ رکھا، اور لقب ذوالبجادین۔

جب جنگ تبوک کی تیاری ہونے لگی تو نشۂ شہادت سے مخمور ہو کر خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا: "یا رسول اللہ، دعا فرمائیے کہ مجھے شہادت نصیب ہو۔" آپؐ نے فرمایا جاؤ کسی درخت کی چھال لے آؤ، وہ چھال لائے، آنحضرتؐ نے اُن کے بازو پر باندھ دی، اور فرمایا "الٰہی میں کفار پر اس کا خون حرام کرتا ہوں" عبداللہ ذوالمجادین نے کہا "یا رسول اللہ! میں تو شہادت کا آرزومند ہوں" آپؐ نے فرمایا: "جب غزا کے ارادہ سے نکلو، بخار آجائے اور وفات پاجاؤ، تو بھی تمہیں شہادت کا درجہ ملے گا!"

یہی ہوا، تبوک پہنچ کر بخار میں مبتلا ہوئے، اور شہادت کے منصب پر فائز ہوئے۔ بلال بن حارث مزنی کہتے ہیں: "رات کا وقت تھا، بلال کے ہاتھ میں چراغ تھا، ابوبکرؓ و عمرؓ لاش کو قبر میں رکھ رہے تھے آنحضرتؐ بھی قبر میں اترے، اور ابوبکرؓ و عمرؓ سے فرمایا، "ادبا الٰی اخاکما" "اپنے بھائی کا ادب ملحوظِ خاطر رکھو،" پھر آپؐ نے قبر پر اپنے دستِ مبارک سے اینٹیں رکھیں اور فرمایا "خدایا! آج کی شام تک میں اس سے خوشنود رہا ہوں تو بھی اپنی رضا کی نعمت سے مالا مال کر!"

ابن مسعود نے کہا: "کاش میں اس قبر میں رکھا گیا ہوتا؟"

شہادت کے متوالوں کی یہ سرفرازی کیا تعجب انگیز ہے؟

کعب بن مالک کا امتحان!

اسلام کی راہ میں کیسی کیسی کڑیاں جھیلنا پڑتی تھیں، اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوگا۔ آنحضرتؐ جب تبوک جا رہے تھے، تو بظاہر یہی اندیشہ تھا کہ فتح کفار کو ہوگی، اور مسلمان

مٹ جائیں گے، چنانچہ منافقین نہ صرف یہ کہ اس جنگ میں ساتھ نہیں گئے، بلکہ آپؐ کی عدم موجودگی میں مخالفانہ پروپیگنڈا کرتے رہے، جنگِ تبوک کے لئے نہ جانے والوں میں بعض مخلص صحابہ بھی تھے، جو محض سستی کی وجہ سے نہ جا سکے تھے، آنحضرتؐ نے ادروں کو سب کو معافی دے دی، لیکن مخلصین کو نہ دی، ان میں سے ایک حضرت کعبؓ بن مالک انصاری بھی ہیں، وُہ خود اپنا قصہ یوں بیان کرتے ہیں۔

"میرے پاس سفر کا سامان تیار تھا، میری حالت ایسی اچھی تھی کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی، اس سفر کے لئے میں نے دو مضبوط اونٹ بھی خرید لئے تھے، میں نے طے کر لیا تھا جس روز کوس رحیل بجے گا، میں بھی ساتھ ہو لوں گا، جس روز اسلامی فوج روانہ ہوئی مجھے ایک معمولی سا کام درپیش آگیا، میں نے کہا آج نہ سہی، کل سہی، کل جا ملوں گا، اسی طرح ۳۰ دن گزر گئے، اور میں روانہ نہ ہو سکا، اب لشکرِ اسلام اتنی دُور نکل گیا کہ میرا تعاقب کرنا بیکار تھا، مجھے بڑا صدمہ ہوا، لیکن کیا کرتا۔

ایک روز میں گھر سے باہر نکلا، تو منافقین اور معذورین کے سوا کوئی نظر نہ آیا، میں بہت شرمندہ ہوا، یہاں تک کہ آنحضرتؐ غزوہ سے واپس تشریف لے آئے، میں حیران تھا کہ کیا کروں اور کیا کہوں؟ اور کیونکر عتابِ نبویؐ سے محفوظ رہوں؟ دوسرے لوگوں نے عذر تراشیاں اور حیلہ جوئیاں کیں مگر میں نے فیصلہ کیا، نجات صرف سچ ہی بولنے سے مل سکتی ہے، آخر میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپؐ نے مجھے دیکھا اور تبسّم فرمایا، تبسّم خشم آمیز تھا، میرے اوسان گئے تو اس غائب ہو گئے، آپؐ نے دریافت فرمایا:

"کعب تم کیوں رہ گئے تھے؟ کیا سامان مہیّا نہ تھا؟"

میں نے عرض کیا

"یا رسول اللہ میرے پاس سب کچھ تھا لیکن نفس نے مجھے غافل بنا دیا، کاہلی نے مجھ

پر غلبہ پالیا، شیطان نے مجھ پر حملہ کیا، اور مجھے محروم کر دیا۔"

آپ نے فرمایا۔

"تم اپنے گھر ٹھہرو، اور حکمِ الٰہی کا انتظار کرو!"

بعض لوگوں نے کہا اگر تم کوئی حیلہ کر دیتے، تو بچ جاتے، میں نے کہا، "اللہ کے رسول

پر میرا جھوٹ ضرور کھل جاتا۔"

پھر میں نے لوگوں سے پوچھا،

"کیا یہ حکم کسی اور کے لئے بھی ہے؟"

جواب ملا:

"ہاں، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع کے لئے بھی یہی حکم ہوا ہے۔"

پھر آپ نے حکم دیا، کوئی مسلمان ہم تینوں سے بات چیت نہ کرے، میل جول ترک کے

اب زندگی ہمارے لئے وبال ہو گئی، ہلال اور مرارہ بوڑھے تھے، گھر سے باہر نہ نکلے، میں جوان

تھا، گھر سے نکلتا، مسجدِ نبوی میں جاتا، نماز پڑھ کر ایک گوشہ میں تنہا بیٹھ جاتا، آپ محبت بھری

نگاہوں سے مجھے دیکھتے، میری دل شکستگی ملاحظہ فرماتے، جب میں آپ کی جانب نظر اٹھاتا

تو آپ اعراض فرماتے۔

مسلمانوں کی یہ کیفیت تھی کہ کوئی مجھ سے بات کرنے کا روادار نہ تھا۔ نہ کوئی میرے سلام کا جواب دیتا، ایک روز نہایت مایوس و مغموم حالت میں مدینہ سے باہر نکلا، ابوقتادہ رضؓ میرے چچازاد بھائی تھے۔ ہم دونوں میں بڑی محبت تھی، سامنے ان کا باغ تھا، وہ وہاں کچھ بنوا رہے تھے، میں ان کے پاس گیا، سلام کیا، انہوں نے جواب تک نہ دیا، منہ پھیر کر کھڑے ہو گئے، میں نے کہا، "ابوقتادہ رضؓ تم خوب جانتے ہو کہ میں خدا اور رسول صؐ سے محبت کرتا ہوں، نفاق و شرک کا میرے دل پر ذرہ برابر اثر نہیں!" ابوقتادہ رضؓ اب بھی خاموش رہے میں نے تین بار یہی بات دہرائی، آخر ابوقتادہ رضؓ نے صرف اتنا کہا، "اللہ اور اس کا رسول صؐ سب کچھ جانتا ہے"، میرا دل بھر آیا، اور میری آنکھیں پُرنم ہو گئیں، شہر واپس آیا، تو ایک عیسائی ملا، یہ شاہِ غسان کا نامہ بر تھا، اس نے مجھے اپنے بادشاہ کا خط دیا۔ جس میں لکھا تھا "ہم نے سنا ہے۔ تمہارا سردار تم سے ناراض ہو گیا ہے۔ دوسرے لوگ بھی تم پر جور و ستم کر رہے ہیں ہمیں تمہارے درجہ کا پورا احساس ہے، تم بے التفاتی کے مستحق نہیں ہو، نہ اس کے سزاوار کہ تمہیں بے عزت کیا جائے، تم یہ خط پڑھتے ہی میرے پاس آ جاؤ۔ پھر دیکھو میں تمہارا کیسا اعزاز و اکرام کرتا ہوں"، خط پڑھتے ہی میں نے کہا اس سے بڑھ کر کیا مصیبت ہو سکتی ہے کہ ایک عیسائی مجھ پر اور میرے دین پر قابو پانے کی آرزو کرنے لگا ہے۔ میں نے خط قاصد کے سامنے نذرِ آتش کر دیا، اور کہہ دیا "جاؤ کہہ دینا، اے بادشاہ، تیری عنایت اور مہربانی کے مقابلہ میں مجھے اپنے آقا صؐ کی بے التفاتی ہزار درجہ پسند ہے!"

میں گھر پہنچا، تو دیکھا آنحضرت صؐ کی طرف سے ایک آدمی آیا ہے، اس نے کہا رسول اللہ صؐ

نے حکم دیا ہے، تم اپنی بیوی سے علیحدہ رہا کرو۔" میں نے پوچھا" کیا طلاق کا حکم دیا ہے؟" کہا نہیں صرف علیحدہ رہنے کا حکم دیا ہے۔" میں نے اپنی بیوی کو اس کے میکے بھیج دیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ ہلال اور مرارہ کو بھی یہی حکم دیا گیا ہے، ہلال کی بیوی، آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور کہا" ہلال کمزور و ضعیف ہیں، ان کی خدمت کے لئے کوئی خادم بھی نہیں، اگر حکم ہو تو ان کی خدمت کرتی رہوں؟" فرمایا" ہاں لیکن بستر سے الگ"! وہ بولیں، یارسول اللہ ہلال کا رنج و غم سے ایسا حال ہے کہ انہیں کوئی اور خیال بھی نہیں آتا"!

بعض لوگوں نے مجھ سے کہا" تم بھی اپنی بیوی کے لئے خدمت کی اجازت لے لو، لیکن میں نے انکار کر دیا، اسی طرح پچاس دن گزر گئے، ایک رات میں اپنی چھت پر لیٹا ہوا اپنی حالت پر کڑھ رہا تھا کہ سلع کی پہاڑی پر چڑھ کر جو میرے گھر کے متصل تھی، ابوبکرؓ نے کہا، "کعبؓ کو مبارک ہو کہ اس کی توبہ قبول ہو گئی"، لوگ مجھے مبارکباد دینے دوڑ پڑے، میں نے سجدۂ شکر کیا، اور آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچا، آپؐ کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح تاباں ہو رہا تھا، آپؐ نے بھی مجھے مبارکباد دی کہ تیری توبہ قبول ہو گئی۔ میں نے عرض کیا" یارسول اللہ اس قبولیت کے شکرانے میں اپنا سارا مال و اسباب راہِ خدا میں صدقہ دیتا ہوں"!

آپؐ نے فرمایا،

"نہیں"!

میں نے عرض کیا

"اچھا نصف"

آپؐ نے فرمایا

"نہیں وُہ بھی نہیں"

میں نے عرض کیا

"تیسرا حصّہ؟"

آپؐ نے فرمایا

"ہاں ثلث، ٹھیک ہے"!

ایمان کی یہ استقامت، کیا اِسلام کا زندہ معجزہ نہیں؟

مُلاحظات

دنیا کی تاریخ، سپہ سالاروں اور جنگ آزماؤں، خُون کی ندیاں بہا دینے والوں اور آبادیوں کو بن بنا دینے والوں، بے رحمی اور شقاوت کا مظاہرہ کرنے والوں، سفاکی اور درندگی، قتلِ عام، خوں ریزی، لوٹ مار، غارت گری اور ایذا رسانی کے نت نئے طریقے ایجاد کرنے والوں کی داستانوں سے بھری ہوئی ہے، اِس تاریخ میں سکندر کا نام بھی آتا ہے، اور ہنی بال کا بھی، چنگیز کا بھی اور ہلاکو کا بھی، ہٹلر کے راکٹ کا بھی، اور روز ویلٹ کے ایٹم بم کا بھی۔

ان جرنیلوں اور کمانداروں، سپہ سالاروں اور جنگ آزماؤں کی تاریخ میں کیا ملتا ہے؟ یہی کہ لڑائی لڑے اور جی کھول کر لڑے، غیر مصافی آبادیوں پر بم باری کی، ہسپتالوں پر آگ برسائی، شہروں کو کھنڈر بنا دیا، جو سامنے آ گیا، اسے ہلاک کر دیا، اسیرانِ جنگ کے ساتھ لرزہ خیز اور جنگِ انسانیت مظالم کیئے، ان کے بچوں کو ہلاک کر دیا، ان کی عورتوں کی

.....بے آبروئی کی، ان کے مردوں کو تہِ تیغ کیا، ان کی جاگیر، جائداد، املاک پر قبضہ کر کے انہیں مفلس اور قلاش بنا دیا۔ عہدِ جاہلیت میں بھی یہی ہوتا تھا، قرونِ وسطیٰ میں بھی یہی ہوا اور آج کہ دنیا ارتقا و عروج کے نصف النہار پر ہے آج بھی یہی ہو رہا ہے۔ جرمنوں کے کنسنٹریشن کیمپ، فرانسیسیوں کے جرمن اسیرانِ جنگ پر، جاپانیوں کے امریکی اسیرانِ جنگ پر، انگریزوں کے اطالوی اسیرانِ جنگ پر، اطالویوں کے حبشی اسیرانِ جنگ پر، امریکیوں کے جاپانی قیدیوں پر، روسیوں کے جرمن قیدیوں پر، فرانکو کے اسپین کے خود اپنے ہی جمہوریت پسند اور عوام پرست طبقات پر جو مظالم ہوئے، ان کا تعلق اگر ماضی سے ہے، تو صرف ماضی قریب سے، یہ ابھی فراموش نہیں ہوئے، اخبارات کے کالموں، کتابوں کے صفحات پر اب تک نقش ہیں، اور رہتی دنیا تک نقش رہیں گے۔

ماضی اور حال کے ان واقعات کو پیشِ نظر رکھ کر، داعیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جہاد پر ایک نظر ڈالیے۔ جہاد کے لفظ کو مغربی (اور بعض ہمسایہ) ممالک کے مورخین نے بڑا ڈراؤنا اور مہیب بنا دیا ہے، لیکن پچھلے صفحات میں آپ جہاد کی واقعاتی تاریخ پر ایک نظر ڈال چکے، اس جہاد میں آپ نے کیا دیکھا؟ کیا وہی طمطراق، اور جاہ و جلال، وہی دبدبہ اور فرعونیت وہی سفاکی اور درندگی، وہی بربریت اور وحشت کے مظاہرے، جو نامسلموں کے ہاتھوں محکوموں اور مظلوموں پر ہمیشہ ہوتے آئے ہیں؟

نہیں، ہرگز نہیں!

پھر کیا؟

آپؐ نے دیکھا کہ محمدؐ بن عبداللہ کا جہاد، ملک گیری کے لئے نہ تھا، لوگوں کو غلام بنانے کے لئے نہ تھا، حفاظتِ خود اختیاری کے لئے تھا، اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے تھا، یہ جہاد اس حالت میں لڑا گیا کہ نماز کا سلسلہ برابر جاری رہا، خدا کی درگاہ میں گڑگڑا کر دعائیں کی جاتی رہیں، فقر و فاقہ کا یہ عالم کہ پیغمبر سے لے کر امتی تک، سب پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے، بے سر و سامانی کی یہ کیفیت کہ نہ ضرورت کے مطابق سامانِ جنگ، نہ حالات کے مطابق رسد، پھر بھی، یہ جہاد جاری رہا۔

مگر کس طرح؟

یہ جہاد، جو کئی برس تک جاری رہا، اس طرح کیا گیا، کہ بوڑھوں سے کف ید کر لیا گیا عورتوں پر، حتیٰ کہ جگر خوار سیدالشہدا حمزہ ــــ ہندہ ــــ تک پر تلوار نہیں اٹھائی گئی، جو گرفتار ہوئے، انہیں گرفتار کرنے والوں نے شکم سیر کر کے کھلایا، اور خود بھوکے رہے، پھر انہیں فدیہ لے کر رہا کر دیا، اور جو فدیہ نہ دے سکے، انہیں رحمۃ اللعالمینؐ کی رحمت و شفقت نے بغیر کسی اجر اور معاوضہ کے رہائی بخش دی، نہ ان کے پچھلے اعمالنامے دیکھے، نہ ان کی ہسٹری شیٹ دیکھی گئی، نہ انہیں اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا گیا۔

دنیا نے جنگ میں پہلے بھی سب کچھ جائز سمجھا، اور آج بھی سب کچھ جائز سمجھتی ہے لیکن اسلام کے مجاہدوں نے، اور ان مجاہدوں کے سردار، اور آقا نے ربا بائنا و اماتنا، جنگ کی حالت میں بھی صدق قول کا پورا پورا لحاظ رکھا، نقضِ عہد، کبھی اور کسی حالت میں نہ ہونے دیا، ابوجندل کا قصہ (صلحِ حدیبیہ) آپ پڑھ ہی چکے ہیں۔ دشمن نے دھوکا بھی دیا، بدعہدی

بھی کی، معاہدے بھی توڑے، قول و قرار کا پاس بھی نہیں کیا، لیکن اسلام کے مجاہدِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اور کسی حالت میں بھی یہ روا نہ رکھا کہ کافروں کے ساتھ بھی بدعہدوں کے ساتھ بھی، عہد شکنی روا رکھی جائے۔

اِسلام نے لوگوں کے قلوب بدل دیئے، بزدلوں کو بہادر بنا دیا۔ ڈاکوؤں اور لٹیروں کو مجاہد بنا دیا۔ داعیِ اسلام کے فیضِ صحبت، اور فیضِ تربیت نے دنیا پرستوں کو، بات بات پر لڑنے والوں کو منظم، اور با اصول بنا دیا، ان میں اسلام کے لئے مر مٹنے کا جذبہ اور ولولہ پیدا کر دیا لیکن یہ لوگ بھی بہرحال آدمی تھے، اور بشریت کے ساتھ، بشری کمزوریوں کا ہونا ناگزیر ہے، آپ نے دیکھا جنگِ اُحد اور جنگِ حنین وغیرہ میں، بہت سے مسلمانوں کے اور ان میں بھی بعض بہت بڑے بڑے مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے، دل چھوٹ گئے۔ ہمت نے جواب دے دیا، لیکن ایک ہستی تھی، جو اپنے قول و عمل سے پکار پکار کر کہہ رہی تھی۔

انا النبی لا کذب

انا ابن عبد المطلب

میں سچّا نبیؐ ہوں، عبد المطلب کا فرزند!

صورتِ حال کی بڑی سے بڑی نزاکت بھی اسلام کے مجاہدِ اعظمؐ کے پائے استقامت میں جنبش نہ پیدا کر سکی، جس نے جہاد کو کارِ ثواب بنا دیا ہو، جس نے غلبہ اور استطاعت کے باوجود دشمن کی کمزوری سے کبھی کوئی ناجائز فائدہ نہ اٹھایا ہو، اس کے جہاد کو ملک گیری کی ہوس سے کون تعبیر کر سکتا ہے؟ اس کے جہاد کو کششِ مال و زر کا سبب کون قرار دے سکتا ہے؟

یہ وہی مجاہد تو تھا جس کے قدموں پر سونے چاندی کے ڈھیر لگے رہتے تھے، لیکن جس کے گھر فاقے ہوتے تھے، جس کی راتیں بغیر چراغ کے اندھیرے میں بسر ہوتی تھیں، جو اپنی زرہ رہن رکھ کر جو اور گیہوں قرض لیتا تھا، جس کی غذا میدانِ جنگ میں ستّو تھی، اور جو تیروں، اور تلواروں کی بوچھاڑ میں بھی نہ خدا کو بھولتا تھا، نہ عبادت کو۔

اور ہاں، یہ وُہ اسلام کا مجاہدِ اعظم تھا جس نے کئی جہادوں میں بہ نفسِ نفیس شرکت کی، صفیں آراستہ کیں، دشمن کے مقابلہ پر مسلمانوں کو روانہ کیا، لیکن خود جس نے کبھی کسی کی جان نہ لی، میدانِ جنگ میں بھی زخمی ہونے کے باوجود جس نے نہ کسی کافر پہ قاتلانہ حملہ کیا، نہ کسی کافر کی گردن قلم کی، کیوں؟ اس لئے کہ یہ بادشاہ نہ تھا۔ نبیؐ تھا، یہ لوگوں کی گردنیں کاٹنے کے لئے نہیں آیا تھا لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے آیا تھا۔ اس نے ہر جنگ سے پہلے دعوتِ اسلام دے کر اتمامِ حجت کیا، پھر جنگ کے لئے ہتھیار اٹھائے اور وُہ بھی بقدرِ ضرورت اس نے ان لوگوں کو جو جنگ کے میدان میں اور وطن کی سرزمین پر اس کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے، اسے ایذائیں دے رہے تھے، بد دعا تک نہیں دی، لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا "خدایا انہیں ہدایت دے کہ یہ مجھے نہیں پہچانتے۔"

فاتح کی حیثیت سے

فتحِ مکّہ!

صلحِ حدیبیہ ۶ھ میں ہوئی تھی، یہ معاہدہ بظاہر مسلمانوں نے آنحضرتؐ کے حکم سے دب کر کیا تھا، شرائطِ صلح کی ایک دفعہ یہ تھی کہ جو قبائل مسلمانوں سے وابستہ ہونا چاہیں، اور جو قریش سے ملحق ہونا چاہیں انہیں پوری پوری آزادیٔ عمل ہے، چنانچہ خزاعہؓ نے نبی آخرالزمانؐ کا ظلِ عاطفت پسند کیا، اور بنو بکر قریش سے جا ملے، کسی نے کسی پر اعتراض نہیں کیا۔

بنو خزاعہؓ پر حملہ!

اس معاہدہ کو ابھی دو برس بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ بنو بکر نے قدیم عداوت کی بنا پر بنو خزاعہؓ پر حملہ کر دیا، قریش نے معاہدہ کے سراسر خلاف، بنو بکر کو ہر قسم کی مالی اور جنگی مدد دی بعض سردارانِ قریش نے عملی طور پر جنگ میں بھی حصہ لیا۔ خزاعہ مقابلہ نہ کر سکے، خانہ کعبہ میں پناہ گزین ہو گئے، مگر انہیں یہاں بھی اماں نہ ملی اور تلوار کی دھار پہ رکھ لئے گئے، یہ الہٰك الہٰك (اپنے خدا کے لئے اپنے خدا کے لئے) کہہ کہہ کر رحم کی دریوزہ گری کرتے تھے مگر ان کے

کانوں میں ایک ہی آواز آتی تھی،

لَا اِلٰہَ الْیَوْم — آج کے دن خدا کوئی چیز نہیں!

نبیؐ سے فریاد!

خزاعہ کے بچے کھچے آدمی آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچے، اور اپنی مظلومی کا ماجرا بیان کیا عمرو بن سالم خزاعی نے ایک دردانگیز نظم میں اپنی بپتا سنائی، انہوں نے کہا،

ان قریشا اخلفوك الموعدا — قریش نے آپ سے بدعہدی کی، انہوں نے

ونقضوا میثاقك الموكدا — مضبوط عہدنامے کو چاک چاک کر دیا،

اور آخر میں

فقتلونا رکعا وسجدا — انہوں نے ہمیں رکوع وسجود کی حالت میں قتل کر دیا۔

یہ واقعات وحالات سن کر آپؐ بہت ملول اور غمگین ہوئے۔

اتمامِ حجت!

اتمامِ حجت کے طور پر آپؐ نے قریش کے پاس ایک سفارت بھیجی، اور قریش کے سامنے حسب ذیل شرطیں رکھیں:۔

(۱) مقتولین بنو خزاعہ کا خوں بہا ادا کیا جائے۔

(۲) قریش بنو بکر کی حمایت ترک کر دیں۔

(۳) صلح حدیبیہ کو منسوخ کر دیا جائے۔

حالانکہ قریش نے عملاً صلحِ حدیبیہ کو منسوخ کر دیا تھا، اور اس کے اعلان و تکرار کی ضرورت نہیں تھی، پھر بھی آپؐ نے یہ چاہا کہ معاملہ اور زیادہ صاف ہو جائے قرطہ بن عمر نے آپ کے شرائط سُن کر قریش کی جانب سے کہا "صرف تیسری شرط منظور ہے!"

قریش کی ندامت!

آنحضرتؐ کی سفارت واپس گئی۔

اور اب قریش کو احساس ہُوا کہ انہوں نے کتنی بڑی اور ناقابلِ تلافی غلطی کی ہے اور اس کا انجام کتنا ہولناک اور تباہ کن ہوگا؟ ابوسفیان قریش کے سفیر بن کر مدینہ آئے، کہ صلح حدیبیہ کی تجدید کر لیں، لیکن اس مقصد میں انہیں ناکامی ہوئی، سفارشیں کرانے کی کوشش کی، مگر مجال کس کی تھی کہ آنحضرتؐ کے فیصلہ میں دخل دیتا کوئی بھی کام نہ آیا۔

مکہ کی طرف کوچ!

۱۰ رمضان ۸ھ کو مسلمانوں کا لشکر سیلِ گراں کی صورت میں مکہ کی طرف یلغار کرتا ہوا بڑھا، عرب کے حلیف قبائل، ساتھ آآ کر ملتے جاتے تھے، مرالظہران میں فوج خیمہ زن ہوئی، فوجیں دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھیں، مکہ یہاں سے صرف ایک منزل کے فاصلہ پر تھا۔

قریش کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے تحقیقِ احوال کے لئے ابوسفیان وغیرہ کو بھیجا، یہ گرفتار کر کے آستانۂ نبویؐ پر لائے گئے، حضرت عمرؓ نے مشورہ دیا کہ قتل کر دیا جائے، حضرت عباسؓ نے سفارش کی، ابوسفیان کے گزشتہ کارنامے اسی کے مستحق تھے کہ انہیں تہِ تیغ بے دریغ کرایا جاتا، مسلمانوں کی تباہی و بربادی میں داعیِ اسلام کی

ایذا رسانی میں، انہوں نے کون سا دقیقہ فروگزاشت کر رکھا تھا، اس وقت اگرچہ وُہ اسلام کے کوکبۂ جلال کو دیکھ کر لرز رہے تھے، لیکن اسلام اور نبیؐ کی صداقت اب تک پورے طور پر ان کے دل میں جاگزین نہیں ہوئی تھی، لیکن گرفتار شدہ ابوسفیان کسی کمانڈر یا شہنشاہ کے سامنے نہیں پیش تھے، وُہ رحمۃ للعالمین کے آستانہ پر حاضر تھے، اور یہاں رحمت عطاہی کے دریا بہائے جاتے تھے، چنانچہ ابوسفیان کی جاں بخشی کی گئی۔

مسلمانوں کا لشکر جب مکّہ کی طرف بڑھا تو آنحضرتؐ نے حضرت عباسؓ سے کہا ابوسفیان کو پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا کر دو، کہ افواج الٰہی کا جلال اپنی آنکھوں سے دیکھیں، اور یہاں پہنچ کر ابوسفیان کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں، یہ ان تباہ حالوں کا لشکر گراں تھا، جو کفار مکّہ کی ایذا رسانی سے تنگ آ کر مدینہ ہجرت کر گئے تھے، اور آج مکّہ کی طرف فاتحانہ یلغار کر رہے تھے، یہ پرچم اور علم، یہ موج در موج فوج، یہ جوشِ جہاد سے چُور، یہ شوقِ شہادت سے مخمور لشکر، ایسا نہ تھا جسے دیکھ کر ابوسفیان کی آنکھیں کھل نہ جاتیں، چنانچہ کھل گئیں۔

داخلہ کے احکام!

جب اسلامی لشکر کو مختلف راستوں سے شہر میں داخل ہونے کا حکم بارگاہِ نبویؐ سے ملا، تو ساتھ ہی یہ تاکید بھی کر دی گئی کہ

(۱) جو شخص خانۂ کعبہ میں پناہ گزین ہو جائے اسے قتل نہ کیا جائے۔

(۲) جو اپنے گھر میں بیٹھا رہے اس کی جان نہ لی جائے۔

(۳) جو ابوسفیان یا حکیم بن حزام (حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے) کے ہاں پناہ گزیں ہو جائے

اسے نہ مارا جائے۔

(۴) بھاگنے والے کا تعاقب نہ کیا جائے۔

(۵) زخمی کو ہلاک نہ کیا جائے۔

(۶) اسیر کو قتل نہ کیا جائے۔

مکہ میں داخلہ!

اسلامی فوج کے تمام دستے بغیر کسی مزاحمت کے مکہ میں داخل ہو گئے، صرف حضرت خالدؓ کے دستہ پر قریش کے ایک گروہ نے تیراندازی کی جس سے تین صحابہ شہید ہوئے، حضرت خالدؓ نے بھی جواب دیا، یہ لوگ ۱۳ لاشیں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

۲۰ رمضان کو آپؐ مکہ میں داخل ہوئے، یہ داخلہ، ایک بے یار و مددگار مسلمان کا نہیں تھا، قوم کے ستائے ہوئے ایک نبیؐ کا بھی نہیں تھا، ایک مہاجر اور معذور کا بھی نہیں تھا یہ داخلہ تھا، ایک فاتح کا، اور یہ فاتح اس وقت کیا کر رہا تھا؟ کیا تلواروں کے جلو میں چل رہا تھا؟ کیا خون کی ندیاں بہا رہا تھا؟ کیا قتل و غارت کا بازار گرم کئے ہوئے تھا؟ کیا لوٹ مار کر رہا تھا؟ کیا گناہگاروں، اور بے گناہوں کی پکڑ دھکڑ جاری تھی؟ نہیں ——— یہ سب کام تو بادشاہوں اور شہنشاہوں کے ہوتے ہیں، نبیؐ فاتح کا سر مبارک اس وقت جھکا ہوا تھا، اور سورۂ فتح کی تلاوت فرمائی جا رہی تھی [1] اور خالدؓ بن ولید سے بازپرس فرمائی جا رہی تھی، کہ "تم نے حملہ کیوں کیا؟" یہ کیسا عجیب فاتح تھا جو دشمنوں کے قتل و غارت، آہ و نالہ، فریاد و فغاں کا دلچسپی سے نظارہ نہیں کرتا، بلکہ اپنی فوج کو اس کام سے منع کرتا ہے، اور کفار کو امن کا تحفہ دیتا ہے

کیا دنیا نے کبھی ایسا فاتح دیکھا تھا؟ دیکھا ہے؟ دیکھ سکے گی؟ ــــ کلا ثم کلا!

بُت شکنی!

حرم کعبہ میں اس وقت ۳۶۰ بُت متمکن تھے، جو نہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتے تھے نہ نقصان لیکن ان کی خدائی پر عرب ایمان لائے ہوئے تھے، انہی سے دعائیں مانگتے تھے، انہی کے سامنے گڑگڑاتے تھے، آنحضرتؐ حرمِ محترم میں داخل ہوتے ہیں، آپؐ کے دستِ مبارک میں ایک چھڑی ہے، اس سے ان بتوں کو سرنگوں کرتے ہیں، اور فرماتے ہیں:۔

جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔ حق آگیا، اور باطل مٹ گیا، اور باطل مٹنے ہی کی چیز تھی۔

اس کام سے فارغ ہوکر عثمان بن ابی طلحہ کو طلب فرمایا، ان کا خاندان مدت سے کلید بردار چلا آرہا تھا، اور خانہ کعبہ کی کنجی طلب کی، یہ عثمان وُہ تھے جنہوں نے ابتدائے نبوت کے دور میں رسول اللہ کے ارشاد کے مطابق بیت اللہ کھولنے سے انکار کر دیا تھا، اور آپؐ نے فرمایا تھا: "ایک دن یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہو گی، میں جسے چاہوں گا، اسے عطا کروں گا" آج وُہ کنجی آپؐ کے ہاتھ میں تھی، عمِ رسول حضرت عباسؓ نے فرمایا، یہ کنجی بنو ہاشم کو عطا کی جائے آپؐ نے فرمایا: "الیوم یوم البر والوفاء" یعنی آج کا دن توسلوک کرنے، اور بخشش کرنے کا ہے" پھر کلید عثمان کو مرحمت فرمائی، اور کہا "یہ کنجی جو تم سے چھینے گا وُہ ظالم ہوگا!"

خطبہ نبوی!

اب آپؐ نے ایک خطبہ دیا:۔

"ایک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اس نے اپنا وعدہ سچا کیا، اپنے بندہ کی مدد کی، اور تمام جتھوں کو شکست دی، تمام مفاخر تمام پرانے خون کے دعوے، تمام انتقامات، خوں بہا سب میرے قدموں کے نیچے ہیں، اے گروہِ قریش! جاہلیت کی نخوت، اور نسب کا افتخار خدا نے مٹا دیا، تمام لوگ آدمؑ کی نسل سے ہیں، اور آدمؑ کا خمیر مٹی سے تھا!"

عفوِ عمومی!

قریش کے سردار، اور عوام سامنے موجود تھے، یہ وُہ لوگ تھے، جن کی تلواریں مسلمانوں کے خون سے رنگین تھیں، جن کے نیزوں سے اب تک شہیدوں کا خون ٹپک رہا تھا، جنہوں نے مسلمانوں کو جلاوطنی پر مجبور کیا، جنہوں نے مسلمانوں کی املاک وجائداد پر جابرانہ اور غاصبانہ قبضہ کر لیا، جنہوں نے مُسلمان عورتوں کی بے حُرمتی کی، جنہوں نے مسلمان قیدیوں کے ساتھ سفاکانہ سلوک کیا، جنہوں نے پیہم اور مسلسل عہد شکنیاں کیں لیکن ان کے دل دھڑک رہے تھے۔ موت ان کے سامنے کھڑی تھی، اعمالنامہ آنکھوں کے سامنے موجود تھا، اور یہ فیصلہ کے اپنی قسمت اور زندگی کے آخری فیصلہ کے منتظر تھے۔ نبیؐ فاتح نے ان کی طرف دیکھا، اور پوچھا،

"جانتے ہو آج میں تم سے کیا سلوک کرنے والا ہوں؟"

سب نے جواب دیا،

"تو شریف بھائی، اور شریف برادر زادہ ہے!"

زبانِ رسالتؐ سے ارشاد ہوا۔

لاتثریب علیکم الیوم اذھبوا انتم الطلقاءؐ   اب تم پر کچھ الزام نہیں۔ جاؤ، تم سب آزاد ہو۔

عکرمہ اور صفوان بن امیہ!

صفوان بن امیہ مکّہ کے بہت بڑے دولت مند اور با اثر شخص تھے، مکّہ پر جب اسلامی پرچم لہرانے لگا، اور مسلمانوں کا کامل تسلّط ہو گیا تو مکّہ سے جدہ ترکِ وطن کر کے چلے گئے، عمیر بن وہب کے ذریعہ جب آپؐ کو اطلاع ہوئی تو امان کی علامت کے طور پر آپؐ نے اپنا عمامہ بھیجا اور عمیر جدہ پہنچ کر انہیں پھر مکّہ واپس لے آئے۔

صفوان جنگِ حنین تک، اپنے مذہب پر قائم رہے، بعد میں مسلمان ہو گئے۔

عکرمہ ابوجہل کے فرزند تھے، یہ بھی ترکِ وطن کر کے یمن چلے گئے۔ موطا امام مالکؒ میں ان کے اسلام لانے کا واقعہ یُوں مذکور ہے:۔

"حارث بن ہشام کی صاحبزادی ام حکیم، عکرمہ بن ابوجہل کی بیوی تھیں، یہ مسلمان ہو گئیں، لیکن عکرمہ یمن چلے گئے، ام حکیم یمن گئیں، شوہر کو اسلام کی دعوت دی، وُہ مسلمان ہو گئے، اور مکہ واپس آئے، آنحضرتؐ نے جب انہیں دیکھا تو فرطِ مسرت سے اُٹھ کھڑے ہوئے، اور اس تیزی سے ان کی طرف بڑھے، کہ جسمِ مبارک پر چادر تک نہ تھی، پھر ان سے بیعت لی"

فتح مکہ کے بعد!

لیکن بہت سے لوگ تھے، جو اماں پانے کے باوجود، اپنے سابقہ دین پر قائم تھے

گ حنین میں جو فتح مکہ کے بعد برپا ہوئی، مکہ کے کافروں نے بھی مسلمانوں کے دوش بدوش
نگ میں حصّہ لیا۔

یہ واقعہ اس بات کا کافی اور شافی ثبوت ہے کہ اسلام کے قبول کرنے پر کسی کو مجبور
نیں کیا گیا۔ اور ایسا کیا بھی کیونکر جا سکتا تھا جب کہ داعیِ اسلامؐ کی زبانِ مبارک سے
ود اسلام کے بھیجنے والے خدا نے صاف صاف فرما دیا تھا۔

لا اکراہ فی الدین (دین کے معاملہ میں جَور و جبر روا نہیں)

ان کافروں نے آنحضرتؐ کو فتح سے پہلے اور فتح کے بعد اچھی طرح دیکھا اور پرکھا
ور کسی دور میں بھی انہیں

ادع الی سبیل ربك بالحکمة	کافروں کو موعظہ حسنہ سے اپنے
والموعظة	رب کے راستہ کی طرف بلاؤ!

ے اصول سے منحرف نہیں پایا، اور نتیجہ یہ ہوا کہ وُہ جوق در جوق اسلام کے حلقہ بگوش
وتے چلے گئے۔

حجۃ الوداع!

اسلام میں حج ۹ھ میں فرض ہوا، اسی سال آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو امیر حاج اور حضرت علیؓ کو نقیب بنا کر مکہ بھیجا، کہ مسلمانوں کو حج کرائیں، اسی موقع پر حضرت علیؓ نے سورۂ برات کا اعلان کیا۔

سنہ ۱۰ھ

اس سال آپؐ نے حج کا ارادہ فرمایا، یہ آپؐ کا آخری اور وداعی حج تھا، اسی لئے اسے حجۃ الوداع کہتے ہیں، عرفات میں جب آپؐ پہنچے تو میدان سرتاسر لوگوں سے بھرا ہوا تھا، سوا لاکھ کے قریب مسلمانوں کا اجتماع تھا۔

خطبۂ وداع!

اس موقع پر آپؐ نے پہاڑی پر چڑھ کر اور اپنی اونٹنی قصوا پر سوار ہو کر خطبہ دیا، یہ خطبہ دین و دنیا کی سعادتوں کا آخری اور مکمل دستور ہے، اس میں اجتماعی اور شخصی زندگی کے اصول

حسنِ اخلاق و کردار کی تعلیم کے خزائن ہیں، جو رہتی دنیا تک مسلمانوں کے لئے شمعِ ہدایت کا کام دیں گے۔

آپؐ نے فرمایا:

لوگو!

میں تمہیں خوفِ خدا کی وصیت کرتا ہوں، خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ ناحق کسی کی جان نہ لو، زنا نہ کرو، چوری نہ کرو۔

اے لوگو!

میرے بعد کوئی نبی نہیں، اور تمہارے بعد کوئی نئی امت نہیں، سنو، اس سال بعد شاید تم مجھے نہ دیکھو، خوب اچھی طرح سُن لو، شاید اس سال بعد تم مجھے پھر کبھی نہ دیکھو گے، علم اٹھ جانے سے پہلے مجھ سے علم سیکھ لو، لوگو سنو! عبادت کرو، نمازیں پڑھو، رمضان کے روزے رکھو، زکوٰۃ ادا کرو، اپنے حاکم کی اطاعت کرو، اور اپنے رب کی جنت میں شادکام داخل ہو جاؤ۔

لوگو!

شیطان تمہاری اس سرزمین میں پجنے سے ناامید ہو گیا ہے لیکن اگر اس کی ان باتوں میں اطاعت کی جائے، جنہیں تم اپنے اعمال میں معمولی سمجھتے ہو، تو وُہ اتنے پر بھی رضامند ہو جائے گا، لہذا اپنا دین ہوشیاری

کے ساتھ اس سے بچائے رہو۔

اے لوگو!

اپنی عورتوں پر تمہارا حق ہے، اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔ دیکھو عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، تم نے انہیں اللہ کی امانت کے طور پر لیا ہے، اور اللہ ہی کے نام پر اپنے لئے جائز کیا ہے، لوگو! میں نے حکمِ خداوندی تمہیں پہنچا دیا۔

تین چیزیں ایسی ہیں جن پر مومن کا دل کبھی بند نہیں ہوتا یعنی اخلاصِ عمل، حاکم کو نصیحت، جماعت کا ساتھ، سنو! صدقہ نہ میرے لئے حلال ہے، نہ میرے اہل بیت کے لئے پھر اونٹنی کے شانہ پر ایک رواں چٹکی میں لے کر فرمایا حتیٰ کہ اس روئیں کے برابر بھی نہیں، سنو! جہاد فی سبیل اللہ میں ایک شام چلنا، دنیا اور دنیا کی سب دولتوں سے بڑھ کر ہے،

سنو!

جاہلیت کی ہر وہ بات جس کا چرچا کیا جاتا ہے یا جس کا دعویٰ کیا جاتا ہے، جان سے متعلق ہو یا مال سے، میرے ان دونوں پیروں کے نیچے ہے بجز حاجیوں کے پانی پلانے اور کعبہ کی پاسبانی کے سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون چھوڑتا ہوں، اور وہ عبدالمطلب کے پوتے، اور حارث کے بیٹے کا خون ہے، جاہلیت کے خون میں، اس خون سے میں پہل کرتا

ہوں، جاہلیت کا تمام سُود باطل ہے۔ یہ فرمانِ خداوندی ہے کہ سُود خواری باقی نہ رہے، تمہارے لئے اپنا راس المال ہے، (سُود چھوڑ کر صرف آسے لے لو کہ اس میں نہ تمہارا کسی پر ظلم ہوگا، اور نہ تم پر کسی کا ظلم ہوگا) سب سے پہلے جو سود میں باطل قرار دیتا ہوں، وہ (میرے چچا) عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے، اور وہ تمام کا تمام باطل کیا جاتا ہے۔

سنو!

ہر آدمی اپنے جرم کا خود ذمہ دار ہے، باپ کا جرم بیٹے کے سر نہیں پڑے گا نہ بیٹے کا بدلہ باپ سے لیا جائے گا، لوگو میری سنو، اور زندگی پاؤ، خبردار ظلم نہ کرنا، خبردار ظلم نہ کرنا، خبردار ظلم نہ کرنا کسی شخص کا بھی مال بغیر اس کی رضامندی کے لینا روا نہیں، اے لوگو، اگر تم پر ایک سیہ فام، نکٹا حبشی غلام بھی سردار بنا دیا جائے تو اس وقت تک اس کی فرماں برداری کرتے رہو، جب تک وہ تم میں کتاب اللہ قائم رکھے۔

لوگو!

تمہارے غلام، تمہارے غلام! اپنے غلاموں کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو، وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو، اگر وہ کوئی خطا کریں تو تکلیف ہرگز نہ دو۔

اور اے لوگو، یہ کون سا مہینہ ہے؟ (راوی کا بیان ہے، ہم نے کہا، اللہ اور اس کا رسول ہم سے بہتر جانتا ہے، آپ چپ ہو گئے، یہاں

تک کہ ہم نے خیال کیا، شاید آپ اس کا نام بدل کر کوئی دوسرا نام رکھنے والے ہیں پھر فرمایا) کیا یہ ذی الحج کا مہینہ نہیں ہے؟ (صحابہؓ نے کہا بیشک) لوگو، یہ کون سا مقام ہے؟ (راوی کہتا ہے، صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسولؐ ہم سے زیادہ جانتا ہے، آپؐ چپ ہو گئے، یہاں تک کہ ہم سمجھے شاید آپؐ اس کا نام بدل کر کوئی دوسرا نام رکھنے والے ہیں، پھر فرمایا) کیا یہ بلد الحرام نہیں ہے؟ (صحابہؓ نے کہا بے شک) لوگو، یہ کون دن ہے؟ (صحابہؓ نے عرض کیا، اللہ اور اس کا رسولؐ ہم سے زیادہ جانتا ہے، آپؐ چپ ہو گئے، یہاں تک کہ ہم سمجھے شاید آپؐ اس کا نام بدل کر کوئی اور نام رکھنے والے ہیں۔ پھر فرمایا) کیا یہ قربانی کا دن (یوم النحر) نہیں ہے؟ (صحابہؓ نے کہا بے شک، پھر فرمایا) تو تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری آبرو تم پر ٹھیک اسی طرح حرام ہے جس طرح تمہارے اس شہر میں، تمہارے اس مہینہ میں تمہارے آج کے دن کی حرمت ہے، یہاں تک کہ تم اپنے ربّ سے جا ملو، اور تم سے تمہارے اعمال کا حساب لیا جائے،

خبردار، خبردار!

میرے بعد گمراہ اور کافر نہ ہو جانا کہ باہم ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو، اے لوگو، سنو، کیا میں نے پیغام پہنچا دیا؟ آوازیں بلند ہوئیں، ہاں پہنچا

دیا، فرمایا اَے خدا گواہ رہ، دیکھو جو یہاں موجود ہیں وُہ غیر حاضروں تک یہ سب باتیں پہنچادیں، کیونکہ بسا اوقات دوسروں کی زبانی سننے والے، براہ راست سننے والوں سے زیادہ سمجھتے ہیں۔

لوگو!

میری بات سنو، اور اچھی طرح سمجھ لو، ہر مسلمان دُوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، پس کسی کے لئے روا نہیں کہ اپنے بھائی کی کسی ایسی چیز پر قبضہ کرلے، جو اُس نے خوش دلی سے نہیں دی ہے، سنو، میں (قیامت کے دن) بہت سے لوگوں کا پیش رو والا ہوں، اور بہت سے لوگ مجھ سے دُور کر دیئے جانے والے ہیں اس وقت میں عرض کروں گا، اَے پروردگار، یہ تو میرے صحابی ہیں، جواب ملیگا تو نہیں جانتا، تیرے بعد انہوں نے کیا کیا بدعتیں کی تھیں؟ میں تم میں ایک ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں، جس کے ہوتے ہوئے تم کبھی گمراہ نہ ہوگے بشرطیکہ اسے مضبوطی سے پکڑے رہو، وُہ کیا ہے؟ ایک کھلی ہوئی چیز، اللہ کی کتاب، اور اس کے رسولؐ کی سنّت! اور جب تم سے (خدا کے ہاں) میری بابت سوال ہوگا، تو کیا کہو گے؟ (آوازیں بلند ہوئیں) ہم گواہی دینگے کہ آپؐ نے پیغام پُوری طرح پہنچا دیا، امانت ادا کر دی، اور نصیحت میں کوتاہی نہیں کی، اس پر آپؐ نے انگشت مبارک آسمان کی طرف اٹھانا

اور مجمع کی طرف جھکا جھکا کر فرمانا شروع کیا، خدایا گواہ رہ، خدایا گواہ رہ، خدایا گواہ رہ!"

یہ ہے، وہ خطبہ جو وفات سے تقریباً ۳ مہینے پہلے، فاتحِ عرب و عجم نے سوالاکھ مس کے سامنے دیا، کیا دشمن پر غلبہ پانے والے اور شہنشاہیت کا پرچم لہرانے والے، ایسا ہی خطبہ دیتے ہیں؟ وہ تو اپنی خداوندی کے آگے، دوسروں کے سر جھکاتے ہیں، لیکن یہ کیا ہے کہ خود فاتح، خلاقِ عالم کے آگے سرنگوں ہے، بار بار اسی کا ڈراوا دے رہا ہے؟ ہاں یہ دین دنیا کا سب سے بڑا فاتح تھا لیکن سب سے آخری نبیؐ بھی!

خطبۂ خم غدیر!

مناسکِ حج سے فراغت کے بعد کوکبۂ نبویؐ مدینہ کی طرف واپس چلا، واپسی میں آپؐ کو یقین ہو چکا تھا کہ اب آپؐ دنیا سے پردہ فرمانے والے ہیں، کیونکہ عرفہ میں آیۂ مبارک "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی" نازل ہو چکی تھی، اور آیت میں صاف خبر موجود تھی کہ کارِ نبوت ختم ہو گیا، پھر یوم النحر کو منٰی میں "اذا جاء نصر اللہ" کی سورت نازل ہوئی، اس سے یہ بات اور واضح ہو گئی۔

خطبۂ رسالت!

راستے میں خُم کے مقام پر، آپؐ نے صحابہؓ کو پھر جمع کیا اور ایک خطبہ دیا، فرمایا،

"اے لوگو!

میں بھی تمہارا ہی جیسا ایک انسان ہوں، قریب ہے، میرے رب کا قاصد آئے، اور میں داعیِ اجل کو لبیک کہوں، میں تم میں دو اچھی چیزیں

چھوڑے جاتا ہوں، کتاب اللہ، اور اپنی عترت (آلِ رسولؐ)، کتاب اللہ ایک رسّی ہے، جو آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی ہے، اور لطیف و خبیر نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے کبھی جدا نہ ہوں گے، یہاں تک کہ حوض (کوثر) پر میرے سامنے آجائیں، اب تم دیکھو کہ میرے بعد ان سے کیا سلوک کرو گے؟ ــــــــــ"

حضرت علیؓ کی شکایت!

اِسی موقع پر اپنے قصورِ فہم سے ایک صحابی حضرت بریدہؓ نے حضرت علیؓ کی کچھ شکایت کی جو صحیح نہیں تھی، چنانچہ خطبہ کے بعد آپؐ نے فرمایا،

من کنت مولاہ فعلی مولاہ — "جس کا میں مولا (دوست) ہوں، علیؓ بھی اس کا مولا ہے۔"

حضرت عمر فاروقؓ نے، اس اعزاز پر حضرت علیؓ کو مبارکباد دی، اور حضرت بریدہؓ زندگی کی آخری سانس تک حضرت علیؓ کے دامن سے وابستہ رہے، اور بالآخر جنگِ جمل میں شہید ہوئے۔

اِس خطبہ میں بھی ایک طرف تو آپؐ نے دنیا سے کوچ فرمانے کا اعلان کیا ہے، دوسری طرف مسلمانوں کو دین کی رسّی مضبوطی سے پکڑے رہنے کی تلقین فرمائی ہے ؛

واقعۂ تخییر!

مکّہ فتح ہو چکا ہے، مدینہ کا مہاجرؐ اب حجاز کا فرماں روا ہے، لیکن فقر و فاقہ اور تنگدستی کا وہی عالم ہے، فاقے بھی ہوتے ہیں، کبھی کبھی رات کو چراغ تک جلنے کی، تیل نہ ہونے کے سبب نوبت نہیں آتی، حالانکہ سیم و زر کے قدمِ نبویؐ پر ڈھیر لگے رہتے ہیں، روپیہ آتا ہے اور مستحقوں کو تقسیم ہو جاتا ہے، گھر میں کوئی کنیز تک نہیں، گھر کا سارا کام کاج ازواجِ مطہراتؓ ہی کو کرنا پڑتا ہے۔

ازواج کا مطالبہ!

آخر یہ تنگی ترشی کی زندگی کبھی ختم بھی ہوگی؟ فتح مکّہ کے بعد، یہ خیال ازواجِ مطہراتؓ کے دلوں میں گردش کرنے لگا، امّت کی مائیں، وُہ خاتونیں تھیں، جو دولت مند گھرانوں میں تنعّم کی گود میں پلی تھیں، لیکن حرمِ نبویؐ کے بعد آسُودگی اور فراخ دستی ان سے دُور ہو گئی تھی، آخر متفقہ طور پر ازواجِ مطہراتؓ نے توسیعِ نفقہ کا مطالبہ کیا، جو دنیا میں رہ کر دنیا سے بے نیاز تھا

اسے یہ بات ناگوار گزری۔

ایلا!

آنحضرتؐ نے عہد فرمالیا کہ ایک مہینہ تک ازواجِ مطہراتؓ سے نہ ملیں گے، اور بالاخانہ پر گوشہ نشین ہو گئے صحابہ کو یہ اندیشہ ہوا کہ آپؐ نے ازواجؓ کو طلاق دے دی ہے حضرت عمرؓ، حضرت حفصہؓ بنتِ عمرؓ کے پاس گئے، تو دیکھا وہ بیٹھی رو رہی ہیں، ....

.... پھر وہ مسجدِ نبویؐ میں آئے، یہاں صحابہ زار و قطار رو رہے تھے۔ اب وہ بالاخانہ کے پاس آئے۔ اور خادمِ خاص حضرت رباحؓ سے کہا کہ رسول اللہؐ سے اطلاع کر دیں لیکن آنحضرتؐ نے اس درخواست کا کوئی جواب نہیں دیا۔

حضرت عمرؓ کی بے تابی!

آخر بے تاب ہو کر بالاخانہ کے نیچے آئے، دربان سے دوبارہ اذن طلب کرایا مگر جواب نہ ملا۔ تو آپؓ نے پکار کر کہا: "رباح، میرے لئے اذن مانگ، شاید رسول اللہؐ کو یہ خیال ہے کہ میں حفصہؓ کی سفارش کرنے آیا ہوں، بہ خدا، رسول اللہؐ فرمائیں تو میں حفصہؓ کی گردن اڑا دوں"

اب آنحضرتؐ نے اجازت مرحمت فرمائی، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں،

"میں اندر گیا، تو دیکھا آپؐ کھری چارپائی پر لیٹے ہیں اور جسمِ مبارک پر بانوں کے نشان پڑ گئے ہیں، ادھر اُدھر نظر اٹھا کر دیکھا تو ایک طرف مٹھی بھر جَو رکھے ہوئے تھے، میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، آپؐ نے سبب پوچھا میں نے عرض کیا "اس سے بڑھ کر رونے کا اور موقع کیا ہو گا، قیصر و کسریٰ

باغ و بہار کے مزے لوٹ رہے ہیں اور پیغمبر ہو کر آپؐ کی یہ حالت ہے" آپؐ نے فرمایا "تم اس پر راضی نہیں کہ قیصر و کسریٰ دُنیا لیں، اور ہم آخرت؟"

پھر حضرت عمرؓ نے دریافت کیا، آیا آپؐ نے ازواجِ مطہراتؓ کو طلاق دے دی ہے؟ آپؐ نے فرمایا نہیں، حضرت عمرؓ بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے، اور مغموم صحابہؓ کو یہ خوش خبری دی۔

آیۂ تخییر!

جب ایک مہینہ کی مدّت (یعنی ایلا کا زمانہ) پوری ہو گئی تو آپ بالاخانہ سے نیچے اترے، اس کے بعد یہ آیت تخییر نازل ہوئی۔

یاایھا النبیّ قل لازواجك ان کنتن تردن الحیاۃ الدّنیا وزینتھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحاً جمیلاً۰ وان کنتن تردن اللہ ورسولہ والدار الاٰخرۃ فان اللہ اعد للمحسنات منکن اجراً عظیما۔

اے پیغمبرؐ، اپنی ازواج سے کہہ دے کہ اگر تم کو دنیاوی زندگی .... اور دنیا کی زینت و آرائش مرغوب ہے تو آؤ میں تم کو رخصتی جوڑے دے کر بطریقِ احسن رخصت کر دوں اور اگر خدا، خدا کا رسولؐ، اور آخرت مطلوب ہے تو خدا نے تم میں سے نیکو کاروں کے لئے بڑا اجر مہیّا کر رکھا ہے۔

ازواج سے استفسار!

چونکہ ایلا کی مدت ختم ہو چکی تھی، آپؐ بالاخانہ سے اُترے، حضرت عائشہؓ کے پاس، جو توسیعِ نفقہ کے سلسلہ میں سب سے آگے تھیں اور جنہیں رسولؐ اللہ بہت چاہتے تھے، تشریف

لے گئے، اور استفسار فرمایا کہ وُہ کیا چاہتی ہیں؟ انہوں نے بے تامّل فرمایا "میں سب کچھ چھوڑ کر، خدا، اور رسولؐ کو لیتی ہوں!" پھر دُوسری ازواجِ مطہراتؓ سے یہی سوال ہوُا، اور انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔

واقعہ کی اہمیت!

واقعۂ ایلاء وتخییر بہت بڑا واقعہ ہے، یہ آنحضرتؐ کی حیاتِ مطہّرہ کا آئینہ ہے، اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپؐ زخارفِ دنیوی سے کتنے الگ تھے۔

ایک زمانہ مکّہ کا تھا، جب ساری دُنیا دشمن تھی، دوسرا دَور شروع ہوُا، مدینہ میں جہاں اسلام کی دعوت پر لبّیک کہنے والے تو بہت تھے لیکن جہاں تک دُنیاوی راحت اور آسائش کا تعلّق تھا، وُہ یہاں بھی نہیں تھی، تیسرا عہد شروع ہوُا، فتحِ مکّہ کے بعد، جب مسلمان طاقتور بن چکے تھے، ان کے ہاتھ میں حکومت کی باگ آ چکی تھی، قبائل آ آ کر اظہارِ اطاعت کر رہے تھے، جو لڑتے تھے وہ ہارتے تھے، اور ان شکست خوردہ لوگوں سے بے اندازہ مالِ غنیمت حاصل ہوتا تھا۔

عسرت کا دَور ازواجِ مطہّرات نے ہنسی خوشی گزار لیا، لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ اب حالات بدل چکے ہیں، پھر بھی ہماری حالت نہیں بدلی، چاندی آتی ہے اور تقسیم کر دی جاتی ہے، سونے کی ڈلیاں آتی ہیں اور بانٹ دی جاتی ہیں! اونٹوں کے، بکریوں کے ریوڑ اور گلّے آتے ہیں، اور بالا بالا تقسیم ہو جاتے ہیں، لونڈیوں اور غلاموں کی کھیپ کی کھیپ آتی ہے، لینے والے لے لیتے ہیں مگر بیت الرسولؐ میں کوئی نہیں آتا، اب بھی وُہی پُرمحن زندگی ہے۔ اب بھی وُہی مشقت ومحنت کی زندگی ہے، اب بھی وُہی فقروفاقہ اور تنگ دستی ہے، تو یہ عین مقتضائے بشریت

تھا کہ ازواج کی طرف سے توسیعِ نفقہ کا مطالبہ ہوتا، یہ مطالبہ اگر کسی دنیا دار فاتح یا شہنشاہ سے کیا جاتا، تو فوراً ہن برسنے لگتا، مگر یہ مطالبہ کیا گیا تھا، رسول آخرالزماںؐ سے، اس رسولؐ سے جو دنیا کمانے کے لئے نہیں آیا تھا، جو اسوۂ حسنہ بن کر آیا تھا، اور اپنی امّت کو بتانا چاہتا تھا کہ کس طرح اس دُنیا میں رہنا چاہیئے؟ کیوں کر زندگی بسر کرنی چاہیئے؟ کیونکر دولت و حشمت کا استعمال کرنا چاہیئے؟ اس مطالبہ کو تسلیم کرنا، رسولؐ کی شانِ رسالت کے منافی تھا، چنانچہ آپؐ نے، اس عمیق محبّت کے باوجود، جو آپؐ کو ازواجِ مطہراتؓ سے عموماً اور حضرت عائشہؓ صدّیقہ سے خصوصاً تھی، صاف فرما دیا، اور سب سے پہلے حضرت عائشہؓ ہی سے فرما دیا کہ "اگر تم دنیا کی راحت و آسائش کی طلبگار ہو تو آؤ میں تمہیں عزت و اکرام کے ساتھ رُخصت کر دوں، اور اگر اجرِ آخرت چاہتی ہو تو یہی زندگی بسر کرو، جو کر رہی ہو۔"

دُنیا نے بہت سے فاتح اور شہنشاہ پیدا کئے ہیں، لیکن کیا کوئی نبی امّی کی خاک پا ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے؟ کیا کسی نے اِس طرح کی زندگی بسر کی ہے؟ نبیؐ اور شہنشاہ میں یہی فرق ہوتا ہے، نبی اور فاتح میں یہی امتیاز ہوتا ہے۔

مُلاحظات

زمانۂ قبل تاریخ سے لے کر اب تک کج کلاہوں اور کشور کشاؤں، فرماں رواؤں اور بادشاہوں کی فہرست کتنی لمبی، کتنی طویل ہے؟ آج جمہوری پبلک کے صدر، اور جمہوریہ کے پریسیڈنٹ اور جمہوریہ شورائیہ (سوویت) کے آمر (ڈکٹیٹر) موجود ہیں، ان کے اختیارات کب بادشاہوں سے کم ہیں؟ ان کے جاہ و تجمل میں کب شاہنشاہی رنگ نہیں جھلکتا؟ ٹرومین کے قصرِ ابیض (وہائٹ ہاؤس) میں، جارج ششم کے قصرِ بکنگھم اور اٹیلی کے ۱۰، ڈاؤننگ اسٹریٹ میں اور اسٹالین کے کریملن میں پرندہ پر مار سکتا ہے؟ لیکن سرکارِ دو عالم کے دربار (مسجدِ نبوی) میں مسلم و ذمی، کافر و مشرک، بے روک ٹوک آتے تھے، یہ کیسا شاہنشاہ تھا، جس نے آدابِ شہنشاہی کو کبھی ملحوظ نہیں رکھا؟

دنیا کی سب سے بڑی جنگِ عظیم ابھی حال ہی میں ختم ہوئی ہے، اور ان لوگوں کی کامیابی پر ختم ہوئی ہے جو اسلام کے بہادر پیرو بنے ہوئے ہیں، ان فاتحوں نے اپنے مفتوحوں کے ساتھ

سلوک روا رکھا؟ ٹرومین کا نمائندہ میکارتھر اب تک جاپان کے ان لوگوں کو چُن چُن کے قتل کرا ہے، جنہوں نے گزشتہ جنگِ عظیم میں حصّہ لیا تھا۔ اٹلی، اسٹالین اور ٹرومین کی بنائی ہوئی تِ انصاف اب تک جرمنی کے سربرآوردہ، جنگ آزماؤں، بلکہ نازیوں تک کو سُولی پر چڑھا ی ہے، اِس لئے کہ یہ وُہ مجرم ہیں جنہوں نے جنگ میں مدد دی، اور اس کے جاری رہنے بب بنے۔

لیکن مکّہ کے فاتح ﷺ نے کیا کیا تھا؟

مکّہ کا فاتح پرچمِ فتح ہاتھ میں لئے کھڑا ہے، اور یہ سامنے جو لوگ موجود ہیں یہ وُہ ہیں جنہوں پیہم و مسلسل کئی سال تک رونگٹے کھڑے کر دینے والی اذیتیں مسلمانوں کو، اور مسلمانوں کے آقا و کو دیں، انہوں نے ایک نہیں کئی لڑائیاں برپا کیں، مدد نہیں دی، جاری رکھنے میں حصّہ یں لیا، خود لڑے، بڑھ بڑھ کر لڑے، گزشتہ جنگِ عظیم میں اسٹالین یا ٹرومین یا اٹلی و چرچل وئی عزیزِ خاص دھوکے سے نہیں مارا گیا، لیکن اِن مجرمین جو فاتح مکّہ کے سامنے بیٹھے تھے، وہ ی تھا جس نے سیّد الشہدا حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا، وُہ بھی تھی جس نے حمزہؓ کا شکم چیر کر ر جوشِ انتقام میں چبا لیا تھا، اور وُہ بھی تھا جس کے حملہ کے سبب بنتِ رسول ﷺ حضرت نب کی جان گئی۔ ان سب کے خلاف نہ کورٹ مارشل ہُوا، نہ تحقیقاتی عدالت بیٹھی، نہ مجلسِ عدلیہ م ہوئی، ان کی آنکھیں جھکی ہُوئی تھیں، اور فاتحِ ﷺ مکّہ کہہ رہا تھا: لا تثریب علیکم الیوم اذہبوا الطلقاء: آج تم پر کوئی الزام نہیں، جاؤ تم آزاد ہو۔

صرف یہی نہیں بلکہ کفار کے سرگروہ، ابوسفیان کو معاف کر دیتا ہے، اور ان کے گھر کو دارالامان

قرار دے دیتا ہے، جو ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کو سینے سے لگا لیتا ہے، جو طائف کے سفاکوں پر

نظر ڈالتا ہے، اور انہیں معاف کر دیتا ہے ——— یہ کیسا شاہنشاہ تھا جو اب شاہی

پر عمل نہیں کرتا تھا؟

آج کے صدران جمہوریت، آمران (ڈکٹیٹر) مطلق اور شاہانِ وقت میں کون سے

اپنے اہل و عیال کے حکومت کے خزانہ پر بارِ گراں نہ بنا ہوا ہو؟ ان کو عوام کے خزانہ سے موٹریں

ہیں، کھانا ملتا ہے، تحفے ملتے ہیں، ملازم ملتے ہیں، بیش قرار تنخواہیں ملتی ہیں، سفر خرچ کی

بڑی رقمیں ملتی ہیں، ان کے لیئے چارٹرڈ طیارے اڑتے ہیں، ان کے لئے اسپیشل ٹرینیں

ہیں، ان کی حفاظت کے لئے فوجوں کے دستے متعین رہتے ہیں، جو انہیں نگاہِ گرم سے دیکھتا

اس کی آنکھیں نکال لی جاتی ہیں، جو ان سے تند و تیز گفتگو کرتا ہے، اس کی زبان کھینچ

ہے۔ جو ان پر نکتہ چینی کی جرأت کرتا ہے، وہ سدا کے لئے جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں

محبوس اور مقید کر دیا جاتا ہے، ان کے لئے الگ بجٹ بنتا ہے، اور شاہ خرچی کے ساتھ

خرچ کیا جاتا ہے۔

لیکن یثرب و بطحا کے شاہِ ذی جاہ کا کیا عالم تھا؟

چاندی کی سلیں، اور سونے کی اینٹیں آتی تھیں، اور فوراً عوام میں تقسیم کر دی جاتی

رسولؐ فاتح کے گھر میں اب بھی وہی بوریۂ قناعت تھا، وہی نانِ جویں، وہی غربت و فاقہ

ازواجِ رسولؐ اس صورتِ حال کے خلاف احتجاج کرتی ہیں، تو انہیں کیا جواب ملتا

تم دُنیا چاہتی ہو، تو آؤ، میں تمہیں عزت و احترام کے ساتھ رخصت کر دوں؟ یہ کیسا شاہنشاہ

ولکھ لٹ تھا لیکن فاقہ کش، جس کے قبضے میں سونے اور چاندی کے پہاڑ تھے، لیکن جسے ایک آرام دہ بستر تک نہیں مہیّا تھا، جو چٹائی یا کھرّی چارپائی پر لیٹتا تھا، اور جس کے جسم پر نشان پڑ جاتے تھے۔ جسے مسلسل تین وقت روٹی نہیں ملتی تھی، کیا دنیا نے ایسے شاہنشاہ کبھی دیکھے ہیں؟

شاہانِ وقت اپنے دشمنوں اور مخالفوں کو ڈھونڈھتے ہیں، اور چن چن کر قتل کرتے ہیں، یہ شہنشاہِ عرب بھی اپنے دشمنوں کو ڈھونڈھتا تھا، لیکن قتل کرنے کے لئے نہیں، گلے لگانے کے لئے، معاف کرنے کے لئے، نوازنے اور سربلند اور ممتاز کرنے کے لئے!

بادشاہ محل میں رہتے ہیں، اور یہ شہنشاہِ دارین تنگ اور کوتاہ حجرے میں رہتا تھا، وہ طرح طرح کے کھانے کھاتے ہیں، یہ فاقے کرتا، اور نانِ جویں کھاتا تھا، وہ ظلم و استبداد سے اپنی سلطانی قائم کرتے ہیں، یہ حسنِ سلوک، احسان اور مروّت سے دلوں کو جیت لیتا تھا وہ ناچ دیکھتے، گانا سنتے اور عیش کرتے، یہ عبادت کرتے، مسلسل روزے رکھتا، خدا کو یاد کرتا اس سے رحم و کرم کا طالب ہوتا، اس کے قہر کو یاد کر کے روتا، اس کے بندوں پر رحم کرتا، راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر قبرستان جاتا، اور مرے ہوئے ساتھیوں کے لئے دعائے مغفرت کرتا، نماز اتنی پڑھتا کہ پاؤں سوج جاتے، قرآن اس طرح پڑھتا کہ لوگوں کے دِل ہِل جاتے، کیا دنیا میں یہ آخری فاتح اور شہنشاہ نہیں تھا؟ ❊

معلّم کی حیثیّت سے

تعلیماتِ نبویؐ (۱)

مکّہ میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم منصبِ نبوّت پر سرفراز ہوئے، اور تقریباً ساڑھے تیرہ سال تک اپنے ہم وطنوں کے طغیان و عدوان کا مورد بنتے رہے، اس طویل عرصہ میں کوئی ناروا ناگفتنی اور ناسزا حرکت ایسی نہیں تھی، جو آپؐ کے ساتھ روا نہ رکھی گئی ہو، ایذا رسانی کے لیے ایسے طریقے ایجاد کئے گئے، جو تاریخِ شقاوت میں اپنی مثال اور نظیر نہیں رکھتے، لیکن آپؐ ان تمام مخالفتوں، اور دراندازیوں، شرارتوں اور بدنفسیوں کا استقلال و استقامت کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے، آپؐ کے پائے ثبات میں کبھی لغزش نہ آئی، آپؐ کو بہت زیادہ چاہنے والے چچا ابوطالبؓ جب بہت زیادہ پریشان ہو گئے تو انہوں نے آپؐ کو دعوتِ اسلام کے راستے سے منحرف کرنے کی کوشش کی لیکن آپؐ کا جواب صرف ایک تھا ”اگر میرے ایک ہاتھ میں چاند اور دوسرے میں سورج دے دیا جائے، تو بھی میں اپنی دعوت سے باز نہیں آ سکتا۔“

سوال وجواب!

اِس موقع پر، یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے، آخر وُہ کون سا پیام تھا، جسے پہنچانے کے لئے پیغمبرؐ کو اتنے مصائب جھیلنے پڑے، اور جسے سُن کر، پہچان کر، سمجھ کر، لوگ اتنے متاثر ہوئے کہ خویش واقارب، جان ومال، زر ودولت، املاک وجائداد، فرزند وزن حتّٰی کہ وطن تک سے دستبردار ہو گئے، جسے ماننے کا یہ اثر ہوا کہ جھومتے ہوئے رزم گاہِ حق وباطل میں پہنچے، اور ہنسی خوشی اپنی گردنیں کٹا دیں، خاک وخون میں لوٹے، اور تڑپے، تلواروں کے زخم کھائے، نیزوں کی نوک کے وار سہے، ساری دنیا کو دشمن بنالیا، زندگی جیسی لذیذ اور شیریں چیز کو ہنسی خوشی قربان کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

جواب یہ ہے کہ وُہ تھا اسلام کا پیام، کُفر وشرک سے برأت اور نظامِ اسلامی اور دستورِ اسلامی کی متابعت۔ یہ ایسا نظام تھا، یہ ایسا پیام تھا، جو سراسر انقلاب تھا، جس نے شرک کی بنیاد ڈھا دی، جس نے اخلاقِ ذمیمہ اور خصائلِ سیئہ کا استیصال کر دیا، جس نے عبد اور معبود کے ٹوٹے ہوئے رشتے کو جوڑ دیا، جس نے ماسوا اللہ کی قوتوں کو زیر وزبر کر دیا، اور ایک مرتبہ پھر اللہ کی سلطانی قائم کر دی، دینِ ابراہیمیؑ کا بول بالا کر دیا۔

قرآن کے دو حصّے!

قرآن کے مقاماتِ نزول دو ہیں:۔

(۱) مکّہ

(۲) مدینہ

مکہ کا زمانہ دعوتِ اسلام کی ابتدا، اور دورِ ابتلا کا ہے سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ مکہ کا پیامِ الٰہی کس رنگ کا حامل تھا؟ اس کے کیا بنیادی خصائص تھے؟ اس کا مرکز و محور کیا تھا؟ اور یہ لوگوں کو کس راستے کی طرف بلانا چاہتا تھا؟

ادیانِ سابقہ!

اسلام نے تمام ادیانِ سابقہ کی، جو اس کے پیغمبروں کے ذریعہ آئے، توثیق کی، بعد کے لوگوں نے جب حسبِ خواہش ان میں ردّ و بدل کیا تو وُہ عملاً منسوخ ہوئے، اور ان کا قائم مقام بن کر اسلام آیا، چنانچہ فرمایا:

شرع لکم من الدّین ما وصّٰی بہ نوحا والذی اوحینا الیک (شوریٰ)

اللہ نے تمہارے لئے دین کا وہی راستہ ٹھہرایا ہے جس کا اس نے نوحؑ کو حکم دیا تھا، اور تجھ کو بھی ہم نے اسی کی وحی کی ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا:۔

اولٰئک الذین ھدی اللہ فبھداھم اقتدہ۔

یہ (اگلے پیغمبر) وہ لوگ تھے جن کو اللہ نے ہدایت دکھائی، تو بھی انہی کی ہدایت کی پیروی کر۔

بنیادی تعلیم

اسلام کی بنیادی تعلیم توحید ہے، اسلام نے سب سے زیادہ زور اسی پر دیا ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ انسان اگر صحیح معنی میں موحد ہو جائے تو رذائل و ذمائم اس کے پاس بھی نہیں پھٹک سکتے، چنانچہ فرمایا:

ویعبدون من دون اللہ مالا یضرھم
ولا ینفعھم (یونس)

یہ لوگ اللہ کے سوا اُن کی پرستش کرتے ہیں جو نہ اُن کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔

ایک اور مقام پر فرمایا:۔

والذین تدعون من دونہ مایملکون
من قطمیر، ان تدعوھم لا یسمعوا دعائکم
ولو سمعوا ما استجابو لکم (فاطر)

اللہ کے سوا جنہیں تم پکارتے ہو وہ کھجور کے چھلکے کے بھی مالک نہیں ہیں۔ اگر تم ان کو پکارو گے تو وہ تمہاری پکار نہیں سنیں گے، اور اگر سنیں بھی تو جواب نہیں دے سکتے۔

اور پھر نہایت واضح الفاظ میں فرمایا:۔

انما الٰھکم اللہ واحد

تمہارا اللہ تو بس ایک ہی اللہ ہے

اِن آیات کے علاوہ اور متعدد مقامات پر شرک کی برائیوں اور توحید کے بارے میں نہایت وضاحت کے ساتھ مشرکین کو مخاطب کر کے راہِ ہدایت پر چلنے کی دعوت دی ہے۔

نماز!

نماز کو اسلام نے بہت اہمیت دی ہے، جنگ کی حالت میں بھی نماز معاف نہیں بیماری کی حالت میں بھی، نماز ترک نہیں کی جا سکتی۔ غرض کسی حالت میں بھی ایک مسلمان نماز سے رُوگرداں نہیں ہو سکتا اور اس کی حکمت و مصلحت یہ ارشاد فرمائی:۔

الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی
یعظکم لعلکم تذکرون۔

نماز امورِ فاحشہ اور ناسزا کاموں سے اور سرکشی سے روکتی ہے۔

قرآن کا ذکر!

اسلام کا اساسی اور بنیادی، لازوال اور غیر فانی نظام و دستور قرآن ہی ہے، اس کے متعلق بار بار مسلمانوں کو بتایا کہ یہ خدا کا بنایا ہوا کامل اور مکمل نظام ہے، اس میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا۔

لا مبدل لکلمٰتہ — کوئی اس کے کلمات کو بدلنے والا نہیں!

اور پھر فرمایا:-

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون — ہم نے قرآن کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

تعلیماتِ نبویؐ (۲)

آنحضرتؐ مکّہ سے مدینہ تشریف لے آئے، مکّہ اور مدینہ کی آیات میں مابہ الامتیاز کیا ہے؟ مکّہ میں جو آیتیں نازل ہوئیں، اُن کے مخاطب زیادہ تر کفّار و مشرکین تھے، زیادہ تر خطاب انہی سے ہے، اور نام لے لے کر انہیں مخاطب کیا گیا ہے، مدنی آیتوں میں صرف مسلمانوں سے خطاب ہے، انہیں زندہ رہنے کے گُر بتائے ہیں، زندگی بسر کرنے کے آداب سکھائے گئے ہیں، فرائض کی طرف متوجہ کیا ہے۔ مکّی آیات میں یہ باتیں کم ہیں، اور مدنی آیات میں زیادہ تر یہی باتیں ہیں۔

حرب و پیکار!

مدینہ آنے اور ہجرت کرنے کے باوجود مسلمانوں کو چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہُوا، کفار کی شرارتیں برابر بڑھتی رہیں، وُہ چھاپے مارتے رہے، حملے کرتے رہے، اکّا دُکّا مسلمانوں کو موقع پاکر قتل کرتے رہے، جنگ کرتے رہے، مسلمانوں نے زیادہ سے زیادہ صلح کوشی اور امن پسندی

ے کام لیا، لیکن جب پانی سر سے اوپر ہو گیا، تو مسلمانوں کو بھی ہدایت کی گئی کہ وُہ بھی اپنی مدافعت میں، اور اللہ کا کلمہ سر بلند کرنے کے لئے ہتھیار اٹھا سکتے ہیں، چنانچہ فرمایا۔

اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر الذی اخرجوا من دیارھم بغیر حق ان لا یقولوا ربنا اللہ۔

جن مسلمانوں سے کافر لڑیں، ان کو اب کافروں سے لڑنے کی اجازت ہے اس لئے کہ ان پر ظلم ہوا، بیشک اللہ ان کی مدد پر قادر ہے، وُہ صرف یہ کہنے پر ناحق اپنے گھروں سے نکالے گئے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔

ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرما دیا۔

وان جنحوا للسلم فاجنح لہا (انفال)

اگر کفار صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی جھک جاؤ۔

اور یہ بھی فرما دیا۔

لا اکراہ فی الدین

دین کے معاملہ میں جبر روا نہیں!

پاسِ عہد!

اِسلام نے پاسِ عہد کو بہت زیادہ سراہا ہے، اور بہت زیادہ اس کی تاکید کی ہے چنانچہ فرمایا۔

یاایہا الذین آمنوا اوفوا بالعقود (مائدہ)

مُسلمانو! اپنے عہد و پیمان کو پورا کرو۔

ایک اور جگہ فرمایا،

واوفوا بالعہد ان العہد کان مسئولا (اسری)

عہد پورا کیا کرو، کیونکہ اس کی باز پُرس ہو گی۔

جنگی قیدی!

جو لوگ میدانِ جنگ میں لڑتے ہوئے گرفتار ہوں، ان کے ساتھ بھی پوری پوری رعایت ملحوظ رکھی، ارشاد ہوا،

حتیٰ اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداءً

یہاں تک کہ جب تم ان کا زور توڑ چکو تو ان کو باندھ لو، (گرفتار کر لو) پھر یا تو احسان رکھ کر یا فدیہ لے کر چھوڑ دو۔

اسلامی اخوّت!

مُسلمانوں کو اسلام نے بھائی بھائی بنا دیا۔

انما المؤمنون اخوۃ (حجرات)

مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

اسلامی حقوق!

اسلام نے مسلمانوں کے حقوق کی تعیین بھی کر دی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا،

وما کان لمؤمن ان یقتل مؤمنا الا خطاء (نساء)

کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو قتل کرے، مگر بھول چوک سے۔

پھر وعید نازل ہوئی۔

ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاءہ جھنم خالدا فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذابا عظیما۔

جو کسی مسلمان کو قصداً قتل کرے گا، اس کی سزا جہنم ہے، وہ ہمیشہ اس میں رہے گا، اور اس پر اللہ کا غضب نازل ہو گا، اور اس کی لعنت ہو گی اس

کے لیئے اللہ نے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے

غیبت اور بدظنی کی ممانعت!

ایک جگہ فرمایا۔

یاایھا الذین آمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیه میتا (حجرات)

مسلمانو! خیال آرائی سے پرہیز کرو کیونکہ بعض گمان گناہ ہیں تجسس نہ کرو، ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو، کیا تم میں سے کوئی اسے پسند کرے گا کہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھائے۔

مُسلمان کی شان!

مسلمانوں کو ان کی شان اس طرح بتائی گئی۔

کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ

تم بہترین امت ہو، جو انسانوں کی رہنمائی کے لیئے بنائی گئی اچھی باتوں کا حکم دیتے ہو۔ بُری باتوں سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

استخلاف فی الارض!

اچھے مسلمانوں کو بشارت دی گئی کہ

وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض

جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کیئے، ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وُہ ان کو زمین کی بادشاہت عطا کرے گا۔

کیا جو مسلمان اس آیت کے مصداق تھے، وُہ انعام سے فائز نہیں ہوئے۔

جہاد فی سبیل اللہ!

جہاد فی سبیل اللہ کے بارے میں فرمایا،

قل ان کان آباءکم وابناءکم واخوانکم
وازواجکم وعشیرتکم واموال ن اقترفتموها
وتجارة تخشون کسادها ومساکن ترضونها
احب الیکم من اللہ ورسوله وجهاد فی سبیله
فتربصوا حتی یاتی اللہ بامره واللہ لا یهدی
القوم الفاسقین۔

(اے محمدؐ) کہہ دیجیے (اے مسلمانو) اگر تمہارے باپ
اور بیٹے، بھائی اور بیوی اور کنبہ والے، اور وہ
تجارت جس کے بند ہونے سے خائف ہو اور
وُہ گھر جو تم کو پسند ہیں، اللہ اور اس کے رسولؐ
اور جہاد فی سبیل اللہ سے تم کو بڑھ کر عزیز ہیں تو
انتظار کرو کہ اللہ کا حکم آئے، اور اللہ فاسقوں
کو ہدایت نہیں کرتا۔

عورت!

عورت کو قرآن نے وُہ منزلت دی ہے جو کسی قوم اور مذہب نے نہیں دی، پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے والوں کے لیے حدِ قذف جاری کی، ان کی انفرادیت تسلیم کی، شوہروں کو ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا۔

وعاشروهن بالمعروف فان کرهتموهن
فعسی ان تکرهوا شیئا ویجعل اللہ فیه
خیرا کثیرا۔

بیویوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کرو، اگر تم ان کو
ناپسند کرو، تو کچھ بعید نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند
کرو، اور اللہ اس میں برکت دے دے۔

ایک اور آیت میں فرمایا کہ اگر باہمی مخالفت ہو جائے تو ایک پنچ اپنا اور ایک بیوی کا بنا
پھر فرمایا اگر اس پر بھی معاملات درست نہ ہوں تو طلاق دے دو لیکن طلاق کے لیئے یہ شرط لگا دی
والمطلقات متاع بالمعروف حقا علی المتقین   اور جن عورتوں کو طلاق دی جائے، ان کو
سامان دینا چاہیئے، پرہیزگاروں پر یہ حق ہے

سزا و عقوبت!

سزا و عقوبت کے بارے میں اللہ نے قرآن میں بعض جرائم کی سزا متعین کر دی، اس سزا میں قیامت تک ردّ و بدل نہیں ہو سکتا اور باقی جرائم حکومت کی صوابدید پر چھوڑ دیئے کہ وہ حالات و مصلحت کے مطابق ان کا اجرا کرے، جن کی تعیین ہوئی، وہ یہ ہیں،

(۱) چور کے لیئے قطعِ ید

(۲) باغی، اور ڈاکو کے لیئے قتل یا جلاوطنی

(۳) زانی کے لیئے سو دُرّے

(۴) زنا کی تہمت لگانے والے کے لیئے اسّی کوڑے۔

خلاصۂ کلام!

اُوپر کی سطروں میں ہم نے مکّی اور مدنی آیات کا جو خلاصہ لکھا ہے اس سے اسلام کے نظامِ حیات اور دستور و آئین کا آسانی سے اندازہ ہو سکتا ہے، یہ بہر حال خلاصہ ہے، ورنہ پورا قرآن انہی ہدایات و احکام سے معمور ہے۔

ملاحظات!

معلّم کی حیثیت سے آنحضرتؐ کی حیاتِ گرامی پر اگر ایک نظر ڈالی جائے، تو اندازہ ہوگا کہ کسی مذہب نے، انسانی فطرت اور احتیاجات کا لحاظ رکھ کر اتنے جامع و مانع ہدایات واحکام نہیں دیئے ہیں، جتنے اسلام نے، کسی مذہب نے انسانی زندگی کے لئے اتنا جامع و مانع کامل و اکمل دستورِ حیات اور ضابطۂ زندگی نہیں پیش کیا ہے جیسا کہ اسلام نے۔

دنیا اس وقت بھی معمورۂ ادیان و مذاہب ہے، یہاں یہودی ہیں، عیسائی ہیں، بدھ ہیں، ہندو ہیں، پارسی ہیں، کنفوشس کے پرستار ہیں، عقل کے پجاری ہیں، فطرتِ انسانی کے نباض ہیں، لیکن کسی نے بھی کسی دور میں بھی ایسا دستورِ حیات نہیں پیش کیا جیسا دائمی اسلام نے۔

اگر دنیا کے مذاہب اور پیروانِ مذاہب پر ایک نظر ڈالی جائے تو اندازہ ہوگا کہ یہ اپنے اپنے مذہب کے پرستار عملی زندگی میں معاملات و مسائل میں، تعزیر و عقوبت میں، اپنے مذاہب سے دور ہیں، الگ ہیں، ان کی پارلیمنٹیں، اور مجالسِ آئین ساز جو ہر روز نئے نئے قانون بناتی رہتی

ہیں۔ ان قوانین کا نظرِ غائر سے مُطالعہ کیجیئے تو اندازہ ہوگا کہ وُہ قوانین جو انسان کی فطری احتیاجات سے متعلق ہیں تمام تر اسلام سے ماخوذ ہیں۔

بعض مذاہب میں جو طلاق کے سرے سے قائل نہیں، ان کے پیرو اب طلاق کے قوانین بنوا رہے ہیں بعض مذاہب ہیں، جنہوں نے وراثت میں عورت کا حق تسلیم نہیں کیا ہے اب وُہ اپنی مجالسِ آئین ساز سے ایسے قوانین منظور کرا رہے ہیں کہ عورت بھی وراثت پا سکے، کیا یہ سب اسلام ہی کی تقلید نہیں ہے بعض مذاہب ہیں جن کی بنیاد شرک پر ہے، لیکن جن کے پیرو توحید کا نام لے رہے ہیں ہندوستان میں برہمو سماج، اور گورونانک کا سکھ ازم، تمام تر اسلام کی عالمگیر تعلیمات کا پرتو ہیں۔ یہ دُوسری بات ہے کہ انہوں نے اسلام کا حلقہ اطاعت اپنی گردن میں نہیں ڈالا لیکن اسلام کے احکام و ہدایات کو اپنے لئے شمعِ راہ بنا لیا، اور یہی وُہ لوگ ہیں جن کے بارے میں،

ختم اللّٰہ علیٰ قلوبھم و علیٰ سمعھم و علیٰ ابصارھم غشاوۃ

وارد ہُوا ہے ٭

رسولِ اکرمؐ

کی

حیاتِ مبارک کے چند پہلو

اِس باب میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلّم کی حیاتِ گرامی کے چند خاص پہلو پیش کئے
جاتے ہیں ۔ یہ مشہُور تاریخ طبری سے
ماخوذ ہیں ۔

ﺭﺳﻮﻝ اللہ صلعم کے کاتب

بیان کیا گیا ہے کہ کبھی عثمانؓ بن عفان اور کبھی علیؓ بن ابی طالب ، خالدؓ بن سعید ، ابانؓ بن سعید علا بن الحضرمی آپ کے لئے کتابت کی خدمت انجام دیتے تھے۔ یہ بھی مذکور ہے کہ سب سے پہلے ابی بن کعب نے یہ خدمت انجام دی ہے جب وہ نہ ہوتے تو زیدؓ بن ثابت یہ خدمت انجام دیتے۔ عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح نے بھی یہ خدمت انجام دی ہے۔ پھر اسلام کے مرتد ہو گئے اور پھر دوبارہ فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ ان کے علاوہ معاویہؓ بن ابی سفیان اور حنظلۃ الاسیدی نے بھی یہ خدمت انجام دی ہے۔

رسول اللہؐ صلعم کا حلیہ

علیؓ بن ابی طالب سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم نہ دراز قامت اور نہ کوتاہ قامت سر اور چہرہ بڑا تھا۔ ہاتھ اور پاؤں کی انگلیاں بڑی بڑی تھیں۔ پنڈلیاں موٹی تھیں۔ سرخ رنگ تھا دراز قدم تھے۔ آہستہ آہستہ چلتے تھے معلوم ہوتا کہ آتار سے اتر رہے ہیں آپ کے قبل یا بعد اس شان کا کوئی شخص نظر نہیں آیا۔

علیؓ کوفے کی مسجد میں اپنی تلوار کے پرتلے سے گات باندھے بیٹھے تھے۔ انصاریوں میں ایک شخص نے علیؓ سے کہا کہ آپ رسول اللہ صلعم کا حلیہ مجھ سے بیان کیجیے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلعم کا رنگ گورا تھا جس میں سرخی نمایاں تھی۔ نہایت سیاہ آنکھیں تھیں۔ بال نرم تھے، قدم جوڑ کر چلتے تھے۔ نرم رخسار تھے۔ داڑھی بہت ہی گھنی تھی۔ گردن چاندی کی صراحی معلوم ہوتی تھی ہنسلی سے لے کر ناف تک بال تھے۔ چال اس قدر عمدہ تھی جیسے بانس کا درخت ہوا سے جھومتا ہے بغل یا سینے پر اور بال نہ تھے۔ ہاتھ پاؤں کی انگلیاں

ی بڑی تھیں جب آپ چلتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ اتار پر سے اتر رہے ہیں۔ اور چال میں
ی استقامت تھی کہ گویا چٹان چلی آرہی ہے جب آپ مڑتے تھے تو سارے جسم سے
جاتے تھے۔ نہ آپ کوتاہ قامت تھے اور نہ دراز قامت، نہ نکمے اور نہ تنگ ظرف،
ں کے چہرہ پر پسینے کے قطرات موتی معلوم ہوتے تھے۔ اور آپ کے پسینے میں مشک سے
خوشبو تھی۔ آپ سے پہلے یا بعد میں نے کسی کو آپ جیسا نہیں دیکھا۔
انسؓ بن مالک سے مروی ہے کہ چالیس سال کی عمر ہونے پر آپ نبی مبعوث ہوئے
ں سال مکے میں دس سال مدینے میں آپ نے قیام فرمایا۔
۶۰ سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کے سر اور داڑھی میں بیس بال بھی
فید نہ تھے۔ آپ نہ بہت دراز قامت تھے اور نہ بالکل کوتاہ قامت، نہ آپ بالکل
ے تھے اور نہ سیاہ، نہ آپ کے بال بہت گھونگر والے تھے اور نہ چھدرے۔
جریری سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ میں ابوالطفیل کے ساتھ کعبہ کا طواف کر رہا تھا
وں نے کہا اب میرے سوا اور کوئی شخص زندہ نہیں ہے جس نے رسول اللہؐ کو دیکھا
یں نے پوچھا کیا آپ نے ان کو خود دیکھا ہے۔ انہوں نے کہا ہاں میں نے کہا فرمائیے
پ کا حلیہ کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ آپ میانہ قامت، ملاحت کے ساتھ گورے تھے۔

رسُول اللہ صلعم کے اسمائے گرامی

ابُوموسیٰؓ سے مروی ہے کہ رسُول اللہؐ نے اپنے کئی نام ہم سے بیان کئے۔ ان میں سے جو یاد ہیں، وُہ حسب ذیل ہیں:۔

محمدؐ، احمدؐ، مقفی، حاشر، نبی، توبہ اور ملحمہ، میں محمدؐ ہوں احمدؐ ہوں عاقب اور ماحی ہوں۔ زہری کہتے ہیں عاقب کے معنے یہ ہیں کہ جس کے بعد کوئی اور نبی نہ ہو اور ماحی وُہ ہے جس کے ذریعے سے اللہ کفر کو مٹاتا ہے۔

جبیرؓ بن مطعم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا میں محمدؐ، احمدؐ، ماحی، عاقب اور حاشر ہوں۔ حاشر وہ ہے جس کے نشانِ قدم پر لوگ جمع ہوں گے اور عاقب کے معنے آخر الانبیاء کے ہیں۔

رسول اللہ صلعم کی شجاعت اور سخاوت

انس رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم سب سے زیادہ خوبصورت، سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ شجاع تھے۔ ایک مرتبہ دشمن کے خطرے کی مدینے میں شہرت ہوئی سب لوگ ندا کی طرف لپکے مگر انہوں نے دیکھا کہ سب سے پہلے رسول اللہ صلعم تلوار لے کر ابو طلحہ رضؓ کے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو کر مقابلے کے لئے موجود ہیں اور سب سے پہلے آپ ہی اس ندا پر آئے ہیں۔ سب کے جمع ہونے کے بعد آپ نے دو مرتبہ فرمایا:-

"اے لوگو مت ڈرو، مت ڈرو"۔ اور گھوڑے کی تعریف میں ابو طلحہ رضؓ سے کہا کہ ہم نے سرعت میں اس گھوڑے کو بحرِ مواج پایا۔ اس سے پہلے یہ گھوڑا بہت دھیما تھا آپ کے فرمانے کے بعد اس قدر تیز رفتار ہوا کہ کوئی گھوڑا اس سے آگے نہ نکل سکتا تھا۔

دوسری روایت میں انس رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم سب سے زیادہ بہادر اور سب سے بڑھ کر سخی تھے۔ ایک مرتبہ مدینے میں دشمن کے خطرے کی منادی دی گئی۔ تمام

لوگ مقابلے کے لئے نکلے مگر سب سے پہلے خود رسول اللہ صلعم ابو طلحہ رضؓ کے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار تلوار گلے میں لٹکائے ہوئے مقابلے کے لئے پہنچ گئے۔ اور گھوڑے کے متعلق آپ نے فرمایا کہ ہم نے اسے سُرعت میں دریا پار پایا۔

ول اللہ صلعم کے بالوں کا بیان

کیا آپ خضاب کرتے تھے ؟

عبداللہ بن بسر سے پوچھا گیا کہ آپ نے رسول اللہ کو دیکھا ہے آپ کے بال سفید ہو
ئے تھے۔ انہوں نے اپنا ہاتھ اپنے ریش بچے پر رکھ کہتا یا کہ صرف اس قدر بال سفید
ئے تھے۔

ابوجحیفہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلعم کے ریش بچے کو سفید دیکھا تھا۔ ان سے
ال کیا گیا ایسا سفید جیسا کہ اس وقت آپ ریش بچہ ہے۔ انہوں نے کہا میرے بال
ڑی ہیں۔

انس رض سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ صلعم خضاب لگاتے تھے انہوں نے کہا کہ آپ کے بال
قدر سفید ہی نہ ہونے پائے تھے کہ اس کی ضرورت ہوتی البتہ ابوبکر صدیق رض نے

مہندی اَور مازو کا اَور عمرؓ فاروق رضؓ نے مہندی کا خضاب لگایا ہے۔

دُوسری روایت میں انسؓ سے پوچھا گیا کہ کیا رسُولؐ اللہ نے خضاب لگایا ہے انہوں
نے کہا کہ آپ کی داڑھی کے سرے میں صرف ۱۹-۲۰ بال سفید ہوں گے اور بالوں کی سفیدی
کا عیب ہی آپ کو نہیں ہوا۔ انسؓ سے پوچھا گیا کہ کیا بالوں کا سفید ہونا کوئی عیب ہے
انہوں نے کہا تم سب ہی اُسے ناپسند کرتے ہو البتہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مہندی
اَور مازو کا اَور حضرت عمرؓ فارُوق نے مہندی کا خضاب لگایا ہے۔

دُوسرے سلسلے سے انسؓ سے مروی ہے کہ آپ کے ۲۰ بال بھی سفید نہ تھے۔

جابرؓ بن سمرہ سے مروی ہے کہ رسُولؐ اللہ کے صرف چند بال مانگ میں سفید
تھے اَور وُہ بھی ایسے تھے کہ جب آپ تیل لگاتے تو وُہ معلوم نہ ہوتے۔

عثمان بن عبداللہ بن وہب سے مروی ہے کہ رسُولؐ اللہ صلعم کی ایک بیوی نے
اَور انہوں نے آپ کے چند بال جن پر مہندی اَور مازو کا خضاب تھا ہمیں لا کر دیئے۔

اُبو دمشہ رضؓ سے مروی ہے کہ رسُولؐ اللہ صلعم مہندی اَور مازو کا خضاب لگاتے تھے
آپ کے سر کے بال اس قدر لمبے تھے کہ مونڈھوں تک آتے تھے۔

اُمّ ہانی رضؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسُولؐ اللہ کو دیکھا کہ آپ کی چار زُلفیں تھیں۔

رسُول اللہ صلعم کے آزاد کردہ غلام

زیدؓ بن حارثہ اور ان کے بیٹے اسامہؓ بن زید تو معروف نام ہیں۔ باقی یہ ہیں :-

(۱)

ثوبانؓ رسُول اللہؐ کے غلام تھے۔ ان کو آپ نے آزاد کر دیا تھا مگر وہ آپ کی وفات تک آپ کے پاس رہے۔ پھر حمص جا رہے تھے وہاں اُن کا مکان بھی ہے جو وقف ہے بیان کیا گیا ہے کہ معاویہؓ کی خلافت میں ۵۴ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ بعض بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ انہوں نے رملہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ان کی نسل نہیں ہے۔

(۲)

شقران یہ حبشہ کے باشندے تھے صالح بن عدی ان کا نام تھا ان کے حالات میں اختلاف ہے عبداللہ ابن داؤد الخریبی سے مذکور ہے کہ شقران رسولؐ اللہ صلعم کو اپنے باپ کے ورثے میں ملے تھے بعض لوگوں کا بیان ہے کہ یہ ایرانی تھے اور ان کا نسب یہ ہے صالح بن حول

ین مہر بوذ اس آخر الذکر بیان کے مطابق ان کا پورا نسب یہ ہے ۔ صالح بن حول بن مہر بوذ بن اذرجشن ۔ بن مہربان بن فیران بن رستم بن فیروز بن مائی بن بہرام بن رشتہری ۔ ان کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ رے کے زمیندار تھے ۔

مصعب الزبیری سے منقول ہے کہ شقران عبد الرحمٰنؓ بن عوف کے غلام تھے جن کو انہوں نے رسول اللہ صلعم کو دے دیا تھا ۔ انہوں نے اولاد چھوڑی تھی ۔ ان میں کا آخری شخص مدینے میں تھا اور اس کی بصرے میں اولاد باقی تھی ۔

(۴۴)

رضی اللہ اور یہی ابو رافعؓ مولیٰ رسول اللہ صلعم ہیں ۔ ان کا نام اسلم تھا بعضوں نے ابراہیم بیان کیا ہے ان کے حالات میں اختلاف ہے بعض صاحبوں کا بیان ہے کہ یہ ابو احیحہ سعید العاص الاکبر کے غلام تھے جو اس کے بیٹوں کو ورثے میں ملے ۔ ان میں سے تین نے اپنے حصے تک ان کو آزاد کر دیا ۔ وہ سب کے سب جنگِ بدر میں مارے گئے ۔ ابو رافعؓ بھی ان کے ہمراہ بدر میں شریک تھے ۔ خالد بن سعید نے ان میں اپنے حصّے کو رسول اللہ صلعم کو دے دیا ۔ آپ نے ان کو آزاد کر دیا نیز رسول اللہ صلعم نے اُن کے بیٹے بہی کو جن کا نام رافع ہے اور اس کے بھائی عبید اللہ بن ابی رافع کو بھی آزاد کر دیا یہ آخر الذکر حضرت علیؓ کے کاتب تھے ۔ جب عمرو بن سعید مدینے کا والی مقرر ہوا اُس نے پوچھا کہ تمہارے آقا کون ہیں اُس نے کہا رسول اللہ اس پر عمرو بن سعید نے اس کے سو کوڑے لگوائے اور پھر پوچھا تم کس کے آزاد کردہ غلام ہو اس نے کہا رسول اللہ صلعم کے عمرو بن سعید نے پھر سو کوڑے اس کے لگوائے اور پھر وہی سوال کیا

اور اس نے پھر وہی جواب دیا جو پہلے دے چکا تھا۔ اس طرح ایک وقت میں پانچ سو کوڑے لگے اور پھر اس نے وہی سوال کیا تب بھی نے کہا کہ میں آپ کا مولیٰ ہوں اور اب اس کا چھٹکارا ہوا۔ عبدالملک نے جب عمرو بن سعید کو قتل کر دیا تو یحییٰ بن ابی رافع نے اس پر دو شعر کہے۔

(۴)

سلمانؓ الفارسی ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔ یہ اصبہان کے ایک گاؤں کے باشندے تھے یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ قریۂ رام ہرمز کے باشندے تھے یہ کسی طرح بنی کلب کے ہاتھ میں اسیر ہوئے وادی القریٰ کی سمت میں کسی یہودی نے ان کو خرید لیا اور ان سے رقم کی ادائی پر آزادی کے لئے معاہدہ کر لیا۔ رسول اللہ صلعم اور مسلمانوں نے اس رقم کی ادائی میں ان کی اعانت کی اور اس طرح وُہ آزاد ہو گئے۔ نسابان ایران میں سے ایک صاحب نے ان کا نسب یہ بیان کیا ہے سلمان سابور کے پرگنے کے باشندے تھے۔ ان کا نام مابہ بن بوذخشان بن دہ دیرہ ہے۔

(۵)

سفینہ مولیٰ رسول اللہ صلعم یہ ام سلمہؓ کے غلام تھے انہوں نے ان کو اس شرط پر آزاد کر دیا تھا کہ وُہ رسول اللہ صلعم کی مدت العمر خدمت کریں گے۔ بیان کیا گیا ہے کہ وُہ حبشی تھے۔ ان کے اصل نام میں بھی اختلاف ہے بعضوں نے مہران بیان کیا ہے دوسروں نے بلاح بیان کیا ہے بعض اربابِ سیر نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ ایرانی عجمی تھے اور ان کا اصل نام

سبیہ بن حارقیہ ہے۔

(۶)

انسہ رضؓ ان کی کنیت ابو سرح تھی۔ ابو سرح بھی بیان کی گئی ہے یہ سراۃ کے مولدین میں سے تھے جب رسول اللہ صلعم مجلس میں متمکن ہوتے تو یہ لوگوں کو آپ کی خدمت میں پیش کرتے۔ یہ بدر، احد اور تمام ان غزوات میں جن میں رسول اللہ صلعم نے شرکت فرمائی آپ کے ساتھ شریک ہوئے ہیں۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ ایرانی تھے۔ ان کی ماں حبشی اور باپ تھے۔ جن کا فارسی میں نام کردوی بن اشرینده بن ادوہر بن مہرادر بن کجنکان ہے جو بہور بن یوماست کی اولاد میں تھا۔

(۷)

ابو کبشہ رضؓ ان کا نام سلیم ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ یہ مکے کے مولدین میں تھے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ دوس کے علاقہ کے مولد تھے۔ رسول اللہ صلعم نے ان کو خریدا اور پھر آزاد کر دیا یہ رسول اللہ صلعم کے ہمراہ بدر، احد اور تمام غزوات میں شریک ہوئے اور عمر بن الخطاب رضؓ کی خلافت کے پہلے دن ۱۳ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

(۸)

ابو مویہبہ رضؓ بیان کیا گیا ہے کہ یہ مزینہ کے مولدین میں سے تھے۔ رسول اللہ صلعم نے ان کو خریدا تھا اور پھر آزاد کر دیا۔

(۹)

رباح الاسود یہ لوگوں کو رسول اللہ صلعم کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے۔

(۱۰)

فضالہ رضمولی رسول اللہ صلعم جیسا کہ بیان کیا گیا ہے انہوں نے بعد میں شام میں سکونت ...ار کرلی تھی۔

(۱۱)

...دعم رضمولی رسول اللہ صلعم یہ رفاعہ بن زید الجذامی کے غلام تھے جن کو انہوں نے رسول اللہ ...کے نذر کردیا تھا۔ یہ وادی القریٰ میں ایک بے نشانہ تیر سے اُسی روز جب کہ رسول اللہ ...ؐ ...یں لشکرِ کفار کے مقابل فروکش ہُوئے تھے مارے گئے۔

۱۲

...بو نغیرہ رضبعض ایرانی سابوں نے کہا ہے یہ بادشاہ گشتاسپ کی اولاد میں سے تھے۔ ...کا نام واح بن شیرزہ بن بیرویس بن تاریشمہ بن ماھوش بن باہکیسر ہے۔ بعض اربابِ سیر ...بیان کیا ہے کہ یہ کسی غزوے میں رسول اللہ صلعم کے حصے میں آئے تھے پھر آپ نے ان کو آزاد ...دران کے لئے وصیت لکھی۔ یہ ابی حسین بن عبد اللہ بن حمیزہ بن ابی حمیزہ کے دادا تھے ...م وصیت ان کی اولاد اور خاندان والوں کے پاس تھی۔ یہ حسین بن عبد اللہ مہدی کے ...یا اس کے ساتھ رسول اللہ صلعم کا وہ وصیت نامہ بھی تھا۔ مہدی نے اُسے اپنی ...ں سے لگایا اور تین سو دینار بطور صلہ اُسے دیئے۔

(۱۳)

...سیار رضیہ نوبہ کے باشندے تھے کسی غزوے میں یہ رسول اللہ صلعم کے حصے میں آئے

آپ نے ان کو آزاد کر دیا۔ یہ اُن غریبوں کے ہاتھ سے جنہوں نے رسول اللہ صلعم کے
اونٹوں پر غارت گری کی تھی اسی موقع پر شہید کر دیئے گئے۔

(۱۴)

مہران رضؓ انہوں نے رسُول اللہ صلعم سے حدیث روایت کی ہے۔

رسول اللہ صلعم کے گھوڑوں کے نام

سب سے پہلے آپ نے مدینہ میں اپنی خبزارہ کے ایک اعرابی سے گھوڑا دس اوقیہ چاندی
ں خریدا اس اعرابی نے اس کا نام خرش رکھا تھا آپ نے اس کا نام سکب رکھا سب سے
پہلے آپ نے احد میں اس پر سواری کی اور اُس روز سوائے اس گھوڑے اور ابوبردہ بن نیار
کے گھوڑے ملاوح کے اور کوئی گھوڑا مسلمانوں کے پاس نہ تھا۔ مر تجز سے مروی ہے کہ اسی گھوڑے
کے خریدنے میں خزیمہ بن ثابت گواہ تھے اور جس اعرابی سے آپ نے یہ گھوڑا خرید اتھا وہ بنی مرہ
ے تھا۔

ابی بن عباس بن سہل اپنے دادا کی روایت بیان کرتا ہے کہ رسول اللہ صلعم کے تین
گھوڑے تھے بزاز۔ ظرب اور نخیف الزاز آپ کو مقوقس نے بھیجا تھا لخنیف کو ربیعہ بن ابی البراء
نے آپ کو بھیجا تھا مگر اس کے عوض میں رسول اللہ نے بنی کلاب کے اونٹوں میں سے کچھ
بچے ربیعہ کو دیئے۔ ظرب آپ کو فروہ بن عمر الجذامی نے بھیجا تھا۔ تمیم الداری نے آپ کو ایک

گھوڑا اور دو نام بھیجا۔ رسول اللہ صلعم نے وُہ عمرؓ کو دے دیا۔ عُمرؓ نے اُسے جہاد کے لئے کسی کو دیا مگر بعد میں عمرؓ نے دیکھا کہ وُہ بک رہا ہے۔ بعض اربابِ سیر کا بیان ہے کہ مذکورہ بالا گھوڑوں کے علاوہ ایک گھوڑا الیعسوب نام بھی آپ کے پاس تھا۔

رسُول اللہ صلعم کے خچروں کے نام

رسُول اللہ صلعم کی مادہ خچر دلدل کو مقوقس نے ایک اور گدھے عفیر کے ساتھ آپ کو ہدیۃً بھیجا تھا۔ اسلام میں سب سے پہلے خچر یہی دیکھی گئی۔ یہ آپ کے بعد ایک عرصہ تک زندہ رہی یہاں تک کہ معاویہؓ کے عہدِ حکومت تک زندہ تھی

اس کے متعلق زہری سے مروی ہے کہ اس خچر کو فروہ بن عمر الجذامی نے آپ کے لئے بھیجا تھا زائل بن عمر سے مروی ہے کہ فروہ بن عمر نے فضہ نام ایک مادہ خچر رسول اللہ صلعم کو بھیجی وُہ آپ نے ابوبکرؓ کو دے دی اور ایک گدھا یعفور نام بھیجا تھا یہ آپ کی حجۃ الوداع سے واپسی میں اثنائے راہ میں مر گیا۔

رسُول اللہ صلعم کے اونٹوں کے نام

رسُول اللہ صلعم کی اونٹنی قصواء بنی الحریش کے اونٹوں میں سے تھی اسے اور اس کے ساتھ ایک دُوسری اُونٹنی کو حضرت ابوبکرؓ نے آٹھ سو درہم میں خریدا تھا۔ رسول اللہ صلعم نے چار سو درہم میں قصواء کو ابوبکرؓ سے خرید لیا۔ یہ مرنے تک آپ ہی کے پاس رہی اسی پر سوار ہو کر آپ نے ہجرت فرمائی جب آپ مدینے آئے یہ چار سال کی تھی۔ قصواء، سبعاء اور عضباء اس کے نام تھے ابن المسیّب سے مروی ہے کہ اس اونٹنی کا نام عضباء تھا اور اس کے کان کا کنارہ

کٹا ہوا تھا۔

رسُول اللہ صلعم کی دودھ دینے والی اونٹنیاں

آپ کے پاس بیس دودھ دینے والی اونٹنیاں تھیں جن پر آپ کے گھر والے بسر اوقات کرتے تھے۔ انہیں پر غابہ کے واقعہ میں کفار نے غارت گری کی تھی۔ روزانہ شام کو دو بڑے قرابوں میں ان کا دودھ دوہا جاتا تھا۔ ان میں جو زیادہ دودھ دینے والیاں تھیں۔ ان کے نام حناء۔ سمراء۔ عریس سعدیہ یغوم بسیرہ اور ریا تھے۔ ام سلمہؓ کے مولیٰ نبہان سے مروی ہے کہ میں نے ام سلمہؓ کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ رسُول اللہ صلعم کی حیات میں صرف دودھ پر بسر اوقات تھی یا ام سلمہؓ نے کہا زیادہ تر دودھ ہی ہماری خوراک تھی۔ غابہ میں رسول اللہ صلعم کی اونٹنیاں رہا کرتی تھیں اور آپ نے اپنی بیویوں میں تقسیم کر دی تھیں۔ ان میں ایک اونٹنی کا نام عریس تھا۔ ہم کو حسب ضرورت اسی کا دودھ ملتا تھا حضرت عائشہؓ کی اونٹنی کا نام سمراء تھا جو بہت دودھ دیتی تھی اور میری اونٹنی جیسی نہ تھی۔ جوانیہ کی سمت کی چراگاہ میں چرواہا ان کو چرانے لے جاتا تھا یہ شام کو چر کر ہمارے گھر آتی تھیں اور ان کا دودھ دوہا جاتا تھا خود رسُول اللہ صلعم کی اونٹنی ہم دونوں کی اونٹنیوں سے بہت زیادہ دیتی تھی کہ اس کا ایک کا دودھ ہماری اونٹنیوں کے دودھ کے برابر ہوتا تھا یا زیادہ ہوتا تھا۔

عبدالسلام بن جبیرؓ اپنے باپ سے مروی ہے کہ رسول اللہ کی کئی اونٹنیاں تھیں۔ جو ذی الجدر اور جماء میں چرا کرتی تھیں ان کا دودھ مدینے آتا تھا۔ آپ کی ایک اونٹنی کا نام مہرہ تھا جو بنی عقیل کے اونٹوں میں سے سعدؓ بن عبادہ نے رسُول اللہ صلعم کو بھیجی تھی۔ یہ بہت

دودھ دینے والی تھی اس کے علاوہ وہ ریا اور شقرا دو اونٹنیاں اور تھیں جو آپ نے بنی عامر سے نبط کے ہاٹ میں خریدی تھیں نیز بردہ ۔ ہمرا ۔ عریس ۔ بسیرہ اور حنا اونٹنیاں تھیں ۔ ہر شام ان کا دودھ آپ کے پاس لایا جاتا تھا ۔ ان کو چرانے کے لئے آپ کا غلام سیار متعین تھا جسے کفار نے قتل کر دیا تھا ۔

رسول اللہ صلعم کی بکریاں

مجموہ ۔ زمزم ۔ سقیا ۔ برکہ ۔ ورسہ ۔ اطلال اور اطراف آپ کی سات دودھ دینے والی بکریاں تھیں ۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم سات دودھ دینے والی بکریاں تھیں ۔ جن کو ابن ام ایمن چراتے تھے ۔

رسول اللہ صلعم کی تلواریں

مروان بن ابی سعید المعلی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم کو بنی قینقاع کے اسلحہ میں سے تین تلواریں قلعیہ ، تبار اور حتف غنیمت میں ملی تھیں ۔ اس کے بعد فلس سے آپ کو مخذم اور رسوب دو تلواریں ۔ بیان کیا گیا ہے کہ جب رسول اللہ مدینے آئے آپ کے پاس دو تلواریں تھیں ان میں ایک کا نام عضب تھا جس سے آپ بدر میں لڑے اور آپ کی تلوار ذوالفقار بنیہ بن الحجاج کی تھی جو آپ کو بدر میں غنیمت میں ملی ۔

رسول اللہ صلعم کی کمانیں اور نیزے

مروان رض بن ابی سعید ابن المعلیٰ سے مروی ہے کہ بنی قینقاع کے اسلحہ میں سے تین نیزے اور تین کمانیں آپ کو ملی تھیں ۔ ایک کا نام روحاء تھا ۔ ایک صنوبر کی تھی جس کا

م بیضا، تھا اور ایک بانس کی تھی جس کا نام صفرا، تھا اور یہ زرد رنگ کی تھی۔

سول اللہ صلعم کی زرہیں

مروان بن ابی سعید ابن المعلیٰ سے مروی ہے کہ جنگِ اُحد میں میں نے رسول اللہ صلعم پر دو زرہیں ذات الفضول اور فضہ دیکھیں اور خیبر میں آپ پر میں نے ذات الفضول اور سعدیہ دیکھیں۔

سول اللہ صلعم کی ڈھال

مکحول بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ کے پاس ایک ڈھال تھی جس میں مینڈھے کے سر کی تصویر تھی ناگوار ہوئی۔ ایک دن آپ نے دیکھا کہ اللہ نے اس شکل کو مٹا دیا۔

حدیث و سُنّت

ملاحظات!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ گرامی کے ساتھ ساتھ ضروری ہے کہ حدیث کے مسئلہ پر مجمل لیکن ماقلّ ودلّ گفتگو کر لی جائے۔

عجیب فتنہ!

حضرت علیؓ کے زمانہ میں خوارج کی جماعت پیدا ہوئی، یہ حضرات اپنے وقت کے "اہلِ قرآن" تھے، زہد و ورع میں ان کا پایہ بہت اونچا تھا، اپنے مقاصد کی راہ میں سرفروشی اور جاں نثاری کے جو جوہر انہوں نے دکھلائے وُہ تاریخ کا نہ فراموش ہونے والا باب ہے، لیکن ان میں ایک بہت بڑی کمزوری تھی، وہ یہ کہ انہوں نے "ان الحکم الا للّٰہ" کا نعرہ لگا کر حدیث کی قطعیت اور اہمیت سے حجت، اور صحت سے گویا انکار کر دیا تھا، یہ قرآن کو ہر معاملہ میں حَکَم بناتے تھے اور اپنی رائے سے اس کی تفسیر کرتے تھے، اسی پر جناب امیر علیہ السلام نے نہایت بلیغ اور حکیمانہ بات ارشاد فرمائی تھی کہ "کلمۃ حق ارید بہا الباطل"! یعنی یہ خوارج بات تو ٹھیک کہتے ہیں لیکن

اس حق سے باطل مراد لیتے ہیں، اور اسی پر عمل کرتے ہیں۔

نیا دَور!

اب خوارج بساطِ عالم سے تقریباً رخصت ہو چکے ہیں، لیکن ان کے بنائے ہوئے راستے پر کچھ لوگ اب بھی گام فرسائی کر رہے ہیں، یہ حدیث کو نہیں مانتے، قرآن کو حجت قرار دیتے ہیں اور اس کی تفسیر اپنی رائے سے کرتے ہیں، ظاہر ہے جب حدیث سے اِنکار کر دیا، اور اس کی حجت تسلیم نہیں رہی تو تفسیر بالرائے کا دَور شروع ہوگا۔ موجودہ زمانہ کے "اہلِ قرآن" یہی کرتے ہیں انہوں نے حدیث کو پسِ پشت ڈال دیا ہے، وُہ حدیث کو صرف تاریخی حیثیت دیتے ہیں اس کی دینی حیثیت اور عظمت کے منکر ہیں، اور صرف قرآن کو مدارِ استدلال قرار دیتے ہیں۔

لیکن کیا ان کی یہ بات ہم مان لیں؟

اگر ہم ایسا کریں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ہم نے دونوں آنکھوں سے کام لینا چھوڑ دیا، اور صرف ایک آنکھ پر قناعت کر لی۔ جسدِ اسلام کی دو آنکھیں ہیں۔

(۱) قرآن

(۲) حدیث

اگر ہم صرف حدیث کو مدارِ عقائد قرار دیں، اور قرآن کو یکسر نظر انداز کر دیں تو بھی گمراہ ہیں، اور اگر حدیث کو پسِ پشت ڈال دیں اور صرف قرآن کو مدارِ فکر و عمل قرار دے لیں تو بھی گمراہی سے نہیں بچ سکتے ہیں، اصل بات یہی ہے کہ اگر ہمیں سیدھے راستے پر چلنا ہے تو قرآن کے ساتھ ساتھ حدیث کو بھی اس کا واقعی درجہ دینا ہوگا۔

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بہ منزل نہ خواہد رسید

لہٰذا ضروری ہے کہ حدیث کے تمام پہلوؤں پر ہم ایک تحقیقی نظر ڈال لیں۔ یہی سوچ کر میں نے وُہ مقالہ تحریر کیا ہے جو اگلے صفحوں میں آتا ہے، اپنی طرف سے میں نے صورتِ مسئلہ کو واضح کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا ہے، خدا کرے میں اپنے دل کی بات قارئین تک پہنچانے میں کامیاب ہوسکوں:۔

حدیث کی دینی حیثیت

تاریخ و تعامل صحابہؓ کی روشنی میں!

عہدِ رسالت میں، احادیث کے ضبط و کتابت کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی گئی، اس لئے احتمال تھا کہ قرآن و حدیث مخلوط نہ ہو جائیں، اس کے علاوہ سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں خود حدیثِ ناطق موجود تھی یعنی سرکارِ رسالتؐ کا وجود باجود، جب تک رسالت مآب رونق بخش کارگاہِ حیات رہے اس وقت تک حدیثیں منضبط نہیں ہو سکیں، اس لئے کہ رسول اللہؐ کی حیاتِ طیبہ جس وقت تک باقی رہی اس وقت تک استفسار و استصواب، سوال و جواب اور پوچھ گچھ کا سلسلہ جاری رہا، نماز کے متعلق شبہ ہوا کہ "خیطِ ابیض" اور "خیطِ اسود" سے کیا مراد ہے! سرکارؐ نے اس کی تشریح فرما دی، امامت کون کرے؟ کس کا حق ہے؟ کے وقت کی نماز فرض ہوتی ہے سُنتوں کی حیثیت کیا ہے، تیمم کس کس طرح کیا جا سکتا ہے؟ یہ اور اس قبیل کے

بیسوں جزئی سوالات ہیں جن کا جواب قرآن مجید میں نہیں مل سکتا، لامحالہ ہمیں اس "عمل" کو ڈھونڈنا پڑے گا، جسے خود قرآن نے "اسوہ حسنہ" کے نام سے یاد کیا ہے، اور اُس "قول" کی جستجو کرنی پڑیگی جسے قرآن ہی نے "ان ھو الا وحی یوحیٰ" کے لقب سے ملقب کیا ہے، جب ہم میں کسی بات میں خلاف ہو، راہِ حق مفقود ہو رہی ہو تو لامحالہ "ردوہ الی اللہ و رسولہ" ہی پر سارا عمل ہو گا۔

ردِعمل واحتیاط!

جب آثار و اخبار کی کثرت ہوئی، اور مکہ شریف و مدینہ منورہ سے باہر قال اللہ و قال الرسول کا غلغلہ بلند ہوا تو ان میں خرقہ پوشانِ مکر و سالوس بھی تھے، جو بظاہر مسلمان تھے، لیکن جن کے قلوب کفر و شرک کی تاریکی سے ظلمتِ شب تاب کا منظر پیش کر رہے تھے، انہوں نے اپنے اغراض نامسعود اور اپنے مصالح سیاسی اور اپنی کامیابی و کامرانی کے لئے دُنیا میں غلط احادیث کی نشر و اشاعت کرنا چاہی، یہودیت اور عیسویت اور اسرائیلیات حدیث کے نام سے پیش کرنا چاہے، لیکن وُہ اپنے مقصد میں بالکل کامیاب نہیں ہو سکے۔ فوراً ہی ائمہ جرح و تعدیل کی ایک جماعت پیدا ہوئی، اسماء الرجال سے بحث کرنے والا ایک گروہ پیدا ہوا، اور اس نے ان لوگوں کے عزائم باطلہ کو تار تار کر کے رکھ دیا، اس نے ان کی پردہ دری کی، ان کے سوانح حیات قلمبند کئے، ان کے صدق و کذب کا امتحان کیا، ان کی دیانت و ثقاہت کو جانچا، ان کی صداقت اور راست گوئی کی پڑتال کی اور بالآخر انہیں بے نقاب کر کے چھوڑا، ان کے لئے ایک مستقل تاریخ بنائی جس میں ان کے پوست کندہ حالات ملتے ہیں، ابن عساکر اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ

قال سفیان الثوری، استعمل الرواۃ   سفیان الثوری کہتے ہیں کہ جب راویوں نے

الكذب استعملنا لهم التاريخ وقال حسان
بن زيد لم نستعن على الكذابين بمثل التاريخ
نقول للشيخ كم سنه وفي اي سنة تاريخ ولد
فاذا اقر بمولده عرفنا صدقه من كذبه
وقال الحسن بن الربيع قدمت بغداد
فلما خرجت شيعني اصحاب الحديث فلما
برزت الى الخارج قالوا توقف فان احمد
بن حنبل يجيء فقعدت واخرجت الواحي
فلما جاء قال لي في اي سنة مات عبدالله
بن المبارك فقلت سنة احدى وثمانين
فقيل له ما تريد بهذا فقال اريد الكذابين[1]

کذب کی آمیزش شروع کر دی.........

.........تو ہم نے تاریخ سے کام لینا شروع کیا، اور حسان زید کہتے ہیں کہ کذابین کے لئے تاریخ سے بڑھ کر ہمارا کوئی مددگار نہیں ہے، میں شیخ سے اس کا سن دریافت کرتا ہوں، اس کی تاریخ ولادت پوچھتا ہوں اگر وہ سچ سچ کہہ دیتا ہے تو ہم اس کا صدق اس کے کذب سے پہچان لیتے ہیں اور حسن بن ربیع کہتے ہیں کہ ایک بار میں بغداد گیا، جب میں چلنے لگا، تو اصحاب حدیث نے میری مشایعت کی، جب میں باہر پہنچا تو انہوں نے کہا ذرا ٹھہر جائیے، احمد بن حنبل آرہے ہیں، جب وہ آئے تو مجھ سے پوچھا کہ عبداللہ بن مبارک کا کس سنہ میں انتقال ہوا تھا؟ میں نے کہا ۱۸۱ھ میں، پھر ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ کا اس سوال سے کیا مطلب تھا؟ فرمایا میں کذابین کی شناخت

---

[1] ابن عساکر صفحہ ۲۶

اسی طرح کرتا ہوں۔

...حجر کا بیان!

علامہ ابن حجر جو اساطین علم حدیث میں ہیں، فرماتے ہیں کہ

...اسماء المدلسين بالتصنيف من المتقدمين
...ن بن علي الكرابيسي صاحب الامام الاعظم
...ني، ثم النسائي، ثم الدارقطني، ثم نظم
...شيوخنا الحافظ شمس الدين الذهبي
...اعا ارجوزة وتبعه بعض تلامذته وهو الحافظ
...احمد بن ابراهيم المقدسي فزاد عليه
...صنيف العلائي شيئا كثيرا مما فات الذهبي
...ثم ذيل شيخنا حافظ العصر ابو الفضل بن
...ين في هوامش كتاب العلائي اسماء
...ت له زائدة ثم جمعها ولد العلامة قاضي
...ة ولي الدين ابو زرعة الحافظ ابن الحافظ
...ن ذكره العلائي واخرج المدلسين بالتصنيف
...المتأخرين المحدث الكبير المتقن برهان
...ين الحلبي سبط ابن العجمي غير متقيد

قدما کی تصانیف میں مدلسین کی جو تعریف کی ہے
ان میں حسین بن علی الکرابیسی صاحب امام شافعی
ہیں، پھر نسائی، پھر دارقطنی، پھر ہمارے استاذ الاساتذہ
علامہ ذہبی نے کچھ اضافہ کیا ہے، پھر ان کے بعض
تلامذہ نے اس باب میں ان کی پیروی کی، ان میں
حافظ ابو محمد احمد بن ابراہیم مقدسی، علائی نے اپنی
تصنیف میں وہ تمام چیزیں ایزاد کیں جو علامہ
ذہبی سے رہ گئی تھیں، پھر ہمارے استاذ ابو الفضل
بن حسین کا ذیل ہے، علائی کی کتاب کے حاشیہ
میں زیادہ اسماء کا تذکرہ ہے پھر ان کے فرزند
ارجمند قاضی القضاۃ ولی الدین ابو زرعہ نے ان
چیزوں کو شامل کیا ہے جو علائی نے ذکر کی ہیں
متاخرین میں جن لوگوں نے مدلسین کی تخریج
کی ہے ان میں جلیل القدر محدث برہان الدین الحلبی

بکتاب العلائی فزاد علیھم قلیلا لجمیع ما فی	ہیں جنہوں نے علائی کی پابندی نہیں کی، علائی
کتاب العلائی من الاسماء ثمانیة و ستون نفسا	کی کتاب میں کل اسماء جن کی تخریج ہوتی ہے
وزاد علیھم ابن العراقی ثلاثة عشر نفسا	۶۸ ہیں ابن عراقی اس پر ۱۳ ناموں کا اور
وزاد علیه الحلبی اثنین وثلاثین نفسا	اضافہ کیا ہے حلبی نے ۳۲ نام اور ازاد کیے
وزدت علیھما تسعة وثلاثین نفسا فجملة	ہیں اور میں نے ان پر ۳۹ نام اور بڑھائے ہیں
ما فی کتابی ھذا مائة واثنان وخمسون نفسا ⁽¹⁾	پس میری کتاب میں کل ۱۵۲ النفوس کا تذکرہ ہے

مدلّسین پر نقد!

یا اتنی تحقیق آپ کو معلوم ہے کس چیز پر کی گئی ہے یہ وُہ وضاعین و کذابین نہیں ہیں جن کا پیشہ حدیث کا گھڑنا ہے، وُہ بھی نہیں ہیں جو اسرائیلیات کی اشاعت کر رہے ہوں، وہ بھی نہیں ہیں، جن کا وظیفۂ حیات کذب و دروغ کی نشر و ترقی ہو، بلکہ یہ لوگ مدلّسین ہیں، یہ وُہ لوگ ہیں جو حدیث بیان کرتے ہیں، سلسلہ رواۃ بیان کرتے ہیں، لیکن اپنے شیخ کا معروف نام نہیں ظاہر کرتے، بلکہ غیر معروف نام سے انتساب کرتے، یہ ایک قسم کی تدلیس ہوئی، یہ کیسے ممکن تھا کہ اسماء الرجال کے مبصرین کی نگاہِ دُور رس سے بچ جاتے، ان پر بھی کتابیں تصنیف ہوئیں، ان پر اضافہ کیا گیا، ذیل لکھے گئے اور ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ان لوگوں کو منصۂ شہود پر جلوہ گر کیا گیا۔ ظاہر ہے جب مدلّسین کے ساتھ اتنا شغف کیا گیا تو وضاعین و کذابین کے ساتھ کیا کچھ نہ کیا گیا ہوگا؟ ان پر بھی دفتر کے دفتر سیاہ کیے گئے، کتابیں لکھی گئیں، تاریخیں ضبطِ تحریر میں آئیں، اور

(۱) کتاب طبقات المدلسین لابن حجر

بالآخر انہیں بے نقاب کر دیا گیا، علامہ ذہبی کی میزان الاعتدال اور علامہ ابن حجر کی تہذیب التہذیب اور تقریب التہذیب اس پر شاہد عادل ہیں، امام نسائی وغیرہ نے مستقل تصنیفیں لکھیں جن میں التاریخ الصغیر، کتاب الضعفاء والمتروکین للبخاری اور کتاب الضعفاء والمتروکین للنسائی زیادہ قابلِ ذکر ہیں۔

طاہر جزائری اپنی کتاب میں لکھتا ہے:۔

قد کان للصحابة رضی اللہ عنہم عنایة تامة بمعرفة الحدیث وفی نقلہ لمن لم یبلغہ فقد ذکر البخاری فی صحیحہ فی کتاب العلم ان جابر بن عبداللہ رحل مسیرة شہر الی عبداللہ بن انیس فی حدیث واحد۔

صحابہ رضی اللہ عنہم معرفت حدیث میں بہت توجہ فرماتے تھے، اسی طرح نقل وضبط میں بھی خصوصاً اس حدیث کے بارے میں جو کسی کو اب تک نہ پہنچی ہو چنانچہ امام بخاری نے اپنی "صحیح" میں کتاب العلم میں ذکر کیا ہے جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن انیس کے پاس ایک مہینہ کی مسافت طے کر کے صرف ایک حدیث کے لئے گئے۔

خلفائے راشدین اور حدیث!

ایک بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ خلفائے راشدین خود بھی روایت بہت کم کرتے تھے، اور دوسروں کو بھی کم کرنے دیتے تھے اور حضرت ابو ہریرہؓ پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ

توجیہ النظر صفحہ ۱۰

کثیر الروایۃ تھے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے انہیں کثرتِ روایت سے روکا بھی ہے، اس کی صفائی خود حضرت ابوہریرہؓ نے بایں الفاظ دی ہے کہ

ان الناس یقولون اکثر ابو ھریرۃ ولولا ایتان فی کتاب اللہ ما حدثت حدیثا ثم یتلو ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والھدیٰ والی قولہ الرحیم، ان اخواننا من المھاجرین کان یشغلھم الصفق فی الاسواق وان اخواننا من الانصار کان یشغلھم العمل فی اموالھم وان ابا ھریرۃ کان یلزم رسول اللہ یشبع بطنہ ویحضر ما لا یحضرون ویحفظ ما لا یحفظون[1]

لوگ کہتے ہیں کہ ابوہریرہؓ کثیر الروایت ہے اگر دو آیتیں میرے پیشِ نظر نہ ہوتیں تو میں کبھی حدیث بیان نہ کرتا (ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والھدیٰ الی قولہ الرحیم) ہمارے مہاجرین بھائی تجارت میں مشغول رہتے تھے ہمارے انصار بھائی اپنے مال کی دیکھ بھال میں سرگرداں رہتے تھے، لیکن ابوہریرہؓ رسولؐ کا دامن پکڑے ہوئے تھا کبھی آپؐ سے جدا نہیں ہوتا تھا، وہ اس وقت بھی حاضر رہتا تھا جس وقت لوگ غیر حاضر ہوتے تھے، وہ اسے بھی یاد رکھتا تھا جسے لوگ نہیں یاد رکھتے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے اپنی صفائی میں خود یہ الفاظ ارشاد فرمائے ہیں، اس جگہ یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ بعض صحابہ جو قلتِ روایت کے حامی تھے، وہ ڈرتے تھے کہ

اذ الاکثار مظنۃ الخطاء فی الحدیث عظیم الخطر

کہیں کثرتِ روایت سے غلطی نہ سرزد ہو، اور

---

[1] توجیہ النظر صفحہ ۱۱

حدیث میں غلطی ایک بہت بڑا خطرہ ہے۔

برعکس اس کے حضرت ابوہریرہؓ قرآن شریف کی اس وعید سے ڈرتے تھے اور چاہتے تھے کہ جو کچھ میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے وہ میں بیان کر دوں تاکہ میں ان لوگوں میں نہ شمار کیا جاؤں، جو حق و ہدایت کو چھپاتے ہیں، لہذا جہاں تک ان کا حافظہ ان کی اعانت کرتا تھا وہ حدیثیں بیان فرماتے تھے، اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوتے تھے، حضرت ابوہریرہؓ اور دوسرے جلیل القدر صحابہ کا مسلک میں اختلاف، اختلاف فی الاجتہاد کی حیثیت رکھتا تھا، اور سچ تو یہ ہے کہ یہی اختلافِ مسلک اُمت کے لئے باعثِ رحمت ثابت ہوا خلفائے راشدینؓ اور دوسرے صحابہؓ اگر اس میں اتنا تشدد آغازِ کار ہی میں نہ کرتے، تو یقیناً تلبیس و تدلیس کا دروازہ کھل جاتا، حضرت ابوبکرؓ زیادہ سے زیادہ احتیاط فرماتے تھے باایں ہمہ حدیث کو قبول کرنے میں اگر اس کی صداقت ثابت ہو گئی ہو، انہوں نے کبھی انکار نہیں فرمایا بلکہ اسے تسلیم کیا، اور نافذ کیا، چنانچہ اسی تذکرۃ الحفاظ میں ایک واقعہ مذکور ہے جو قابلِ غور ہے کہ

حضرت ابوبکرؓ!

وکان اول من احتاط فی قبول الاخبار فروی ابن شہاب عن قبیصۃ بن ذویب ان الجدۃ جاءت الی ابی بکر تلتمس ان تورث فقال ما اجد لک فی کتاب اللہ شیئاً وما علمت ان رسول اللہ ذکر لک شیئاً ثم سال الناس فقام المغیرۃ

وہ حضرت ابوبکرؓ پہلے شخص تھے جنہوں نے حدیث کے قبول کرنے میں سب سے پہلے احتیاط برتی، ابن شہاب قبیصہ بن ذویب سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت "جدہ" (دادی) کا حق طلب کرتی تھی، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ قرآن مجید میں تو

فقال سمعت رسول اللہ ﷺ یعطیها السدس — میں تیرے لئے کچھ نہیں پاتا، اور نہ یہ جانتا ہوں کہ

فقال له هل معك احد؟ فشهد محمد بن مسلمة — رسول اللہؐ نے اس بارے میں کچھ فرمایا ہے، پھر

مثل ذالك فانفذ لها ابوبكر رضی اللہ عنہ — آپ نے لوگوں سے دریافت کیا تو مغیرہؓ اُٹھے اور

کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے وہ عطا فرماتے

تھے، حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا کوئی شاہد؟ محمد بن

مسلمہ نے شہادت دی تو آپ نے اُسے نافذ فرمایا

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اگرچہ محتاط تھے لیکن بایں ہمہ اگر کوئی سچی حدیث انہیں مل گئی ہے تو انہوں نے اسے قبول کر لیا؟

حضرت عمرؓ

حضرت عمرؓ کا تشدد اس بارہ میں بہت زیادہ واضح ہے ایک بار کثرتِ روایت پر وُہ حضرت ابوہریرہؓ کو پیٹنے کی دھمکی بھی دے چکے ہیں لیکن اس کے باوجود اگر ان کے معیار کے مطابق انہیں کوئی صحیح حدیث مل گئی ہے تو انہوں نے بھی اسے تسلیم فرما لیا ہے، امام ذہبی حضرت عمرؓ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

وهو الذی سن للمحدثین التثبت فی النقل — حضرت عمرؓ وُہ بزرگ ہیں جنہوں نے محدثین کے

وربما کان یتوقف فی خبر الواحد اذا ارتاب — لئے تثبت فی النقل لازم کر دیا اگر آپ کو شک

فروی الجریری عن ابی نضرة عن ابی سعید ان — ہوتا تو خبر واحد میں کبھی کبھی آپ تامل فرماتے جریری

---

[1] تذکرۃ الحفاظ امام ذہبی ذکر

ابا موسى اسلم على عمر من وراء الباب ثلاث
مرار فلم يؤذن له فرجع فارسل عمر في اثره
فقال لم رجعت رسول الله اسلم احدكم ثلاثا
فلم يجب فليرجع قال لتاتيني على ذالك ببينة
او لافعلن بك فجاءنا ابو موسى منتقعا لونه
ونحن جلوس فقلنا ما شانك فاخبرنا فقال هل
سمع احد منكم فقلنا نعم كلنا سمعه فارسلوا
معه رجلا منهم حتى اتى عمر فاخبره

ابونضر سے اور وہ ابوسعید سے روایت کرتے ہیں
کہ ابوموسیٰ نے دروازے کے پیچھے سے حضرت
عمرؓ کو تین بار سلام کیا لیکن کوئی جواب نہیں ملا
تو وہ واپس آئے، حضرت عمرؓ نے انہیں بلوایا
اور کہا کہ تم واپس کیوں گئے، انہوں نے جواب
دیا کہ میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ تم میں
سے جب کوئی تین بار سلام کرے اور جواب نہ
ملے تو اسے واپس ہو جانا چاہیے، حضرت عمرؓ
نے کہا کہ تمہیں اس قول پر دلیل لانا پڑے گی
ورنہ میں بری طرح پیش آؤں گا تو ابوموسیٰ
ہمارے پاس آئے چہرہ کا ایک رنگ آتا تھا
ایک جاتا تھا، ہم لوگ بیٹھے ہوئے تھے ہم نے
پوچھا کیا حال ہے، انہوں نے اپنے واقعہ سے
مطلع کیا، اور دریافت کیا کہ تم میں سے کسی نے
اسے سنا ہے ہم نے کہا، ہاں ہم میں سے ہر
شخص نے سنا ہے، تو ان کے ساتھ ایک آدمی
کر دیا اس نے حضرت عمرؓ کو اس کی خبر دی۔

ذہبی کی رائے!

علامہ ذہبی اس واقعہ پر ذیل کی رائے ظاہر فرماتے ہیں جو بڑی حد تک قابلِ قبول ہے کہ

احب عمر ان یتاکد عن خبر ابی موسیٰ بقول
صاحب اخر ففی ھذا دلیل علی ان الخبر اذا
رواہ ثقتان کان اقوی وارجح مما انفرد به
واحد وفی ذالك حض علی تکثیر طرق الحدیث
لکی یرقی عن درجة الظن الی درجة العلم
اذ الواحد یجوز علیه النسیان والوھم
ولا یکاد یجوز ذالك علی ثقتین لم یخالفهما احد
وقد کان عمر من وجله ان یخطی الصاحب
علی رسول اللّٰہ یامرھم ان یقلوا الروایة
عن نبیھم ولئلا یتشاغل الناس بالاحادیث[1]

حضرت یہ چاہتے تھے کہ ابو موسیٰ کی حدیث کسی
دوسرے آدمی سے اور زیادہ موکد ہو جائے، اس
سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حدیث کو جب ثقہ آدمی روایت
کریں تو وہ بہت زیادہ اقوی اور ارجح ہو جایا کرتی
ہے بہ نسبت اس کے کہ منفرد اکیلے شخص سے روایت
کی گئی ہو اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت
عمرؓ طرق حدیث کی کثرت کی طرف لوگوں کو مائل
کرنا چاہتے تھے، تاکہ حدیث درجۂ ظن سے درجۂ
علم تک پہنچ جائے کیونکہ ایک آدمی کے لئے یہ
ممکن ہے کہ اس پر نسیان و وہم کا غلبہ ہو، اور
جب دو ثقہ آدمی روایت کریں تو یہ اندیشہ کم ہو جاتا
ہے، حضرت عمرؓ اس سے ڈرتے رہتے تھے کہ
بیانِ حدیث میں کوئی خطا سرزد ہو جائے، انہوں
نے حکم دے رکھا تھا کہ روایۃ کم کی جائے تاکہ لوگ

---

[1] تذکرۃ الحفاظ

حفظِ حدیث سے غافل نہ ہو جائیں۔

علامہ ذہبی نے جو رائے ظاہر فرمائی ہے وُہ بہت صحیح ہے اور یہی وُہ جذبۂ احتیاط پسندی تھا کہ جس سے حضرت عمرؓ قلتِ روایت اور کثرتِ درایت کو پسند فرماتے تھے، اور جب ایسا ہوتا تھا تو بلا تامل وہ حدیث کو تسلیم کر لیتے تھے، جیسا کہ آگے آتا ہے کہ

روی ھشام عن ابیہ المغیرۃ بن شعبۃ ان عمر استشارھم فی املاص المرأۃ یعنی السقط فقال لہ المغیرۃ قضٰی فیہ رسول اللہ بغرۃ فقال لہ عمران کنت صادقا فان احد العلیم ذالک قال فشھد محمد بن مسلمۃ ان رسول اللہ قضٰی بہٖ[1]

ہشام اپنے والد مغیرہ بن شعبہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے سقط کے بارے میں مشورہ کیا تو مغیرہ نے کہا کہ رسولِ اللہؐ نے ایک لونڈی کے بارے میں یہ فیصلہ کیا ہے تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی دُوسرا آدمی لاؤ جو اس سے واقف ہو، محمد بن مسلم نے شہادت دی کہ رسول اللہؐ نے ایسا فیصلہ کیا تھا۔

آگے چل کر دوسرا واقعہ جو پیش کیا جاتا ہے اس میں حضرت عمرؓ نے اپنا مسلک اور واضح کر دیا ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے مسجد کی توسیع کے لئے حضرت عباسؓ سے ان کی زمین چاہی تو انہوں نے انکار کیا اور حدیث بیان کی کہ تم زیادتی نہیں کر سکتے تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ اس پہ دلیل لاؤ ورنہ اچھا نہیں ہو گا، پس انہوں نے ایک جماعت انصار سے اس کا تذکرہ کیا، انصار نے حضرت عمرؓ سے تصدیق کی کہ ہاں یہ حدیث صحیح ہے، پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ

---

[1] تذکرۃ الحفاظ

انی لم اتھمک ولکنی احببت ان اتثبت[1] — میں تمہیں غیر معتبر نہیں سمجھتا لیکن یہ چاہتا تھا کہ حدیث ثابت ہو جائے۔

اسی طرح حضرت علیؓ بھی پورے اطمینان کے بعد حدیث قبول فرماتے تھے، یہاں تک کہ وہ تو

انہ یستحلف من یحدثہ بالحدیث[2] — جو شخص حدیث بیان کرتا تھا اس سے قسم لیتے تھے

طاہر جزائری کی رائے!

طاہر جزائری نے حضرت ابوبکرؓ کے اس واقعہ پر جب آپ نے سدس دلایا تھا، بہت عمدہ بات لکھی ہے کہ

الا تراہ لما نزل بہ امر الجدۃ ولم یجدہ فی الکتاب کیف سال عنہ فی السنن فلما اخبرہ الثقۃ لم یکتف حتی استظہر بثقۃ اخر ولم یقل حسبنا کتاب اللہ کما تقولہ الخوارج[3] — کیا تم اسے نہیں دیکھتے کہ اس عورت والے واقعہ میں جب حضرت ابوبکرؓ نے قرآن میں اس کے متعلق کچھ نہیں پایا تو اس بارے میں سنن و حدیث کی طرف توجہ کی، اور جب ثقہ نے حدیث بیان کی تو آپ نے صرف اس پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ ایک دوسرے ثقہ سے اسے مؤکد کر لیا تو کتاب اللہ کافی ہے جیسا کہ خوارج کہا کرتے تھے۔

اور حضرت ابوبکرؓ یہ فرما کیسے سکتے تھے، جب کہ ان کے سامنے یہ بھی تھا کہ

فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (قرآن مجید) — اگر تم کوئی چیز نہ جانتے ہو تو اہلِ ذکر سے دریافت کرو

---

[1] تذکرۃ الحفاظ [2] تذکرۃ الحفاظ [3] توجیہ النظر صفحہ ۱۲

اور اہلِ ذکر ان سے بڑھ کر اور کون ہو سکتا تھا جنہوں نے ایک ایک حدیث کے لئے دُور دراز کی مسافتیں طے کیں، طرح طرح کے مصائب برداشت کئے، آفات و حوادث کا مقابلہ کیا، فاقے کئے، پتے باندھے، راستے کی لالٹینوں میں پڑھا، مسجد کے چراغ میں پڑھا، غرض اس علم سے جو مصیبت آئی اسے انگیز کیا، صرف اس لئے کہ اقوالِ رسولؐ مدوّن ہو جائیں، ارشادِ رسولؐ منضبط ہو جائیں اور سرکارِ رسالتؐ کا کوئی فعل اور قول پردۂ خفا میں نہ رہے۔

تقیید علم!

عن ابن جریج عن عطاء عن عبد اللہ بن عمرو قال قلت یا رسول اللہ اقید العلم؟ قال نعم قال وما تقییدہ قال کتابتہ

ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ سے پوچھا کہ علم قید کیا جا سکتا ہے، فرمایا، ہاں، میں نے پوچھا اس کی تقیید کیا ہے، فرمایا، کتابت۔

و

اور

عن حماد بن سلمۃ عن محمد بن اسحٰق عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال قلت یا رسول اللہ اکتب ما اسمع منک؟ قال نعم قلت فی الرضا والغضب قال نعم فانی لا اقول فی ذالک کلہ الا بالحق[1]

حماد بن سلمہ محمد بن اسحاق سے، وہ عمرو بن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے والد سے دریافت کرتے ہیں کہ میں نے رسولؐ سے پوچھا کہ میں وہ سب کچھ لکھ لیا کروں جو آپؐ سے سنوں، فرمایا ہاں، انہوں نے کہا کہ آپ خوشی سے فرماتے ہیں یا غصہ سے؟ فرمایا سوا سچ کے میں اور کچھ نہیں کہتا۔

اور سب سے بڑھ کر بخاری کی یہ حدیث کہ

عن ابی ھریرۃ انہ قال ما من احد اصحاب النبی اکثر حدیثا عنہ منی الا ما کان عبد اللہ بن عمر فانہ کان یکتب ولا اکتب

ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ اصحاب رسولؐ میں باعتبار علم حدیث کے کوئی مجھ سے زیادہ نہیں ہے، سوا ابن عمرؓ اس لئے کہ وہ لکھ لیتے تھے، جو کچھ سنتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔

ایک اہم اقتباس!

اگر کوئی حدیث کتابت حدیث کی مخالفت میں ہو تو ایک سے زائد اس کی تائید میں ہیں یہ تناقض اور تباین کیونکر رفع ہو؟ اور ان میں سے کسے صحیح سمجھا جائے، اور کسے ناقابلِ عمل؟ اس کا جواب یہ ہے :-

قال ابو محمد ونحن نقول ان فی ھذا معنیین بحدھما ان یکون من منسوخ السنۃ بالسنۃ کانہ نھی فی اول الامر ان یکتب قولہ ثم رای بعد لما علم ان السنن تکثر وتفوت الحفظ ان تکتب وتقید والمعنی الاخر ان یکون خص بھذا عبد اللہ بن عمرو لانہ کان قارئا لکتب المتقدمین ویکتب بالسریانیۃ والعربیۃ وکان غیرہ من الصحابۃ امیین لا یکتب منھم الا الواحد

ابو محمد کا اور خود ہمارا بھی یہی خیال ہے کہ اس باب میں جمع قول کی اور رفع تناقض وتخالف کی دو صورتیں ہیں پہلی تو یہ کہ سنت سنت سے منسوخ ہو گویا یوں ہوا کہ پہلی بار رسول اللہؐ نے اس سے منع فرمایا کہ آپؐ کے اقوال ضبطِ تحریر میں آئیں اس کے بعد جب آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ سنن کی کثرت ہو رہی ہے، ممکن ہے یہ چیزیں حافظہ سے نکل جائیں لہٰذا انہیں لکھ لیا جائے اور نقل

وإذا كتب لم يتقن ولم يصب التهجي فلما خشي عليهم الغلط فيما يكتبون نهاهم ولما أمن على عبد الله بن عمرو ذلك أذن له

کر لیا جائے اور دوسری صورت یہ ہے کہ یہ حکم عبداللہ بن عمرو کے لئے مخصوص ہوا اس لئے کہ وہ کتبِ قدیمہ کے عالم تھے، سریانی اور عربی لکھنا جانتے تھے، ان کے علاوہ جو صحابہ تھے وہ باستثنا چند اُمّی محض تھے، اس لئے ان کی کتابت میں یہ خطرہ ہوا کہ ممکن ہے کچھ غلطی ہو جائے لہٰذا کتابت سے منع فرمایا لیکن جب ان پر یقین ہو گیا کہ اب ایسا نہیں ہوگا تو اجازت دے دی۔

سرکارِ رسالتؐ نے منع بھی فرمایا تو بہ مصالح اور جب وہ مصالح رفع ہو گئے تو خود ہی کتابت کی اجازت دے دی، اب اس میں نہ کوئی تناقض ہے نہ تباین نہ تخالف، اور اس کی مزید توثیق حضرت ابوہریرہؓ کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں انہوں نے عبداللہ بن عمرؓ کو اپنے سے زیادہ عالم بالحدیث اس بنا پر تسلیم کیا ہے کہ وہ حدیث لکھ لیا کرتے تھے، اور یہ نہیں لکھتے تھے، اور ظاہر ہے یہ فعل کتابت رسول اللہؐ کی زندگی ہی میں ہوتا تھا۔

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ

لہٰذا جب احادیث و سنن کی کثرت ہوئی اور یہ ناممکن ہو گیا کہ وہ انسانی حافظہ میں محفوظ رہ سکیں، تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے، جن کا زہد و ورع، حلم و دیانت، راست بازی اور حق پسندی انصاف و عدالت، خشیۃ فی اللہ اور استقامت علی الحق کا ہر فرد و بشر معترف ہے، اور انہیں ابنائ

کی بنا پر دنیا انہیں "ثانی عمر بن الخطاب" کے نام سے یاد کرتی ہے) کتابت حدیث کا حکم دیا اس کی جمع و تدوین کی کوشش کی اس کے ضبط و اشاعت کے احکام صادر فرمائے بعض لوگ کہتے ہیں

لاتکتبوا عنی غیر القرآن ومن کتب عنی شیئاً فلیمحه (حدیث)

مجھ سے سوائے قرآن کے اور کچھ نہ لکھو، اور جو کسی نے قرآن کے سوا کچھ لکھا ہو تو مٹا ڈالے۔

لیکن پوری حدیث یوں ہے جسے مسلم نے تخریج کیا ہے کہ

لاتکتبوا عنی غیر القرآن ومن کتب عنی شیئاً غیرہ فلیمحه وحدثوا عنی فلاحرج

مجھ سے سوائے قرآن کے اور کچھ نہ لکھو اور جو کسی نے قرآن کے سوا کچھ لکھا ہو تو مٹا ڈالے، ہاں مجھ سے حدیث بیان کرو اس میں کوئی حرج نہیں۔

اور اس کے معاً بعد ارشاد ہوا کہ

ومن کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار

جس نے جان بوجھ کر میرے متعلق غلط بیانی کی، اسے چاہیئے کہ وُہ جہنم میں اپنا ٹھکانا بنائے۔

اور اس کے بعد طاہر جزائری فرماتے ہیں کہ

قال کثیر من العلماء انما نهاهم عن کتابة الحدیث خشیة اختلاطه بالقرآن، وهذا لاینافی جواز کتابته اذا امن اللبس وبذلك یحصل الجمع بین هذا وبین قوله علیه الصلوٰة والتسلیم فی مرضه الذی توفی فیه ائتونی

بہت سے علماء کا یہ خیال ہے کہ کتابت حدیث سے اس لیے منع فرمایا کہ قرآن مجید اور حدیث میں اختلاط نہ ہو جائے اور یہ ممانعت جواز کتابت کے منافی نہیں ہے جبکہ لبس و اختلاط کا اندیشہ نہ ہے اور اس خیال کو مزید تقویت یوں ہوتی ہے کہ اپنے

بکتاب اکتب لکم بالا تضلوا بعدہٗ　　　　مرض الموت میں خود رسول اللہ نے کاغذ منگایا

کہ میں تمہارے لئے ایسی چیز لکھ دوں کہ تم اس

کے بعد گمراہ نہ ہو سکو۔

ظاہر جزائری کی ان تصریحات کے بعد یہ معاملہ اور زیادہ مستحکم ہو گیا ہے، اور حالات و واقعات بھی اس کی تائید کرتے ہیں کہ لبس فی القرآن کے خوف سے منع فرمایا گیا اور جب یہ اندیشہ رفع ہو گیا تو ظاہر ہے پھر کسی قدغن کی ضرورت نہ تھی۔

حدیث کی حیثیت!

بعض حضرات کا خیال ہے:۔

"جملہ اصولیئن اور محدثین نے صحیح حدیث کی صحت کو بھی ظنی مانا ہے یقینی نہیں کہا ہے، بجز متواتر کے جس کے وجود ہی میں بحث ہے، انہوں نے احادیث پر جو احکام لگائے ہیں، مثلاً قوی، صحیح، حسن، مقبول یا ضعیف، منکر، موضوع اور مردود، ان سے خود ظاہر ہوتا ہے، کہ وہ کسی یقینی فیصلہ تک نہیں پہنچ سکتے ورنہ روایت کی دو ہی صورتیں ہیں صحیح یا غلط" (جامعہ صفحہ ۲۳۶)

میں اس قول سے بھی اختلاف کرنے کی جرأت کرتا ہوں، محدثین حدیث متواتر کو قطعی اور یقینی مانتے ہیں تو ایک حدیث سے جو اپنے شرائط کے اعتبار سے متواتر ہے لیکن چند موضوع، منکر اور ضعیف حدیثیں بھی ہیں جو اس حدیث متواتر کی تائید کرتی ہیں تو ہم ان کو باصطلاح محدثین متابعات میں داخل کریں گے یعنی کسی موضوع، منکر اور ضعیف حدیث سے ہم استناد نہیں کرینگے

لیکن اگر وہ کسی صحیح مشہور اور متواتر حدیث کی تائید کرتی ہوں، تو ان سبھی حدیثوں کی صحت بھی پایۂ یقین تک پہنچ جائے گی، چنانچہ بخاری میں جو بعض ضعیف رواۃ پائے جاتے ہیں، یا علامہ ابن جوزی نے صحیحین کی بعض حدیثوں کو موضوع قرار دیا ہے" تو اس کا نہایت صاف واضح اور غیر مشتبہ جواب یہی ہے کہ وُہ حدیثیں یا وُہ رواۃ متابعات کے تحت میں ہیں نہ کہ اصل مسئلہ پر احتجاج کے لئے اور اس طریقہ پر ان رواۃ یا احادیث پر اعتماد کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے مثلاً زید ایک نہایت کذاب، مفتری، دروغ گو، اور بد باطن شخص ہے، وُہ آپ سے کہتا ہے کہ فلاں بزرگ فرماتے تھے کہ جب کھانا کھایا کرو۔ تو بسم اللہ کر لیا کرو۔ آپ بلا تامل کہہ سکتے ہیں کہ تو دروغ گو ہے ہمیں تجھ پر اعتماد نہیں، لیکن عمرو کی صداقت، دیانت، راست بازی، زہد، تقویٰ، پاکبازی آپ کے نزدیک مسلم ہے، غیر مشتبہ ہے آپ نے اس میں محامد کے سوا معائب کبھی نہ دیکھے نہ سنے ہوا اللہ کے غیر اللہ سے انہیں مرعوب و متاثر ہوتے آپ نے کبھی نہ دیکھا، جھوٹ بولتے کبھی نہ سنا غرض آپ کو اس پر پورا اعتماد ہے، وُہ آپ سے کہتا ہے کہ فلاں بزرگ فرماتے تھے کہ جب کھانا کھایا کرو تو بسم اللہ کر لیا کرو" اب آپ یقیناً بلا پس و پیش اعتماد کریں گے، اور تسلیم کریں گے کہ عمرو نے جو کچھ کہا سچ کہا، اب وہی زید جو نہایت کذاب، مفتری، دروغ گو اور بد باطن شخص ہے آپ کے سامنے آتا ہے، اور کہتا ہے کہ فلاں بزرگ فرماتے تھے کہ جب کھانا کھایا کرو تو بسم اللہ کر لیا کرو، اب آپ اس کے بارے میں کیا ارشاد فرمائیں گے، اس کے اس قول کو جھوٹا سمجھیں گے یا سچا لامحالہ آپ زید کو نہیں بلکہ زید کی اس بات کو سچ سمجھنا پڑے گا، بس یہی متابعات کی کیفیت ہے کیونکہ وہ متواتر حدیث کی متابعت میں ہوتی ہیں، اس لئے انہیں صحیح سمجھا جاتا ہے۔

وطا امام مالکؒ!

یہ جھگڑا تو خیر رواۃ کے متعلق تھا کہ حدیث کی بعض کتابوں میں سلسلۂ رواۃ ذرا طویل ہوتا ہے لیکن ایسی کتابیں بھی ہیں جن میں اس قسم کا کوئی جھگڑا نہیں ہے، مثلاً موطا امام مالک اکثر و بیشتر وہ تین چار واسطوں سے رسول اللہؐ تک پہنچتے ہیں، مثلاً مالک، عن نافع عن ابن عمرؓ عن النبیؐ امام مالکؒ کی صداقت و دیانت میں جمہور امت کو اتفاق ہے۔ نافع ابن عمرؓ کے مولیٰ ہیں، ان پر بھی زبانِ طعن دراز نہیں ہو سکتی، خود ابن عمرؓ وہ ہیں جن کے زہد اور شغف فی السنت کا سارا زمانہ قائل ہے، خود سرکار رسالتؐ کے دربار سے خوشنودیِ مزاج کا تمغہ انہیں مل چکا ہے، ان کے بعد نبی کریمؐ ہیں، اس سلسلہ رواۃ کو محدثین کرام "سلسلۃ الذہب" کہتے ہیں، اور کون ہے جو اس قسم کی روایتوں کو ظنی قرار دے؟

حدیث کی دینی حیثیت!

منکرینِ حدیث کا خیال ہے کہ

"جب سے حدیثوں کی تدوین شروع ہوئی ہے اسی وقت سے اہلِ علم کی ایک جماعت ایسی ہوتی چلی آئی ہے جو اس کی دینی حیثیت کی منکر رہی۔"

سب سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس غلط فہمی کی تصحیح کر دی جائے امام شافعی فرماتے ہیں کہ

لم اسمع احدا نسبه الناس او نسب نفسه
الی علم یخالف فی ان فرض الله عز وجل
اتباع امر رسول الله بحکمه بان الله عز وجل

مجھے کسی ایسے شخص کا علم نہیں جسے لوگ اہلِ علم
کہتے ہوں یا وہ خود اپنے تئیں اہلِ علم سمجھتا ہو اور
اس کی مخالفت کرے کہ اللہ نے کہا ہے کہ اطاعت

لم یجعل لمن بعدہ الا اتباعہ[1] — کی جائے امرِ رسول ؐ کی اس کے حکم کے سبب کہ اللہ کے بعد صرف رسول ؐ کی اتباع فرمائی۔

منکرینِ حدیث کا اعتراض!

اس رفعِ غلط فہمی کے بعد منکرینِ حدیث کے خیالات و دلائل اور اُن کے جوابات پیش کئے جاتے ہیں، ایک اعتراض منکرینِ حدیث کا یہ ہے کہ

"سارے قرآن میں شروع سے آخر تک کتاب اللہ کے سوا کسی سنت اور کسی حدیث پر ایمان رکھنے کا مطلق حکم نہیں ہے، فبایّ حدیث بعدہٗ یؤمنون اس قرآن کے بعد وُہ کس حدیث پر ایمان لائیں گے؟ فبایّ حدیث بعد اللہ وآیاتہ یؤمنون، اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد وُہ کس حدیث پر ایمان لائیں گے زیادہ تصریح اس آیت میں ہے۔ ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم ویتخذھا ھزوا اولئک لھم عذاب مھین بعض آدمی وُہ ہیں جو خریدار ہوتے ہیں، حدیث کے مشغلے کے، تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں بلا علم کے اور اس کو مذاق بنالیں، یہ لوگ ہیں جن کے لئے خوار کرنے والا عذاب ہے، اس آیت میں "لھو الحدیث" کی تفسیر ائمہ حدیث نے غنا کی ہے، مجھے تعجب ہے کہ پھر اللہ کو غنا کہنے میں کیا دشواری تھی"۔

یہ ہے دلیل کا خلاصہ، اس دلیل میں منکرینِ حدیث نے حد درجہ تدلیس و تلبیس سے

---

[1] کتاب الام صفحہ ۲۵۰

کام لیا ہے، پہلے یہ دعویٰ کرنا کہ قرآن کے علاوہ کسی سنت اور کسی حدیث کی پیروی کا حکم نہیں بلکہ ممانعت ہے "فبای حدیث بعدہ یومنون" اور اسی قسم کی دوسری آیات میں "حدیث" کا ترجمہ "حدیث" کرنا اتنی بڑی بددیانتی ہے کہ علمائے جرح و تعدیل، اور ائمہ نقد و بحث نے ایسی تلبیس مبین کے لئے کوئی لفظ وضع نہیں کیا۔

عربی کا ہر ابجد خواں جانتا ہے، اور یقیناً منکرین حدیث کا ہر فرد جانتا ہے کہ حدیث کے معنی "بات" کے ہیں، اور اس جگہ یہی معنی مراد ہیں۔ اگر فن حدیث مراد ہوتا تو اس کے ذکر کا اس جگہ موقع کیا تھا، کیا جب حضور سرور کائنات قرآن مجید پیش فرماتے، تو لوگ یہ کہتے تھے کہ حدیث قرآن سے اولیٰ و افضل ہے، آپ قرآن کی دعوت کیوں دیتے ہیں "حدیث" کی دعوت دیجئے تو ہم قبول کریں؟ ہر شخص کو معلوم ہے کہ یہاں مخاطب کفار و مشرکین ہیں کہ خدا کی ان کھلی ہوئی نشانیوں کے باوجود، قرآن کے اعجاز اور رسول کی غیر مشتبہ صداقت کے باوجود کفر و شرک کے معائب و نقائص معلوم کر لینے کے باوجود اگر قرآن پر نہیں تو آخر ....

فبای حدیث بعدہ یومنون — وہ لوگ اور کس بات پر ایمان لائیں گے

"لہو الحدیث" والی آیت کے ترجمہ میں بھی منکر حدیث نے اسی طرح اپنے "فہم قرآن" کا نہایت نادر نمونہ پیش کیا ہے، اور دلیل کتنی غیر معقول ہے، کہ اگر اس جگہ حسب خیال مفسرین "غنا" مراد تھا تو اللہ کو "غنا" کہنے میں کیا دشواری تھی؟ اس کا جواب بجائے اس کے کہ میں حدیث و روایت سے دوں بہتر ہے کہ قرآن مجید سے دوں، آیت قرآنی ہے،

اعبد ربک حتی یاتیک الیقین — جب تک تمہیں موت نہ آجائے اپنے پروردگار کی

عبادت کرتے رہو۔

اس جگہ "یقین" کے معنی "موت" کے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے منکرین حدیث کے موجودہ زمانہ تک سب اس کے معنی یہی سمجھ رہے ہیں، خود منکرین حدیث بھی، یہ کوئی نہیں کہتا کہ

واعبد ربک حتی یاتیک الیقین — جب تک تمہیں یقین نہ آجائے اس وقت تک عبادت کرو۔

اور اس کے بعد چھوڑ دو، تو اگر اس جگہ یقین کے معنی "موت" کے ہیں تو آخر خدا کو کیا دشواری تھی کہ "موت" کہہ دیتا؟ "یقین" کہہ کے خواہ مخواہ لوگوں کو شبہ میں ڈالنے کے کیا معنی؟

جواب بالکل ظاہر ہے، قرآن مجید کا ایک خاص پیرایۂ بیان ہے ادائیگی مفہوم کے لئے حسب موقع جو کنایہ جو استعارہ، جو تشبیہ سب سے زیادہ بلیغ اور مؤثر ہوتی ہے وہ لائی جاتی ہے اس پر اعتراض کرنا کہ اس جگہ یہ کیوں ہے اور وہ کیوں نہیں، کوئی بہتر طریق معارضہ نہیں۔

احادیث کا پایۂ صحت!

منکرین حدیث یہ بھی کہتے ہیں کہ:۔

"کیا جن حدیثوں کو تم نے تسلیم کیا ہے ان پر کوئی آسمانی مہر ہے یا خود رسولؐ کے سامنے پیش کر کے ان کی تصدیق کی ہے؟ پھر کس طرح انہیں جزو ایمان یا واجب التسلیم کہنے کا حق رکھتے ہو؟"

جواب اثبات میں ہے، جن حدیثوں کو ہم نے تسلیم کیا ہے ان پر آسمانی مہر یقیناً ہے اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ رسولؐ کے حکم کے مطابق ہم ان پر عمل کرتے ہیں، آسمانی مہر تو ہے کہ

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ وما نطق عن الہوٰی، ان ھو الا وحی یوحیٰ — تمہارے لئے رسولؐ ایک اچھا نمونہ ہے رسولؐ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا، بلکہ وُہ جو کہتا ہے وُہ وحی کیا ہُوا ہوتا ہے۔

اور

ما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتھوا — رسولؐ جو کچھ دے اس کو لے لو جس سے منع کرے باز رہو۔

وازایں قبیل بہت سی آیتیں ہیں جن میں حکم رسولؐ کی اطاعت فرض کی گئی ہے، اور ظاہر ہے قرآن مجید کی تعبیر و تفسیر میں احکامِ رسولؐ وارد ہیں، سنتِ رسولؐ موجود ہے تو اسے ترک کیونکر کیا جا سکتا ہے جب کہ خود رسول اللہؐ بھی تاکید فرماتے ہیں کہ میری سنت کو پکڑے رہنا کبھی گمراہ نہیں ہوگے خلفائے راشدین میں جو شخص سر آرائے خلافت ہوتا ہے جمہور امت کے سامنے اعلان کرتا ہے کہ میں کتاب اللہ کو دلیلِ راہ بناؤں گا، سنتِ رسولؐ کو چراغِ ہدایت سمجھوں گا۔ اگر اس میں کوتاہی کروں تو مجھ سے مواخذہ کرنا، تو آخر وہ کونسی "سنت" تھی جس کی پیروی کا اعلان ہو رہا ہے جس کی اتباع کا دم بھرا جا رہا ہے لامحالہ ماننا پڑے گا کہ وُہ ہی سنت جو سلف سے خلف تک پہنچی ہے، جس کے متعلق ثابت ہے کہ رسول اللہؐ نے ایسا کیا جس کے متعلق خود رسولؐ نے کہا،

علیکم بسنّتی — تم پر میری سنّت واجب ہے

وقتِ آخر رسول اللہؐ قلم دوات مانگتے ہیں کہ میں تمہیں ایسی چیز لکھ دُوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو سکو، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں، ہمارے لئے کتاب اللہ اور سنّتِ رسولؐ کافی ہے، حضورؐ خاموش

ہو جاتے ہیں، ظاہر ہے کہ وُہ قرآن نہیں تھا جس کے متعلق حضورؐ کچھ تحریر فرماتے، اس لئے کہ اس کی تو آپؐ نے عمر بھر تبلیغ کی تھی، اس کے تو حفّاظ موجود تھے، اور یہ پورے طور سے شائع ہو چکا تھا۔ اس لئے اس کے متعلق کسی ہدایت کی ضرورت نہ تھی معلوم ہوتا ہے کوئی دُوسری چیز بھی تھی جس کے اوپر ہدایت کا انحصار تھا، قرآن سے ہدایت بے شبہ ہوتی تھی، لیکن اس ہدایت کا تکملہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا تھا، جب تک حضورؐ کوئی دُوسری چیز تحریر نہ فرماتے، لیکن حضرت عمرؓ نے جب فرمایا کہ ہمارے لئے کتاب وسنّت کافی ہے تو حضورؐ خاموش ہو رہے، گویا آپؐ نے اس سے اتفاق فرمایا، اس سے ثابت ہوا کہ جو چیز آپؐ تحریر فرمانا چاہتے تھے، وُہ سنتِ نبوی ہی تھی، حضور انورؐ کی وفات کے بعد ہی جب انعقاد حکومت ہونے لگا، اور حضرت صدیقؓ نے انصار کے جواب میں حدیث پڑھی کہ خلافت قریش کا حق، تو ہزارہا صحابہ میں سے کسی کی زبان سے یہ نکلا کہ حدیث کو احکام دین سے کیا تعلق؟

حدیث و قرآن!

پھر جس قرآن کی یہ حضرات تلاوت کرتے ہیں، خدا معلوم اس میں آیاتِ ذیل بھی ہیں یا نہیں؟ ومن اصدق من اللہ حدیثا (اللہ سے بڑھ کر سچی "حدیث" بیان کرنے والا اور کون ہے) واما بنعمۃ ربک فحدث (اپنے رب کی نعمتوں کی "حدیثیں" بیان کرتے رہو) افبھذا الحدیث انتم مدھنون (ارے کافرو کیا تم اس "حدیث" کو سرسری بات سمجھتے ہو؟) فذرنی ومن یکذب بھذا الحدیث (اب چھوڑ دو ہم کو اور اس "حدیث" کے منکر کو) اللہ نزل احسن الحدیث (اللہ نے اپنی بہتر سے بہتر "حدیث" اتاری ہے) فمال ھؤلاء القوم لا یکادون یفقھون حدیثا (ان کافروں کی کیا شامت ہے کہ فہم "حدیث" کے قریب ہو کر بھی نہیں گزرتے؟) لفظ "حدیث" سے قرآن مجید میں حدیثِ نبوی ہی مراد ہے

توکیوں نہ آیاتِ بالا سے "منکرینِ حدیث" اور "انکارِ حدیث" کے لیے سخت سے سخت وعیدیں قرآن مجید ہی سے سمجھی جائیں؟

حضرت فاطمہ زہرا رضؓ نے جب باغِ فدک سے متعلق اپنا دعویٰ پیش کیا، تو اس کی تردید بھی حضرت صدیق رضؓ نے ایک حدیث ہی پڑھ کر کی، کہ نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث، اس وقت نہ حضرت صدیق رضؓ کو خیال آیا، نہ حضرت زہرا رضؓ نے یہ سمجھا، نہ صدہا صحابہ میں سے کسی کو یہ نکتہ دقیق یاد آیا، کہ حدیث کو احکامِ دینی سے کیا تعلق؟ حدیث کی حیثیت تو تمام تر تاریخی ہی ہے۔

خود رسول صلعم کے زمانہ میں بھی "حدیث" کی "تاریخی" حیثیت نہیں تھی بلکہ "دینی" حیثیت تھی، رسول اللہ صلعم نے جب معاذ بن جبل کو یمن بھیجا ہے تو فرمایا کہ اگر تمہارے پاس کوئی مقدمہ آیا تو کس طرح فیصلہ کرو گے کہا کتاب اللہ سے، فرمایا، اگر کتاب نہ ملے تو؟ کہا، سنت رسول صلعم سے، فرمایا اگر اس میں بھی نہ ہو تب؟ کہا تب میں اپنی رائے سے کام لوں گا۔[1] اس پر رسول اللہ صلعم کے خوش ہونے کے کیا معنی؟

ابنِ عمر رضؓ کا واقعہ!

حضرت ابنِ عمر رضؓ کا یہ واقعہ بھی خاص حیثیت رکھتا ہے۔

حدثنا سلیمان بن حرب عن ایوب عن نافع	سلیمان بن حرب ایوب سے وہ نافع سے بیان کرتے
عن ابن عمر کان یکری مزارعہ علی عہد النبی و	ہیں کہ ابن عمر اپنے کھیت کرائے پر دے دیا کرتے
ابی بکر رضؓ و عمر رضؓ و عثمان رضؓ و صدرا من معاویۃ ثم حدث	تھے، رسول اللہ صلعم کے عہد میں بھی، حضرت ابوبکر رضؓ و
عن رافع بن خدیج ان النبی نھی عن کراء	عمر رضؓ و عثمان رضؓ کے عہد میں بھی اور جناب معاویہ رضؓ

---

[1] اس حدیث کی مشکوٰۃ نے ترمذی ابوداؤد اور دارمی کے حوالے سے تخریج کی ہے۔

مزارع فذهب ابن عمر الی رافع وذهبت معه فسأله فقال نهی النبی عن کراء المزارع فقال ابن عمر قد علمت انا کنا نکری مزارعنا علی عہد رسول اللہ۔

حدثنا یحیی بن بکیر ثنا اللیث عن عقیل عن ابن شہاب قال اخبرنی سالم ان عبد اللہ بن عمر قال کنت اعلم فی عہد رسول اللہ ان الارض تکری ثم خشی عبد اللہ ان یکون النبی قد احدث فی ذالک شیئا لم یکن علیہ فترک کراء الارض[1]

کے عہد میں بھی کچھ عرصے تک، پھر اُن سے رافع بن خدیج کی حدیث بیان کی گئی کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کراء ارض سے منع فرمایا ہے تو ابن عمر نے کہا تم جانتے ہو ہم رسول اللہ کے زمانے میں بھی ایسا کرتے رہے ہیں۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھے سالم نے خبر دی کہ عبد اللہ بن عمر نے کہا کہ میں رسول اللہ کے عہد میں یہ جانتا تھا کہ زمین کرائے پر دی جا سکتی ہے، پھر عبد اللہ ابن عمر ڈرے کہ مبادا رسول اللہ نے کچھ اس باب میں فرمایا ہو اور انہیں علم نہ ہو، اس خیال کے آتے ہی انہوں نے زمین کرایہ پر دینی چھوڑ دی۔

خاص طور سے غور طلب امر یہ ہے کہ عبد اللہ ابن عمرؓ خود صحابی ہیں۔ حاضر باش بزمِ رسولؐ ہیں ان کے زہد و تقویٰ اور دیگر محامد و محاسن کی ایک دنیا قائل ہے، خود رسالت پناہؐ خوشنودیٔ مزاج کا اظہار فرما چکے ہیں، رسولؐ اللہ کے عہد میں، حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں، حضرت عمرؓ کے عہد میں، حضرت عثمانؓ کے عہد میں، اور جناب معاویہؓ کے عہدِ امارت میں کچھ عرصہ تک وُہ ایک کام کرتے رہے، اس کے بعد انہیں رافع بن خدیج کی حدیث پہنچتی ہے، خود تحقیقِ حال کے لئے رافع کے ہاں پہنچتے ہیں، وُہ وہی جواب

---

[1] بخاری صفحہ ۳۱۵

دیتے ہیں، خود صحابی ہیں، رسولؐ کے زمانہ سے اس وقت تک ایک کام کرتے آئے، کسی نئے کا نہیں پھر خیال آتا ہے کہ ممکن ہے رسول اللہؐ نے فرمایا ہو اور مجھے علم نہ ہو سکا ہو، لہٰذا اس کام کو چھوڑ دیتے ہیں، اگر احادیث صرف تاریخی درجہ رکھتی تھیں، دینی حیثیت کی مالک نہیں تھیں، تو عبداللہ ابن عمر باوجود جلیل القدر صحابی ہونے کے کیوں پُر منفعت کام چھوڑ دیتے ہیں؟

حضرت ابن عمر ہی کا ایک واقعہ بھی قابلِ تامل ہے۔

قال ابن عمر لجابر بن زيد انك من فقهاء البصرة فلا تفت الا بقرآن ناطق او سنة ماضية فانك ان فعلت غير ذالك هلكت واهلكت [1]

حضرت عبداللہ بن عمر نے جابر بن زید سے کہا کہ بےشک تم بصرہ کے فقہا میں سے ہو لیکن اپنی رائے سے کبھی فتویٰ نہ دینا سوائے قرآن و سنت کے اگر اس کے علاوہ تم نے کیا تو خود بھی ہلاک ہو گے اور دوسروں کو بھی ہلاک کرو گے۔

اس کے علاوہ

قال ابو النضر لما قدم ابو سلمة البصرة اتيته انا والحسن فقال للحسن، انت الحسن ما كان احد بالبصرة احب الي لقاء منك وذالك انه بلغني انك تفتي برأيك الا ان يكون سنة عن رسول الله او كتاب منزل [1]

ابو نضر کہتے ہیں کہ جب ابو سلمہ بصرہ آئے، تو میں حسن کے ساتھ وہاں گیا، انہوں نے حسن سے کہا کہ بصرہ میں تم سے زیادہ ملاقات کا اشتیاق مجھے کسی اور سے نہیں تھا لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنی رائے سے فتویٰ دیتے ہو اپنی رائے سے بھی فتویٰ

[1] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۵۷ بحوالہ دارمی ۱۲

نہ دو۔ یا سنّتِ رسولؐ سے یا کتابِ الٰہی سے۔

حدیث اور صحابہؓ!

اگر سنت کی کوئی دینی حیثیت صحابہؓ کی نظروں میں نہیں تھی تو عبداللہ بن عمرؓ اور ابو سلمہؓ کو کیوں یہ نصیحت کر رہے ہیں کہ اپنی رائے سے فتویٰ نہ دو، بلکہ سنت سے دو۔ کتاب سے دو۔ اگر دینی حجت صرف کتاب تھی، تو صرف کتاب پر زور دینا چاہیئے تھا لیکن سچائی ہونے کے باوجود وہ زور دے رہے ہیں بلکہ فرما رہے ہیں کہ دیکھو اگر اپنی رائے سے فتویٰ دیا تو ہلاک ہو گے، کتابِ الٰہی اور سنتِ رسولؐ دونوں کو اپنے سامنے رکھو، اور فتویٰ دو۔ صرف "تاریخی" چیز کی اتنی حیثیت نہیں ہو جاتی، کہ وہ "دینی" چیز کے دوش بدوش، بہ ثباتِ "عقل ہوش" رکھی جائے؟

علاوہ ازیں

قال الشعبی حدثوک من رسول اللہ فخذ به وما قالوہ برأیھم فالقه فی الحش

شعبی کہتے ہیں کہ اگر لوگ تم سے حدیث بیان کریں تو تم اسے لے لو لیکن اگر اپنی رائے بیان کرنے لگیں تو اسے غلاظت میں پھینک دو۔

یہ حدیث بھی قابلِ تامل ہے اسے بھی شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں ایک خاص عنوان کے ماتحت ذکر کیا ہے اور شاہ صاحب کا پایۂ علم حدیث میں جتنا ارفع و اعلیٰ ہے اس سے سب واقف ہیں، وہ حدیث یہ ہے:۔

لا الفین احدکم متکئا علی اریکته یاتیه الامر من امری مما امرت به او نهیت عنه فیقول

نہ ہو کہ میں تم میں سے کسی کو ایسا پاؤں کہ وہ ٹیک لگائے ہوئے تکیہ پر بیٹھا ہو، اس کے پاس میرا

لا ادری ما وجدنا فی کتاب اللہ اتبعنا	باتوں میں سے کوئی ایسی بات آئے جس کا میں نے حکم دیا ہو یا منع کیا ہو، اور وہ کہے کہ میں تو اسے نہیں جانتا قرآن میں تو ہے نہیں کہ میں اس کی پیروی کروں۔

معلوم ہوتا ہے کہ سرکارِ رسالت نے اپنی چشمِ بصیرت سے سب کچھ مطالعہ فرما لیا تھا، ورنہ ایسی بات وہ کیوں فرماتے؟

شاہ ولی اللہ کی رائے

شاہ ولی اللہ صاحب جو اسرار و رموزِ شریعت کے ماہرِ خصوصی ہیں، ایک اور بات فرماتے ہیں جو ہر منکرِ حدیث کے لئے سرمایۂ تفکر ہے یعنی رسول اللہ سے جو کچھ مروی ہے، اس کی دو صورتیں ہیں یا تو اس کا بعض حصہ[1]

مستند الی الوحی و بعضها مستند الی الاجتهاد	وحی سے مستند ہو گا یا حضور کے اجتہاد سے اور وہ
بمنزلة الوحی لان اللہ تعالیٰ عصمه من ان	بھی بمنزلہ وحی کے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو
تتقرر ایه علی الخطأ	ہر شے سے محفوظ کر دیا ہے

رسول اور امرا!

منکرین حدیث یہ بھی فرماتے ہیں کہ:-

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ

یہ بھی کیا گیا ہے کہ اطاعتِ رسولؐ قرآن میں ماموریہ ہے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ والرسول اور اطاعتِ رسولؐ فرض ہے تو لازم آتا ہے کہ اس کے اقوال واعمال جمع کیے جائیں، تاکہ اس کی اطاعت کرے، اگر یہ استدلال صحیح ہے تو اسلام میں جس قدر امراء ہوئے ہیں ان میں سے بھی ہر ایک کا مجموعہ حدیث ہونا چاہیئے، ورنہ ان کی اطاعت کیسے ہو گی کیونکہ ایک ہی لفظ "اطیعوا" ہے جس میں رسولؐ اور امراء دونوں داخل کیئے گئے ہیں۔"

امعانِ نظر سے اگر اس دلیل کا مطالعہ کیا جائے تو ظاہر ہو جائے گا کہ واقعہ یوں ہے، قرآن نے یقیناً خدا، رسولؐ اور امیر کا درجہ الگ ہے، شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں اور کتنی معقول بات فرماتے ہیں کہ

اقول انتظام الدین موقوف علی اتباع سنن النبی و انتظام السیاسۃ الکبری یتوقف علی الانقیاد للخلفاء فیما باعمو نہم[1]

میرا خیال یہ ہے کہ انتظام دین سنن نبویؐ کی پیروی پر منحصر ہے اور انتظام سیاستہ کبریٰ خلفاء اور امراء کی اطاعت، وانقیاد پر موقوف ہے۔

شاہ صاحب کا یہ قول اتنا مبرہن ہے کہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ دین چونکہ ایک اٹل اور نہ بدلنے والی چیز ہے، اس لیئے اس میں تو قرآن و سنتِ نبویؐ ہی کی پیروی ہو گی، اور سیاست ایسی چیز ہے جو مصالح کے لحاظ سے ہر وقت بدلتی رہتی ہے، اس لیئے امراء اور خلفاء کی اطاعت وانقیاد کا حکم ہے اس لیئے کہ اسلام کے نزدیک الفتنۃ اکبر من القتل (فساد قتل سے بھی زیادہ سنگین ہے)

[1] حجۃ اللہ البالغہ ۱۲

اسلام جماعتِ انسانی کو ایک نظام اور ضابطہ کے اندر رکھنا چاہتا ہے، اسی لئے اگر کوئی حبشی غلام بھی امیر ہو تو بھی اس کی اطاعت واجب ہے لیکن اگر وہ کتاب وسنت سے اعراض کرے خواہ وُہ حبشی نہیں عمر فاروق ؓ ہو، ایک بدو اسے تکلے کی طرح سیدھا کرنے کی دھمکی دے سکتا ہے۔ خود قرآن اور حدیث میں جابجا اس کی تفصیل ملے گی کہ امیر کی اطاعت اسی وقت تک فرض ہے جب تک وہ متبعِ کتاب وسنت ہے، اور جب سے اعراض کرے تو اس کی پیروی ساقط میرے اس دعوے کی دلیل قرآن ہی میں اور اسی آیت میں ملتی ہے کہ

فان تنازعتم فی شیئٍ فردوہ الی اللہ والرسول — اگر کبھی متنازعہ فیہ مسئلہ درپیش ہو تو خدا اور رسول ؐ کی طرف لوٹاؤ۔

اس جگہ "امیر" کا لفظ "ردوہ" میں اسی لئے نہیں داخل کیا کہ اگر وُہ کتاب وسنّت کے خلاف کوئی کام کرتا ہے تو خدا اور رسول ؐ کی طرف لوٹاؤ یعنی قرآن وحدیث میں اس کی جستجو کرو، لہذا اگر "ردوہ" میں امیر داخل ہوتا تو یقیناً امرائے اسلام کے مجموعۂ احادیث تیار کرنے کی ضرورت تھی، لیکن جب اس میں نہیں ہے، صرف "اطیعوا" میں ہے تو ہم اس کی اطاعت کریں گے، اور جب کوئی بات پیدا ہوگی، خدا اور رسول ؐ کی طرف لوٹائیں گے، اس وقت امیر کو پوچھیں گے ہی نہیں، اور اسی کے مطابق عمل کریں گے، اللہ کے بعد اگر کوئی چیز مامور ہے تو وُہ رسول ؐ ہے۔ قرآن کے بعد اگر کوئی چیز واجب العمل ہے تو وُہ حدیث ہے۔

حدیث کی ظنّیت

ایک بہت دلچسپ بات یہ کہی جاتی ہے کہ تعامل یقینی ہے، اور حدیث ظنی، اور پھر اس

کو محکم یوں کیا گیا ہے کہ

"بعض جگہ حدیثیں بالکل قرآن کے خلاف جاتی ہیں جن کی وجہ سے علما قطعی اور حکمی آیات کو منسوخ کرنے لگتے ہیں مثلاً اللہ نے مالدار مسلمانوں پر مرنے سے پہلے والدین اور اقربا کے لیئے وصیت فرض کی ہے، کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرن الوصیۃ للوالدین والاقربین بالمعروف حقا علی المتقین، مگر حدیث کہتی ہے "لا وصیۃ لوارث" علمانے اس حدیث کی وجہ سے وہ یقینی وصیّت جو اللہ نے عائلی مصالح کے لحاظ سے فرض کی ہے اور جس کو اہل تقویٰ پر ایک حق قرار دیا ہے منسوخ کر ڈالی۔"

تعجب ہے کہ اس برہانِ قاطع پر جو منکرینِ حدیث نے پیش کی ہے کیا کہا جائے؟ اگر یہ منکرینِ حدیث سے اس قدر بیزار ہیں تو قرآن مجید پر تو پورے طور سے وسعتِ نظر ہونی چاہیئے تھی دعویٰ اور دلیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعی حدیث نے اتنا بڑا ظلم کیا ہے کہ لوگوں کو حقِ وصیت سے محروم کر دیا، اب وہ بیچارے کیا کریں گے واقعہ یہ ہے کہ یہ آیت اس وقت اتری جب تک قرآن مجید میں اعزا و اقربا کے حصص مقرر نہیں ہوئے تھے، اس کے بعد یہ پورا رکوع نازل ہوا، جس میں باقاعدہ ہر شخص کے حصص مقرر کر دیئے گئے ہیں تو اس کی ضرورت نہیں رہی، اور بحث و اتفاق دیکھئے کہ اس میں بھی رسولؐ کی پیروی فرض کی جا رہی ہے۔

یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین	اللہ تم کو وصیت کرتا ہے کہ تمہاری اولاد میں مرد
فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترک	کے لئے عورت سے دو گنا حصّہ ہے اور اگر عورتیں

وان كانت واحدة فلها النصف ولابويه لكل
واحدة فلها النصف ولابويه لكل واحد منهما
السدس مما ترك ان كان له ولد فان لم يكن له
ولد وورثه ابواه فلامه الثلث فان كان له اخوة
فلامه الثلث فان كان له اخوة فلامه السدس
من بعد وصية يوصي بها او دين، آباءكم و
ابناءكم لا تدرون ايهم اقرب لكم نفعا،
فريضة من الله ان الله كان عليما حكيما ولكم نصف
ما ترك ازواجكم ان لم يكن لهن ولد فان
كان لهن ولد فلكم الربع مما تركن من بعد وصية
يوصين بها او دين، ولهن الربع مما تركتم
ان لم يكن لكم ولد فان كان لكم ولد فلهن الثمن
مما تركتم من بعد وصية توصون بها او دين
وان كان رجل يورث كلالة او امرأة وله اخ
او اخت فلكل واحد منهما السدس فان كانوا
اكثر من ذالك فهم شركاء في الثلث من بعد
وصية يوصى بها او دين غير مضار وصية

دو سے زیادہ ہوں تو جو چیز وُہ چھوڑ گیا ہے تو دو تہائی
وہ چیز ملے اور ایک ہے تو اس کے لئے نصف ہے
اور ماں باپ میں ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا، اس
صورت میں کہ اس کے اولاد ہو اور اگر نہ ہو تو
والدین ہی وارث ہوں گے، اور ماں کو تیسرا حصہ
ملے گا، اور اس کے بھائی ہوں تو چھٹا حصہ ملیگا
اس وصیت کے بعد جو وُہ کر جائے یا قرض کے
دینے کے بعد تمہارے باپ اور تمہاری اولاد
اس سے ناواقف ہیں کہ کس میں زیادہ نفع ہے۔
ان میں یہ تمہارے واسطے اللہ کی طرف سے فرض
کیا گیا ہے اور وہ علیم و حکیم ہے، اور تمہاری بی بی
جو چھوڑ کر مرے اس میں تمہارا نصف کا حصہ اگر
اس کے اولاد نہ ہو اور اگر ہو تو تمہارے لئے
چوتھا حصہ ہے وصیت یا قرض کے دینے کے
بعد اور اگر تمہارے اولاد نہ ہو تو تمہاری جائداد میں
بی بی کا چوتھائی حصہ ہے، اور اگر ہو تو پھر آٹھواں
حصہ ہے بی بی کے لئے وصیت اور قرض کے

من الله والله عليم حكيم ۝ تلك حدود الله و
رسوله يدخله جنت تجري من تحتها الانهر
خلدين فيها وذالك الفوز العظيم ۝ ومن
يعص الله ورسوله ويتعد حدوده يدخله
نارا خالدا فيها وله عذاب مهين (پ۴-ع)

بعد اور اگر ایسا کوئی آدمی ہو جس کی میراث کلالہ یا ایسی
عورت ہے کہ اس کے واسطے بھائی یا بہن تو ان
دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا، اور اگر
اس سے بھی زیادہ ہوں تو وہ سب ثلث میں مشترک
ہوں گے وصیت یا قرض کے بعد اس میں کسی کو ضرر
نہیں ہے، یہ اللہ کی طرف سے ہے اور وہ علیم و
حکیم ہے، یہ اللہ کے حدود ہیں جس نے اللہ اور
رسول ص کی اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا
جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور ہمیشہ رہے گا
اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے اور جس نے
اللہ اور رسول ص کی نافرمانی کی حدود سے گزر گیا، تو
وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں داخل ہوگا،
اور اس کے واسطے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔

اس پورے رکوع میں عائلی مصالح کو مدنظر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے سابقہ آیت کریمہ
واذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرن الوصیة للوالدین والاقربین بالمعروف حقا
علی المتقین "کے اجمال کی تفصیل میں پورا رکوع نازل فرمایا اور اس میں باقاعدہ لڑکا لڑکی، والدین،
شوہر بیوی، بھائی بہن سب کے حقوق متعین کر دیئے، اب ہر مسلمان ان کی تعمیل پر مجبور ہے۔ اور ورثا

کو بھی حصے از روئے شرع شریف ملیں گے، لہٰذا اس صورت میں وارث کے لئے وصیت کی ضرورت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے؟ وارث کو حق بہرحال ملے گا، چاہے وُہ دینا چاہے، چاہے نہ دینا چاہے تو پھر وارث کے لئے وصیت کی کیا حاجت رہ گئی؟ لیکن اگر وصیت کرنے والا اپنی جائداد سے کارِ خیر کے لئے غریبوں اور یتیموں کے لئے کچھ وصیت کرنا چاہتا ہے کہ بطور صدقۂ جاریہ کے وُہ کام آئے تو اس کا حق بھی شرع نے باقی رکھا ہے، وُہ اپنی جائداد کے ثلث حصہ میں جس قسم کی جس کو چاہے وصیت کر سکتا ہے اور وُہ اس کی وفات کے بعد نافذ ہو گی لیکن ثلث سے زیادہ کی وصیت نہیں کر سکتا اور اگر وُہ کر بھی دے، تو قاضی اسے منسوخ کر دے گا اس لئے کہ حقوقِ اقربا باقی رہ جائیں گے اور پامالی حقوق مقصدِ خداوندی نہیں۔

حدیث اور عائلی مصالح!

اور حدیث کے اوپر یہ الزام لگانا کہ وُہ عائلی مصالح کو تباہ کر رہی ہے۔ بڑی زیادتی ہے احادیث وسنن میں اکثر ایسے واقعے ملتے ہیں کہ کوئی صحابی اپنی سب سے زیادہ عزیز و محبوب چیز راہِ خدا میں وقف کر دینا چاہتے ہیں لیکن رسولِ خدا انہیں "عائلی مصالح" کی بنا پر انہیں باز رکھتے ہیں اور اسے ان کے اقربا میں بحصہ رسدی تقسیم کرا دیتے ہیں، پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ حدیث پر یہ الزام کیسے لگ سکتا ہے؟

حضرت ابوبکرؓ کا واقعہ!

منکرینِ حدیث یہ بھی فرماتے ہیں:۔

"حضرت ابوبکرؓ نے اپنے عہد میں روایت سے بھی منع کر دیا اس لئے کہ اختلاف کا اندیشہ تھا انہوں نے تقریباً پانسو حدیثوں کا ایک مجموعہ بھی لکھ رکھا تھا اسے بھی جلا دیا[1]

[1] تذکرۃ الحفاظ

یہ بھی غلط ہے، یہ قول تذکرۃ الحفاظ سے لیا گیا ہے اور خود صاحب تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی نے ان دونوں واقعات کو "مراسیل" میں شمار کیا ہے، اور مراسیل کا پایۂ استناد قطعاً ساقط ہے بعض لوگ مراسیل کی اہمیت تسلیم کرتے ہیں لیکن جمہور محدثین کرام قطعاً اسے ساقط الاعتبار سمجھتے ہیں، اور کبھی اس سے احتجاج نہیں کرتے، ہمیں جمہور محدثین کا مسلک پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔ مراسیل ہمارے لئے حجت نہیں بن سکتے، نہ ہم ان سے احتجاج کر سکتے ہیں۔

خود حضرت عمرؓ کا یہ عالم تھا کہ وہ قلتِ روایت اور کثرتِ طرق کے حامی تھے، اس قلت روایت اور کثرتِ طرق کو سمجھ لینا چاہیئے۔ قلتِ روایت کے معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے یونہی اندھا دھند روایت نہ کر دی جائے، بلکہ خوب سمجھ بوجھ کر حزم و احتیاط کے ساتھ کرنا چاہیئے اور کثرتِ طرق کا مطلب یہ ہے کہ ایک حدیث متعدد راویوں سے اور متعدد طرق سے روایت کی جائے تاکہ اس کی صداقت اور حقیقت غیر مشتبہ ہو جائے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے "املاص" کے متعلق قرآن مجید میں کچھ نہیں دیکھا۔ تو حدیث کی طرف رجوع کیا، اور جب حدیث مل گئی تو قبول کیا، اسی طرح حضرت عباس کے واقعہ میں جس کا ذکر آ چکا ہے، جب آپ کو شہادت مل گئی تو آپ نے قبول فرما لیا[1]۔ اسی طرح حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ بھی، جب حدیث ملتی تھی تو حلف لے کے اسے قبول فرما لیتے تھے[2]، یہ کبھی نہیں فرماتے تھے کہ ان کی تو صرف تاریخی حیثیت ہے، دینی حیثیت سے ہم نہیں مانتے، نیز حضرت علیؓ منکرین حدیث کی روایت سے منع فرماتے تھے اور مشہور حدیث کی ترغیب دیتے تھے[3]، ان باتوں کو پیش کرنے کے بعد ایک دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ

---

[1] تذکرۃ الحفاظ، ذکر عمرؓ [2] و [3] تذکرۃ الحفاظ حضرت علیؓ

"حضرت ابن عباسؓ نے حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث "الوضوء مما مست النار" اور حضرت علیؓ کی نہی عن المتعۃ قبول کرنے سے انکار کیا۔"

اس سے گویا یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ حدیث کے قائل نہیں تھے، حالانکہ یہ کہیں سے بھی ثابت نہیں ہوتا، اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ ان حدیثوں کو قبول نہیں فرماتے تھے، جو ان کے نزدیک پایۂ تحقیق تک نہیں پہنچتی تھیں، اور ان حدیثوں میں بھی پہلی حدیث منسوخ ہے، حدیث کی کتابوں میں متعدد روایتیں ہیں جن سے معلوم ہے کہ آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ترک فرما دیا تھا، آپ نے گوشت نوش فرمایا اور باوضو ہوکے نماز پڑھی اور خود جابرؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ نے آخر میں "مما مست النار" سے وضو ترک کر دیا تھا، اور اسی پر امت کا عمل بالتواتر چلا آرہا ہے، تو اسے حضرت ابن عباسؓ نے اگر نہیں مانا تو اس لئے کہ یہ ماننے کی چیز ہی نہیں تھی، رہی دوسری حدیث "نہی عن المتعۃ" سے انکار کی، تو ممکن ہے حضرت علیؓ کی اس حدیث میں انہیں کچھ شبہ ہوا ہو، اس لئے اس کے تسلیم کرنے سے انکار کیا، لیکن ان کے اس انکار کو خود صحابہ اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے، حضرت عبداللہؓ بن زبیر، حضرت ابن عباسؓ کے اس مسلک کا جب علم ہوا تو انہوں نے نہایت سخت الفاظ میں تنقید کی کہ جس طرح وہ بصارت سے محروم ہیں اسی طرح بصیرت سے بھی۔ ذرا متعہ کر کے وہ دیکھیں تو پھر دیکھو میں کیا کرتا ہوں۔

عینی شہادت!

اس کے علاوہ منکرینِ حدیث یہ بھی کہتے ہیں کہ:

"عہدِ صحابہؓ کے بعد عینی شہادت کا ملنا ناممکن ہو گیا، اور شہادت در شہادت، در شہادت

در شہادت، عقلاً، عرفاً یا قانوناً کسی لحاظ سے قابلِ سماعت نہیں۔"

حیرت یہ ہوتی ہے کہ اس میں ناممکن کونسی چیز ہو گئی؟ صحابہ سے تابعین روایت کرتے ہیں تابعین سے تبع تابعین روایت کرتے ہیں، ان سے اور ثقہ لوگ، اگر ایک بات ایک سچا آدمی کہے تب تو وہ قابلِ قبول ہے، اور اگر دس سچے آدمی اسی بات کو کہیں تو وُہ ناقابلِ قبول؟ یہ استدلال بدیع تو یقیناً ناقابلِ فہم ہے ہمارے پاس روایت کرنے والوں کی زندگی کا ایک ایک صفحہ محفوظ ہے، ان کے کردار، ان کی گفتار، ان کے عادات و اطوار سب ہمارے سامنے ہیں، ان کا بیٹھنا، اٹھنا، ان کا کھانا پینا، ان کی بات چیت، ان کے عیوب و فضائل، ان کے محامد و معائب، سب ہماری نظر میں ہیں، تو آخر وُہ کون سی دلیل ہے جس بنا پر ہم انہیں ساقط الاعتبار سمجھ لیں، آخر شہادت در شہادت در شہادت، در شہادت "عقلاً، عرفاً یا قانوناً کس اعتبار سے قابلِ سماعت نہیں

امام شافعی نے بتایا ہے کہ قبولِ حدیث کا معیار کیا ہے۔

اخبرنا ابو محمد الربیع بن سلیمان المرادی المؤذن	ابو محمد کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی سے دریافت
صاحب الشافعی بای شیء تثبت الخبر عن	کیا کہ رسول اللہ سے حدیث ثابت کس طرح ہوتی
رسول اللہ فقال قد کتبت هذه الحجة فی کتاب	ہے، فرمایا میں اس بحث پر "جماع العلم" میں کافی
جماع العلم فقلت اعد من هذا من هیئة د	لکھ چکا ہوں میں نے عرض کیا، کچھ یہاں بھی دُہرا
لا تبال ان یکون فیه فی هذا الموضع فقال	دیجئے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ کچھ یہاں بھی دُہرا
الشافعی اذا حدث الثقة حتی ینتهی الی الرسول	دیجئے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ جب ثقہ، ثقہ سے
فهو ثابت عن رسول اللہ ولا نترك لرسول اللہ	روایت کر کے رسول اللہ تک پہنچا دے تو وُہ

حدیثا ابدًا الاحدیثا وجد عن رسول اللہ
حدیث یخالفه واذا اختلف الاحادیث عنه
فالاختلاف فیها وجهان احدهما ان یکون
بها ناسخ ومنسوخ فنعمل بالناسخ ونترک
المنسوخ والاخران تختلف ولا دلالة علی
ایها الناسخ فنذهب الی اثبت الروایتین
الخ

حدیث رسول ہے پھر ہم کسی حدیث کو اس
وقت تک نہیں چھوڑیں گے، جب تک ہمیں
یہ نہ معلوم ہو جائے کہ کوئی دوسری حدیث
اس کی مخالف ہے، اور مخالفت کی بھی دو صورتیں
ہیں، ایک تو یہ کہ ایک ناسخ اور دوسری منسوخ
ہو، اگر ایسا ہوا تو ہم ناسخ پر عمل کریں گے، اور
منسوخ کو ترک کر دیں گے، اور اگر احادیث میں
اختلاف ہو اور اس پر کوئی دلیل نہ ہو کہ کون ناسخ
ہے اور کون منسوخ تو ہم دونوں روایتوں میں
سے جو روایت سب سے زیادہ اثبت ہو گی
اسے تسلیم کریں گے۔

شہادت در شہادت!

اگرچہ "شہادت در شہادت" چار بار نہیں لاکھ بار ہو، لیکن اگر رواۃ ثابت ہوں، ثقہ ہوں، عادل ہوں، تو وہ بلا تامل و بلا تذبذب قبول کی جائیں گی، لیکن اگر حقیقۃً منکرین حدیث اس "شہادت در شہادت در شہادت" سے گھبراتے ہیں، تو ایک دوسری کتاب بھی ہے جس میں صرف "شہادت در شہادت" ہے اور بس یعنی موطا امام مالک، امام مالک تبع تابعی ہیں وہ زہری سے

---

[1] کتاب الام جز سابع صفحہ ۱۷۷

روایت کرتے ہیں جو بلاریب وشک عدول ہیں، امام مالکؒ کی ثقاہت میں کسی کو شبہ ہی نہیں ایسی طرح زہری بھی غیر مشکوک ہیں، اور صحابہ پر زبانِ طعن دراز نہیں ہو سکتی۔ غرض موطا کے جتنے بھی طرق ہیں وُہ تین یا چار سے نہیں بڑھتے اور وُہ سرچشمۂ نبوت کے قطرے ہیں جن کی لطافت و پاکیزگی میں کون ہے جو شک کرے، موطا امام مالک کی یہی خصوصیت ہے، جس کی بنا پر شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اصح کتاب بعد کتاب اللہ، موطا امام مالک ہی کو مانتے ہیں، پھر بخاری کو، پھر مسلمؒ کو، لیکن اس کا کیا علاج کہ منکرین موطا کو بھی نہیں مانتے۔

منکرین حدیث اور ہولناک بات بھی کہتے ہیں:۔

"رواۃ میں طبقۂ اول صحابہ کا ہے، ائمہ حدیث نے یہ طے کر دیا ہے کہ جملہ صحابہ ثقہ ہیں صحابۂ کرام کی عظمت اور جلالت شان کی وجہ سے ہم اس اصول پر جو غیر صحیح، قرآن کے خلاف، اور محض عقیدت مندی کا فیصلہ ہے، بحث کرنا پسند نہیں کرتے، لیکن اس امر پر اپنی حیرت کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتے حالانکہ اس عہد کے منافقین بھی جن کی بابت قرآن میں ہے، ومن اہل المدینۃ مردوا علی النفاق لا تعلمھم نحن نعلمھم، مسلمان کہلاتے تھے رسول اللہ تک، کو ان کے نفاق کا علم نہ تھا، نیز واقعۂ افک میں جو لوگ شریک تھے جن پر حدِ قذف پڑی، جن کی نسبت قرآن میں حکم دیا گیا لا تقبلوا لھم شھادۃ ابداً، وہ بھی مسلمان کہے جاتے تھے، علاوہ بریں ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے

---

[1] حجۃ البالغہ باب طبقات الحدیث

کہ رسول اللہ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا تھا "لا ترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض" دوسری طرف جن لوگوں نے فتنوں میں پڑ کر باہمی لڑائیوں میں ایک دوسرے کا گلا کاٹا، ان کو بھی ابوبکرؓ و عمرؓ کے ساتھ ثقاہت کے پلڑے میں ہموزن رکھ دیا جاتا ہے۔"

ان حضرات کا اجتہاد "حضرت موسیٰ کے متعلق کیا ہے جنہوں نے حسب بیان قرآن ایک نبی حضرت ہارون پر غصہ کیا، انہیں داڑھی پکڑ کر گھسیٹا اور ان کے تھپڑ مارا؟

مشاجرات صحابہ!

پہلے اس "فتنہ" کے مسئلہ کو بھی صاف ہو جانا چاہیئے، پھر عدالت صحابہ پر گفتگو ہوگی۔ صحابہ کی باہمی لڑائیاں مثلاً حضرت علیؓ اور حضرت عائشہ کی جنگ درحقیقت کسی نفسانی جذبہ کے ماتحت نہیں تھی، بلکہ "حسن نیت" کے ساتھ غلط فہمی کا نتیجہ تھی! "انما الاعمال بالنیات" اعمال کا مدار نیت پر ہے۔ اس لئے ان بزرگان امت کی اجتہادی غلطی نہ فتنہ تھی، نہ ایک دوسرے کا گلا کاٹنے" کے مرادف، یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ کا ہمیشہ احترام فرماتے رہے۔ کبھی آپ نے ان کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کی، بلکہ ام المومنینؓ ام المومنینؓ کہتے رہے، ورنہ اگر نفسانیت کی خاطر ہوتی، کسی مقصد نفس کے ماتحت ہوتی تو دوسرے صحابہ اس میں کیوں آلودہ ہوتے! اور خود حضرت عائشہؓ جن کی برأت خود قرآن نے کی، اور حضرت علیؓ جن کو رسالت پناہؐ نے بمنزلہ ہارون کے کہا، کیونکر ایسی غلطی فرما سکتے تھے۔ کیا قرآن اس ہستی کی برأت کر سکتا تھا؟ جو فتنہ و فساد میں ملوث ہونے والی ہو؟ کیا رسول اللہؐ اسے بمنزلہ ہارون علیہ السلام کہہ سکتے تھے۔

جو جنگ و جدل کرے، نہیں اور یقیناً نہیں یہ صرف ان بزرگانِ امت کی اجتہادی غلطی تھی جس کا بعد میں ہر ایک کو اعتراف بھی تھا، اور ثبوت یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت عائشہؓ کو، اور حضرت عائشہؓ نے حضرت علیؓ کو کبھی بُرا بھلا نہیں کہا، بلکہ اپنے اپنے ذمہ سے درگذر فرمایا، اور اگر ایسے فتنہ تسلیم کر لیا جائے تو معاذ اللہ قرآن نے غلطی کی کہ برأت کی اور نعوذ باللہ رسول اللہ نے بیجا کیا، کہ حضرت علیؓ کو بمنزلہ ہارون سمجھا۔ قرآن کو تمام باتوں کا علم تھا، سرکارِ رسالت کی چشمِ بصیرت ہر چیز کا مطالعہ کر رہی تھی۔ قرآن نے جو کچھ کہا سچ کہا، رسولؐ نے جو کچھ فرمایا صحیح فرمایا

والذی جاء بالصدق وصدق به اولٰئک هم المتقون۔

صحابہؓ کی عدالت!

اب صحابہؓ کی عدالت پر گفتگو آتی ہے، امت کا صحابہ کرامؓ کی عدالت و ثقاہت پر جو اجماع ہے، اور ان کو نقد و بحث اور جرح و تعدیل سے جو ماوراء تصور کیا جاتا ہے، اس کی وجہ "محض عقیدت مندی" نہیں ہے، بلکہ کچھ اور ہے، علامہ ابن حجر نے اس پر تفصیل سے اظہارِ خیال کیا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی پیشِ نظر رہے۔

حضرات اہلِ سنت اس پر متفق ہیں کہ تمام صحابہ عدول ہیں، اس باب میں کوئی اختلاف نہیں ہے سوا مبتدعہ کی ایک مختصر سی ٹولی خطیب نے کفایہ میں نہایت نفیس بحث اس موضوع پر کی ہے وہ کہتے ہیں کہ صحابہ کی عدالت و ثقاہت	اتفق اهل السنة علی ان الجمیع عدول ولم یخالف فی ذالک الا شذ وذ من المبتدعة وذکر الخطیب فی الکفایة فصلا نفیس فی ذلک فقال عدالة الصحابة ثابتة معلومة بتعدیل الله لهم واخبارہ عن طهارتهم واختیارہ لهم

فمن ذالك قوله تعالى كنتم خير امة
اخرجت للناس وقوله وكذالك جعلناكم
امة وسطا وقوله لقد رضی الله عن
المومنين اذ يبايعونك تحت الشجرة
نعلم ما فی قلوبهم وقوله السابقون
الاولون من المهاجرين والانصار
والذين اتبعوهم باحسان رضی الله
عنهم ورضوا عنه وقوله يا ايها النبی
حسبك الله ومن اتبعك من المومنين
وقوله للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا
من ديارهم واموالهم يبتغون فضلا
من الله ورضوانا وينصرون الله و
رسوله اولئك هم الصادقون الی قوله
انك رؤف رحيم فی آيات كثيرة
يطول ذكرها واحاديث كثيرة يكثر
تعدادها وجميع ذالك يقتضی القطع
بتعديلهم ولا يحتاج احد منهم مع

تو خود خدا کی تعدیل کے موجب ہم مانتے ہیں مثلاً
کنتم خیر امة اخرجت للناس اور کذالك
جعلناکم امة وسطا، اور لقد رضی الله عن
المومنين اذ يبايعونك تحت الشجرة فعلم ما
فی قلوبهم اور السابقون الاولون من
المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم
باحسان رضی الله عنهم ورضوا عنه اور
يا ايها النبی حسبك الله ومن اتبعك من
المومنين اور للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا
من ديارهم واموالهم يبتغون فضلا من
الله ورضوانا وينصرون الله ورسوله اولئك
هم الصادقون غرض بہت سی آیتوں
میں یہ ذکر موجود ہے کہ صحابہ عادل ہیں ثقہ
ہیں، ان سب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ
کی تعدیل کے بعد اب وہ کسی تعدیل کے محتاج
نہیں ہیں! اور اگر خدا اور رسولؐ کی طرف سے
یہ کچھ نہ وارد ہوتا، جو ہم نے ذکر کیا ہے، پھر

تعديل الله له الى تعديل احد من
الخلق انه لو لم يرد من الله ورسوله
فيهم شئ مما ذكرناه لا وجبت الحال
التى كانوا عليها من الهجرة والجهاد و
نصرة الاسلام وبذل المهج والاموال
وقتل الاباء والاولاد والمناصحة فى
الدين وقوة الايمان القطع على تعديلهم
والاعتقاد ولنزاهتهم وانهم افضل
من جميع المخالفين بعدهم والمعدلين
الذين يجيئون من بعدهم هذا مذهب
كافة العلماء ومن يعتمد قوله ثم
روى بسنده الى ابى زرعة الرازى
قال اذا رايت الرجل ينتقص احدا
من اصحاب رسول الله فاعلم انه
زنديق وذالك ان رسول الله حق
والقران حق وما جاء به حق انما ادى
الينا ذالك كله الصحابة وهولاء

بھی ان کے گراں قدر خدمات، ہجرت، جہاد،
اسلام کی مدد، جان کی قربانی، مال کی قربانی،
آبا و اولاد کا قتل، راہِ اسلام میں مناصحۃ فی الدین
قوتِ ایمان اور عزم و ثبات، یہ سب اس پر
شاہد عادل ہیں کہ وہ عادل ہیں، اور وہ اپنے
تمام مخالفین سے اعلیٰ و افضل ہیں، اور ان کے بعد
ان پر جرح کرنے پر آمادہ ہیں۔ یہی تمام علماء کا
مسلک ہے۔ ابو زرعہ رازی کہتے ہیں کہ جب
تم کسی ایسے آدمی کو دیکھو جو صحابہ میں سے کسی
کی تنقیص کر رہا ہو تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے
اور اس پر اپنا ایمان رکھو کہ رسول حق ہے،
قرآن حق ہے، اور جو کچھ وہ لایا ہے برحق ہے
اور یہ کہ وہ تمام لوگ جو ان پر جرح کرنا چاہتے
ہیں، وہ کتاب و سنت کو باطل کرنا چاہتے
ہیں، اور بہتر یہ ہے کہ خود ان پر جرح کی جائے
وہ سب کے سب زنادقہ ہیں۔ اور صحابہ کی
تفضیل میں احادیث بھی بہت کثرت سے وارد

يريدون ان يجرحوا شهودنا ليبطلوا
الكتاب والسنة والجرح بهم اولى
وهم زنادقة والاحاديث الواردة فى
تفضيل الصحابة كثيرة من اولها على
المقصود مارواه الترمذى وابن حبان
فى صحيحه من حديث عبد الله بن
مغفل قال رسول الله الله الله فى
اصحابى لا تتخذوهم غرضا فمن احبهم
فبحبى احبهم ومن ابغضهم فببغضى
ابغضهم ومن اذاهم فقد اذانى ومن
اذانى لقد اذى الله ومن اذى الله
فلا يوشك ان ياخذه قال عبد الله
هاشم الطوسى حدثنا وكيع قال سمعت
سفيان يقول فى قوله تعالى قل الحمد
لله وسلام على عباده الذين اصطفى
قال هم اصحاب محمد والاخبار فى هذا
كثيرة جدا فلنقتصر على هذا لقد نفية مقنع

ہیں مثلاً ترمذی اور ابن حبان نے اپنے "صحیح"
میں عبداللہ بن مغفل کی حدیث ذکر کی ہے۔ کہ
میرے اصحاب کو اپنے خرافات کی آڑ نہ بناؤ
جو ان سے محبت کرتا ہے وُہ میری وجہ سے
ان سے محبت کرتا ہے جو ان سے بغض رکھتا
ہے وُہ مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ان
سے بغض رکھتا ہے جس نے ان کو تکلیف
پہنچائی، اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی اس
نے اللہ کو اذیت دی، تو اس سے بلاشبہ مواخذہ
کیا جائے گا۔ عبداللہ بن ہاشم طوسی کہتے ہیں
کہ مجھ سے وکیع نے کہا کہ میں نے سفیان سے سنا
کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ "اے رسولؐ کہہ دے
کہ ان بندوں پر سلامتی ہو جو پاک و صاف کئے
گئے، تو کہا کہ وُہ اصحاب محمدؐ ہیں، جن کو اللہ نے
پاک و صاف کیا، اور اس جگہ وہی مراد ہیں،
اس موضوع پر اور احادیث بھی بہت زیادہ
مروی ہیں لیکن اس جگہ اتنا ہی کافی ہے۔

ابنِ حجر کی رائے پر محاکمہ!

ابنِ حجر کی یہ بات بہت زیادہ وزن رکھتی ہے کہ اگر قرآن وحدیث میں یہ کچھ نہ بھی وارد ہوتا تو بھی ان کی عدالت وثقاہت غیر مشتبہ اور شک وشبہات سے پاک تھی، اس لئے کہ جس جماعت نے ہجرت کے مصائب برداشت کئے ہوں۔ وطنِ عزیز کو چھوڑا ہو، عزیز واقربا کو چھوڑا ہو، جہاد کیا ہو، اپنی جانیں قربان کی ہوں، اپنا مال راہِ خدا میں لٹایا ہو، غرض طرح طرح کے آفات ومصائب کا مقابلہ کیا ہو، اور یہ سب محض دین کے لئے کیا ہو، تو ان کو اگر عادل نہیں مانئے گا تو کسے مانئے گا۔ صحابہ کے ان حالات وواقعات کی موجودگی میں کون ہے جو ان پر زبانِ طعن دراز کرے اور اگر کرے تو وہ مسلمان نہیں، بقول ابن حجر کے زندیق ہے، اور پھر قرآن وحدیث کی توثیق مستزاد یہ تراظن نہیں بلکہ "آسمانی مہر" ہے اور اس پر بھی نظر ڈالئے کہ صحابہ جب روایت کرتے تھے، تو اپنی ذمہ داری کا وہ کس قدر خیال رکھتے تھے۔ اس لئے کہ ان کے سامنے یہ وعید بھی تھی کہ

من کذب علی متعمداً فلیتبوا مقعدہ من النار — مجھ پر جو دیدہ ودانستہ دروغ بیانی کرے اسے چاہیے کہ جہنم میں اپنا ٹھکانا بنائے۔

چنانچہ اس حدیث کے پیشِ نظر وہ حدیث بیان کرتے تھے، تو اس خیال سے کہ مبادا کوئی غلطی نقل قول میں ہو جائے، وہ لرزنے لگتے تھے۔ کانپنے لگتے تھے، ان کی گھگھی بندھ جاتی تھی، مثلاً حضرت ابن مسعود صحابی جلیل القدر کا یہ واقعہ خاص طور سے غور طلب ہے کہ

عن ابی العمیس عن مسلم البطین عن ابن عمرو الشیبانی قال کنت اجلس الی — عمرو بن الشیبانی کہتے ہیں کہ میں ابن مسعود کے پاس بیٹھا کرتا تھا وہ "قال رسول اللہ" کبھی نہیں

ابن مسعود لا یقول قال رسول اللہ، فاذا قال
قال رسول اللہ استقلتہ الرعدة وقال ھکذا
او نحو ذا او قریب من ذا، او نحوہ[1]

کہتے تھے، اور جب قال رسول اللہ کہتے تھے
تو مارے ڈر کے کانپنے لگتے تھے، اور کہتے تھے
کہ رسول اللہؐ نے اس طرح فرمایا یا "ایسا ہی
فرمایا" یا "تقریباً ایسا ہی فرمایا" یا، یا، یا۔

اس حزم واحتیاط کے بعد بھی اگر ان کی عدالت وثقاہت غیر مشتبہ ہے تو مجھے نہیں معلوم دنیا میں عدالت وثقاہت کا معیار کیا ہے؟

تدوین حدیث!

اس جگہ ایک اور خیال کی تصحیح بھی از بس ضروری ہے کہ احادیث کی تدوین واشاعت اور ضبط کتابت کا سلسلہ بہت بعد میں شروع ہوا۔ یہ سلسلہ صحابہؓ اور تابعینؒ کے زمانہ سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ چنانچہ طاہر جزائری کہتے ہیں کہ لوگوں کا یہ خیال صحیح نہیں کہ عصر صحابہؓ اور اوائل عہد تابعینؒ میں سوائے قرآن کے اور کچھ ضبط کتابت میں نہیں آیا تھا، حالانکہ ثبوت اس کا بھی موجود ہے کہ کتابت کا کام خود عہد نبویؐ اور عصر صحابہؓ میں شروع ہو گیا تھا۔ چنانچہ زید بن ثابتؓ نے "علم الفرائض" میں ایک کتاب تالیف کی تھی، اور بخاری نے اپنی "صحیح" میں وہ واقعہ بھی ذکر کیا ہے کہ ابو ہریرہؓ نے عبداللہ بن عمروؓ کو اپنے سے افضل بالحدیث اس لئے تسلیم کیا کہ وہ لکھ لیتے تھے[2] چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کتابت کا جو حکم ابوبکر بن حزم کو دیا تھا، وہ خود جلیل القدر تابعی تھے اور وہ صحابہ میں سے سائب بن یزید، عباد بن تمیم، اور عمر بن سلیم الزرقی اور عمرة اور خالدہ بنت

---

[1] تذکرۃ الحفاظ، ذکر ابن مسعود الامام ربانی [2] توجیہ النظر

انس سے حدیث روایت کرتے تھے، اور اس حکم کے بعد انہوں نے اسے لکھ لیا[1]۔ اسی طرح زہری بھی جلیل القدر تابعی ہیں۔ انہوں نے بھی حضرت عمرؓ بن عبد العزیز کے حکم سے حدیث لکھی اور مدوّن کی، زہری صحابہ میں سے ابن عمرؓ، سہل بنؓ سعد، انس بن مالک، محمود بن الربیع، سعید بن المسیب اور امامۃ ابن سہل سے اور دیگر صحابہ اور کبار تابعین سے روایت کرتے ہیں، ان کے شاگردوں میں بھی بڑے بڑے اساطین علم و فضل نظر آتے ہیں، مثلاً معمر، اوزاعی، لیث، مالک، اور ابن ابی ذئب وغیرہ[2]، غرض یہ معاملہ تو بالکل صاف ہے کہ حدیث کی اشاعت اور کتابت کا کام عہد نبوی میں کچھ کچھ، اور عہدِ صحابہ اور عصرِ تابعین میں باقاعدہ شروع ہو گیا تھا۔

---

[1] و [2] توجیہ النظر

نقد و نظر

ملاحظات

اصل کتاب ختم ہو چکی لیکن قبل اس کے کہ ہم اسے بند کریں مغربی اور فرنگی محققین کے طرزِ نقد و نظر، اور فکر و خیال پر بھی ایک نظر ڈال لینا ضروری ہے آج کی دنیا مذہب کو پس پشت ڈال چکی ہے۔ بالخصوص مغرب کی دنیا، تو مذہب کی افادیت اور اہمیت کی قائل ہی نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود، مغرب کے اربابِ دانش و بینش اور اصحاب، تاریخ و سیر، اور ناموران نقد و نظر، اسلام اور داعیِ اسلام پر جب قلم اٹھاتے ہیں، تو ان کے قلم سے روشنائی نہیں ٹپکتی، شرارے ٹپکتے ہیں، ان کے قلم سے حروف کی تخلیق نہیں ہوتی انگارے برستے ہیں، وہ کم از کم ظاہری طور پر تعصب سے دامن بچانا چاہتے ہیں لیکن نہیں بچا پاتے، دل کی تیرگی، حروف پر نمایاں ہو جاتی ہے۔

میری کتاب چونکہ مختصر ہے اس لئے میں اس باب کو طوالت نہیں دینا چاہتا تھا۔ خوش قسمتی سے مولانا محمد علی کی انگریزی کتاب Mohammad the Prophet ایک عزیز دوست نے مطالعہ کے لئے دی، اس کتاب کا ایک پورا باب False Allegations of Atrocities اسی موضوع پر مشتمل تھا۔ بعض غیر ضروری تفصیلات کو نظر انداز کر کے بعد میں اس باب کا ترجمہ کیا، جو آپ اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے، اس باب کے مطالعہ سے اندازہ ہوگا کہ مستشرقین یورپ آنکھیں رکھنے کے باوجود اسلام اور داعیٔ اسلام کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ آنکھیں بند کر کے کرتے ہیں

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ؟

مغربی مورّخین کے اعتراضات

واقعات وحقائق کی روشنی میں!

مغربی نقاد، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کے ساتھ انصاف نہ کرنے کی قسم کھا چکے ہیں، ان لوگوں کا نقد و احتساب صرف یہ ہے کہ ہر وہ بات جس سے آنحضرتؐ کی شان کا استخفاف ہوتا ہو، بلا تامل قبول کر لی جائے، مثال میں ہم مسٹر کیش Cash کی "توسیع اسلام" EXPAN-SION of ISLAM کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ اس کتاب میں مصنف نے چار صفحات کا ایک ضمیمہ منسلک کیا ہے، جس میں اُن واقعات قتل کا ذکر کیا ہے، جو آنحضرتؐ کے اشارہ سے کیے گئے اور ان مفروضہ ومزعومہ واقعات کی بنا پر انہوں نے آنحضرتؐ کے لئے "سفاک" "غدار" اور "سنگدل" وائم تک کے الفاظ استعمال کیے ہیں (Page 29) ایک کے سوا تمام واقعات مسٹر کیش نے میور MUIR کی کتاب سے لئے ہیں، مسٹر کیش نے گو اپنے ماخذ کی ایک فہرست

شاملِ کتاب کی ہے، لیکن انہوں نے واقعات و روایات کی جرح و تنقید کی ذرا بھی کوشش نہیں کی اور بے چون و چرا اُس ہستی کو موردِ الزام قرار دے دیا، جو چار سو ملین نفوس کے لئے دنیا کی سب سے بڑی اور مقدس و محترم ہستی ہے "قتل" کے واقعات کل پانچ ہیں، چھٹا واقعہ بنو قریظہ کا ہے جس پر گزشتہ صفحات میں مفصّل بحث ہو چکی ہے، آخری بالزام عصمت دری (زنا بالجبر) کی اجازت دینے کا ہے، اور یہ اتنا بے بنیاد ہے کہ میور MUIR تک نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے

اب ہم الگ الگ ہر ہر واقعہ پر بحث و گفتگو کریں گے۔

مسلمانوں کا تحمّل!

سب سے پہلے ہمیں یہ ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ "قتل" کے چھ واقعات میں سے پانچ صرف یہودیوں سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ یہود "اہلِ کتاب" تھے۔ اور عام طور سے مسلمانوں کا برتاؤ مشرکینِ عرب کے مقابلہ میں اہلِ کتاب سے بہت زیادہ تلطّف اور مہربانی کا تھا، سوچنے کی بات ہے یہ کیوں کر ممکن تھا کہ اُن اہلِ کتاب کا تو قتلِ عام روا رکھا جاتا جن کے پیغمبروں کا نہایت عزت و احترام کے ساتھ قرآن میں ذکر موجود ہے۔ اور اُن مشرکینِ مکہ کو چھوڑ دیا جنہوں نے مکّہ میں مسلسل ۱۳ سال تک مسلمانوں کو طرح طرح سے بے دردی کے ساتھ ہدفِ ستم بنایا تھا؟

سر ولیم میور SIR WILLIAM MUIR اور مسٹر کیش CASH دونوں کا یہ خیال ہے کہ یہ تمام لوگ اس جرم میں قتل کیئے گئے کہ یہ آنحضرتؐ کے خلاف ہجویہ اشعار کہتے تھے، جنہوں نے مسلمانوں کو برانگیختہ کر دیا تھا لیکن اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ شاعری یہودیوں کا کوئی خاص فن نہیں تھا! ور یہودیوں کے مقابلہ میں مشرکین عرب نے کہیں زیادہ آنحضرتؐ کے

خلاف ہجویہ اشعار کہے اور پھیلائے، اور شاعری اُن کا خاص فن بھی تھا، حقیقت یہ ہے کہ وہ یہود نہیں
عرب تھے، جن کا خاص الخاص فن شاعری تھا، اور یہی لوگ تھے جو ہجویہ اشعار کے ذریعہ اسلام
کو بدنام اور متہم کرتے تھے، میور اور کیش نے اُس ماخذ کو پرکھنے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی جس
کی بنیاد پر انھوں نے دنیا کی سب سے رحم دل اور صادق ہستی کو "سفاک" اور "غدار" تک کہہ دیا، اگر
یہ حضرات نگاہ تعمق سے کام لیتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ آنحضرتؐ نے اور مسلمانوں نے نہایت صبر و
تحمل سے، عرب شاعروں کے اشتعال انگیز اور ہجویہ حملے برداشت کیے، جو سب دشنام سے مملو
تھے خواہ وہ یہودی ہوں یا مشرک، حقیقت تو یہ ہے، کہ خود قرآن کی یہی ہدایت تھی، کہ ان سب دشنام
کے طوفانوں کو مسلمان صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کریں، خواہ یہ عیسائیوں کی طرف سے ہوں
یا یہودیوں کی طرف سے یا مشرکین کی طرف سے، یہ آیتیں قرآن کی اُس سورۃ میں نازل ہوئی
ہیں جس میں جنگ اُحد کا ذکر ہے، جو ۳ھ میں ہوئی تھی، اور یہی وہ زمانہ ہے، جب "قتل"
کے مبینہ واقعات رونما ہوئے، یہ کس طرح ممکن تھا کہ آنحضرتؐ اور مسلمان، قرآن کی واضح
ہدایات کی اس طرح کھلی خلاف ورزی کرتے؟ آنحضرتؐ، ہرگز قرآن کی کسی ہدایت کے خلاف
نہیں چل سکتے تھے، اور قرآن صاف صاف کہہ رہا تھا کہ مسلمانوں کو صبر و تحمل کے ساتھ سب
دشنام کو برداشت کرنا چاہیے، بلکہ جوابی اقدام سے بھی پرہیز کرنا چاہیے، بھلا ان واضح احکام و
ہدایات کے خلاف کیوں کر ممکن تھا کہ آنحضرتؐ ان لوگوں کے قتل کا حکم صادر کرتے جنہوں نے
آپؐ کی ہجو کی تھی؟ اور یہ کیونکر ممکن تھا کہ مسلمان اُس حکم کی تعمیل کرتے، جو سراسر احکام قرآنی
کے خلاف تھا؟ بالکل یہ ظاہر ہے، یہ بات قطعاً ناممکن تھی، اور اگر ابن ہشام یا واقدی کا یہ قول

ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے ہجوگویوں کے لئے قتل کا حکم صادر کیا تو کھلی ہوئی بات ہے یہ رد کر دیا جائیگا اور قبول نہیں کیا جائے گا۔ وُہ تو صرف قرآن ہی ہے جو تنہا اور واحد ذریعہ معلومات، آنحضرتؐ کے افعال و اعمال کا ہے۔ اور قرآن اس سلسلہ میں جو کچھ کہتا ہے وہ اوپر بیان ہو چکا، ہاں قرآن نے جارحانہ طرزِ عمل رکھنے والے دشمن سے لڑنے کی اجازت دی ہے لیکن اس لڑائی کی حالت میں بھی کسی ہجوگو کو قتل کرنے کی اجازت نہیں۔ جس نے آنحضرتؐ یا اسلام کے خلاف سب و شتم کے حملے صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ ان حالات میں یہ بالکل ناقابل یقین بات ہے کہ آنحضرتؐ ان لوگوں کے قتل کا حکم دیں جو ہجویہ اشعار کہتے ہوں، اور عین اسی زمانہ اور وقت میں قرآن، اس کام سے منع کر رہا ہو، اور کہہ رہا ہو کہ گالی گلوچ کا جواب صبر و برداشت ہی سے دیا جا سکتا ہے۔

اسما کا واقعہ!

پہلا واقعہ جو مسٹر کیش CASH نے بیان کیا ہے، وہ قبیلہ اوس کی ایک عورت کا ہے اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ شاعرہ تھی۔ اور اپنے ہجویہ اشعار میں آنحضرتؐ کو "نو و دلتا" کہتی تھی اور کہتی تھی کہ وُہ بہت سے عرب سرداروں کو بدر میں قتل کر چکے ہیں، کہا جاتا ہے کہ ایک مسلمان عمیر کے ہاتھوں بڑی شقاوت کے ساتھ وہ قتل کی گئی۔ اور آنحضرتؐ نے نہ صرف اس قتل کو پسند کیا، بلکہ عمیر کی اس کارنامہ پر حوصلہ افزائی کی، جن ماخذوں کا حوالہ دیا گیا ہے ان میں واقدی، ابن ہشام اور ابن سعد شامل ہیں۔ اس روایت کو اگر درایت سے جانچا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ واقعہ قرآن کی صاف تصریحات کے خلاف ہے جن میں حکم دیا گیا ہے کہ سب و شتم کرنے والوں کی باتیں

صبر وتحمل سے برداشت کی جائیں، بلکہ آنحضرتؐ کی ان ہدایات کے بھی خلاف ہے، جن کی رُو سے آپؐ نے عورتوں کے قتل کو منع فرمایا ہے۔ اگرچہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں عملی حصہ کیوں نہ لے چکی ہوں۔ بخاری جیسی اصح الکتاب میں ایک مستقل باب قائم کیا گیا ہے، جس کا عنوان ہے: "دورانِ جنگ میں عورتوں کا قتل"! (ملاحظہ ہو کتاب الجہاد) اس باب میں حسب ذیل واقعہ ابن عمیر سے مروی ہے،

"ایک غزوہ میں ایک عورت کی قتل شدہ لاش پائی گئی، یہ منظر دیکھ کر آنحضرتؐ نے عورتوں اور بچوں کے قتل کی ممانعت فرمادی"۔

جب کہ آنحضرتؐ نے ان عورتوں کے قتل کی ممانعت فرمادی جو دشمن کے ساتھ مل کر میدان جنگ میں سرگرم عملی حصہ لیتی ہوں تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک عورت صرف ہجویہ اشعار کہنے کے جرم میں آنحضرتؐ کے حکم سے قتل کر دی جائے؟ خود صحابہ آنحضرتؐ کے اس حکم سے قتل کر دی جائے؟ خود صحابہ آنحضرتؐ کے اس حکم پر اس سختی سے عمل کرتے تھے کہ جب ابوالحقیق کی بیوی اپنے شوہر اور [illegible] کے مابین حائل ہوگئی، تو انہوں نے اپنی سونتی ہوئی تلواریں جھکالیں۔

"کیونکہ وُہ جانتے تھے کہ آنحضرتؐ نے عورتوں کے قتل سے منع فرمایا ہے"

(ملاحظہ ہو فتح الباری، باب قتل ابوالحقیق)

اس واضح ثبوت کے بعد ایک متعصب شخص ہی اس بات پر اعتبار کر سکتا ہے، کہ آنحضرتؐ نے ایک عورت کو ہجویہ اشعار کہنے کے جرم میں قتل کر دینے کا حکم دیا۔ یا اس واقعہ کو پسند

فرمایا، یہ روایت حقیقت یہ ہے کہ سرتاسر جعلی ہے، اور اس کی تصدیق نہ صرف بخاری جیسی اصح الکتاب سے ہوتی ہے۔ بلکہ صحاح ستہ کی تمام کتابوں سے ہوتی ہے (جو قرآن کے بعد اس زمین پر سب سے مُعتبر و مستند کتابیں ہیں)

فقہا اور محدثین نے نہ صرف جنگ کے دوران میں بلکہ مالک اور اوزاعی نے کسی حالت میں بھی عورت اور بچّہ کے قتل کی اجازت نہیں دی ہے، شافعی اور کوفی کے نزدیک، ایک عورت صرف اس صورت میں قتل کی جاسکتی ہے، کہ جنگ کے دوران میں، وُہ کسی مسلمان کو قتل کر چکی ہو، یا قتل کرنے کے قریب ہو، (ملاحظہ ہو عین المعبود، شرح ابوداؤد، باب "قتل عورت) مالک اور اوزاعی کے نزدیک جیساکہ اُوپر بیان ہو چکا، کسی حالت میں بھی، کسی عورت کا قتل جائز نہیں، بلکہ اگر کوئی جنگ آزما کافر یا مشرک، فوج، عورتوں یا بچوں کا سہارا (جان بچانے کے لیئے) لے لے، یا کسی قلعہ یا کشتی میں پناہ گزین ہو جائے جس میں عورتیں اور بچے بھی موجود ہوں تو ایسے قلعہ یا کشتی پر حملہ کرنا یا آگ برسانا جائز نہیں ہے (ملاحظہ ہو فتح الباری) ان حالات و واقعات کی روشنی میں یہ بات بالکل ناقابلِ یقین، اور غیر معتبر ہے کہ امن کے زمانہ میں آنحضرتؐ نے کسی عورت کے قتل کا حکم اس لیئے دیا ہو کہ وُہ ہجویہ اشعار کہا کرتی تھی۔

ابوآفاق!

دوسرا واقعہ جو مسٹر کیش CASH نے بیان کیا ہے وُہ ابوآفاق کا واقعہ قتل ہے جو ایک عمر رسیدہ کا فر یہودی تھا اور اس کا جرم بھی وہی تھا جو اسماء کا تھا۔

لیکن جس طرح اسماء کا واقعہ سراسر من گھڑت، اور کذب و افترا ہے ہمارے اس اعتراض

کی بنیاد یہ ہے کہ جس طرح آنحضرتؐ نے عورتوں اور بچوں کے قتل کو منع فرمایا ہے، اسی طرح بوڑھوں، اور عمر رسیدہ لوگوں کے قتل سے بھی منع فرمایا ہے، یہ صحیح ہے کہ بخاری کی حدیث میں صرف بچوں اور عورتوں کے قتل کی ممانعت ہے، اور معمر لوگوں کو قتل نہ کرنے کا ذکر نہیں ہے، لیکن ابوداؤد میں ایک حدیث ہے (باب دعاء المشرکین) جو حضرت انسؓ سے مروی ہے جو مالک کے صاحبزادے تھے، جس میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:۔

"کسی عمر رسیدہ شخص کو قتل نہ کرو، کسی بچہ کو قتل نہ کرو، کسی نابالغ لڑکے کو قتل نہ کرو، کسی عورت کو قتل نہ کرو!"

اِس واقعہ کی رُو سے آنحضرتؐ نے واضح طور پر معمر اور سِن رسیدہ لوگوں کے قتل سے منع فرمایا، تصدیق پہلے خلیفہ حضرت ابوبکرؓ کے اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ جب انہوں نے یزید بن ابوسفیان کو سپہ سالارِ لشکر بنا کر شام کی مہم پر بھیجا، تو انہیں جو ہدایتیں دیں، ان میں حسب ذیل خاص طور پر ہمارے موضوع سے متعلق ہیں:۔

"عورتوں کو قتل نہ کرنا، بچّوں کو قتل نہ کرنا، عمر رسیدہ لوگوں کو قتل نہ کرنا"۔

(ملاحظہ ہو فتح القدیر)

ظاہر ہے ابوبکرؓ وہی حکم دے سکتے تھے جس کی سند آنحضرتؐ کے قول و فعل سے ملتی ہو مذکورہ حقائق سے یہ بات اچھی طرح ثابت ہوگئی کہ جس طرح عورتوں اور بچوں کے قتل کی ممانعت ہے اسی طرح بوڑھوں کے قتل سے بھی منع کیا گیا ہے یہ کیوں کر ممکن تھا کہ ایک طرف تو خود آنحضرتؐ ہی ایک کام سے منع فرماتے اور دُوسری طرف خود ہی اُسے کرتے؟

جب کہ ابو آفاق کا جرم اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ وُہ ہجو یہ اشعار کہا کرتا تھا۔

ابنِ سفینا!

بلا شبہ جیسا کہ احادیث میں واضح طور پر وارد ہوا ہے، ایک آدمی صرف اس صورت میں قتل کیا جا سکتا ہے جب کہ وُہ قاتل ہو یا برسرِ جنگ، لیکن اس جنگ کی حالت میں بھی مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ وُہ

"کسی عورت کو قتل نہ کریں، کسی بچہ کی جان نہ لیں، کسی بوڑھے کو ہلاک نہ کریں، کسی ایسے آدمی کو قتل نہ کریں جو لڑ نہ رہا ہو۔ کسی اندھے کو بھی نہ ماریں۔" (کیفیت القتال)

احناف کا یہی بنیادی مسلک ہے، اور یہ آنحضرتؐ کے ارشادات پر مبنی ہے۔

ابو داؤد میں مروی ہے کہ رباح بن ابی کہتے ہیں:۔

"ایک جنگ میں ہم رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ تھے آپؐ نے دیکھا لوگ جوق در جوق ایک جگہ جمع ہو رہے ہیں، چنانچہ آپؐ نے ایک آدمی تحقیقِ احوال کے لئے بھیجا، مخبر واپس آیا اور اس نے کہا، ایک عورت قتل کر دی گئی ہے، آنحضرتؐ نے کہا، وہ جنگ نہیں کر رہی تھی" مخبر نے کہا، اس وقت خالدؓ میرِ عسکر تھے، آپؐ نے ایک آدمی خالدؓ کے پاس بھیجا، اور خالدؓ سے کہلایا کہ خبردار کسی عورت کو یا اجیر کو قتل نہ کرنا۔"

آنحضرتؐ نے یہ بات صاف کر دی کہ جنگ کے دوران میں بھی صرف وہ لوگ قتل کئے

جائیں جو جنگ میں سرگرم عملی حصّہ لے رہے ہوں آپؐ کا خیال تھا عورتوں کے ساتھ (حفاظت کے لئے) اجیر ہوں گے۔ لہٰذا یہ جنگ جو نہیں ہو سکتے تو اجیر کے قتل کی بھی ممانعت فرما دی۔ اسی بنیاد پر احناف کا یہ مسلّمہ اصول ہے کہ عورتوں، بچوں، اور بوڑھوں کی طرح وُہ لوگ بھی قتل نہ کئے جائیں جو جنگ سے عملی سروکار نہ رکھتے ہوں، مذکورہ حقائق کی بنا پر ابن سنینا کا واقعہ بھی کذب و افترا سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا، رہی یہ بات کہ ابن سنینا کا قتل، یہودیوں کے قتلِ عام کے حکم کا ایک حصّہ تھا، سو یہ بھی بالکل غلط ہے۔ ایسا ہوتا تو سارے یہودی کیوں بچ جاتے؟ اور ایک ہی یہودی کیوں قتل ہوتا؟ اور ظاہر ہے یہ حکم قرآنی تعلیمات کے بھی خلاف تھا اور آنحضرتؐ کوئی ایسا حکم نہیں دے سکتے تھے جو قرآن کے خلاف ہو۔

کعب اشرف!

اب ہم چند اور اہم واقعات کا تذکرہ کرتے ہیں جو حدیث کی کتابوں میں مرقوم ہیں۔ سب سے پہلا واقعہ کعب اشرف کا ہے اس واقعہ پر ہم ذرا تفصیل سے بحث کریں گے اسی واقعہ سے اندازہ ہو جائے گا کہ آنحضرتؐ کو کس قدر غلط سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

کعب کا باپ قبیلہ طے کا ایک فرد تھا، لیکن مدینہ آنے کے بعد وہ ایک یہودی قبیلہ بنی نضیر کا حلیف بن گیا، اور اتنا رسوخ حاصل کر لیا۔ کہ ایک سرآوردہ یہودی کی لڑکی سے شادی بھی کر لی، کعب، یہود اور عرب دونوں سے (دادھیالی اور ننھیالی) قربت رکھتا تھا، جب آنحضرتؐ مدینہ تشریف لائے تو یہود نے آپؐ سے ایک معاہدہ کر لیا جس کی رُو سے یہود اور مسلمان ایک قوم کی حیثیت سے رہنے کے پابند تھے، دونوں کو اپنے اپنے مذہب پر عمل کرنے کی

آزادی بھی، اور مدینہ پر حملہ کرنے کی صورت میں یا کسی تیسری پارٹی سے جارحانہ جنگ کی مدافعت کرنے کی صورت میں دونوں ایک دوسرے کی امداد کرنے کے پابند تھے، یہ بھی طے ہو گیا تھا کہ کسی بات پر اختلاف کی صورت میں آنحضرتؐ کا فیصلہ قطعی اور آخری ہوگا۔

سنہ۲ھ میں جب مکہ سے ایک لشکر مدینہ کی طرف بڑھا، تو مسلمانوں کو ان کا تنہا مقابلہ کرنا پڑا، اور اگرچہ مسلمان مقابل فوج کی ایک تہائی تعداد بھی نہیں رکھتے تھے، اور ان کے پاس ساز و سامانِ جنگ بھی نہ ہونے کے برابر تھا، لیکن انہوں نے اس جنگ (بدر) میں کفار کے لشکر پر کاری ضرب لگائی، اور منہ توڑ شکست دی، اس فتح نے یہودیوں کو اسلام کے خلاف چوکنا کر دیا اور وہ مخالف بن گئے کعب نے جسے از روئے معاہدہ مسلمانوں کا ساتھ دینا چاہیئے تھا، ہجویہ اشعار اور رجز کہہ کہہ کر اسلام کے خلاف نفرت پھیلانا شروع کی، اور مشرکین مکہ کو انتقام اور جنگ پر ابھارنے لگا، کعب نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ وہ مکہ پہنچا، اور دشمنانِ اسلام کے ساتھ باقاعدہ شریک ہو گیا، اس نے قریشِ مکہ کو ابھارا، کہ وہ جلد از جلد مدینہ پر ایک زوردار حملہ کریں اور کعبہ میں بیٹھ کر قسم کھائی کہ قریش کے حملہ کی صورت میں وہ مسلمانوں کے برخلاف قریش کا ساتھ دیگا۔ صرف یہی نہیں جب وہ مکہ سے مدینہ آیا، تو اپنے ساتھ آنحضرتؐ کو قتل کرنے کا سازشی پروگرام بھی لایا۔

نصرانی تعصب!

یہ خالص نصرانی تعصب ہے کہ میور نے اپنی کتاب *Life of Mohammad* میں ان واقعات و حقائق کا تذکرہ بھی نہیں کیا، حالانکہ اس کے پاس بھی مسالہ تھا کہ وہ ان واقعات

کو سامنے رکھ کر تعصب کی بات پر کوئی فیصلہ کرتا۔

میور اُن حقائق کو چھپاتا ہے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ کعب ایک اتحادی (ALLY) سے جنگ کرتا combatant بن گیا اور یہی دانستہ غلطی مسٹر کیش cash سے بھی سرزد ہوئی ہے۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ۳ھ میں مسلمانوں اور نامسلمانوں میں جنگ برپا تھی، اور یہی زمانہ مبینہ "قتل" کا ہے۔ اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ کعب جنگ آزما تھا یا نہیں لیکن جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ وُہ اسلام کے دشمنوں سے جا کر مل جاتا ہے، اپنے تئیں مسلمانوں سے مقابلہ کرنے اور قریش کا ساتھ دینے کے لئے پیش کرتا ہے جو مسلمانوں سے برسرِ جنگ تھے۔ اور مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہو جاتا ہے تو کیا اس فعل کو "سفاکی، شقاوت اور ظلم" سے تعبیر کیا جا سکتا ہے؟ کعب نے کھلم کھلا مشرکین عرب کا ساتھ دیا، جو مسلمانوں سے لڑ رہے تھے ان کا حلیف بن گیا، یہ ایسے تاریخی واقعات ہیں جن کی صداقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، بلکہ یہاں تک ثابت ہو چکا ہے کہ کعب نے آنحضرتؐ کو دھوکہ سے قتل کرنے کی سازش تک کی تھی (پھر اس کا قتل ظلم کیسے ہو سکتا ہے؟) چند ثبوت ملاحظہ ہوں،

"کعب قریش کے پاس گیا، ان کے مقتولین پر نوحہ کیا اور رویا (بدر کی طرف اشارہ ہے) اور انہیں آنحضرتؐ سے جنگ کرنے پر ابھارا۔ (ملاحظہ ہو زرقانی)

اور سنیئے:۔

(آنحضرتؐ نے فرمایا) کعب کھلم کھلا ہمارا دشمن بن چکا ہے۔ ہماری برائیاں کرتا ہے اور اصنام پرستوں سے ہمارے خلاف جا کر مل گیا ہے! (از زرقانی)

بخاری نے کعب کے واقعہ کو عنوان "حرب" کے ماتحت درج کیا ہے، یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ وُہ برسرِ پیکار تھا، ابوداؤد نے اس واقعہ کا عنوان قرار دیا ہے۔ "دشمن پر دفعۃً حملہ آور ہونا" یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ کعب حلیف نہیں، حریف بن چکا تھا اور مسلمانوں سے برسرِ پیکار تھا

یہود کی شکایت!

کعب کے قتل پر جب یہود شکایت کناں، آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ مسلمانوں نے ہمارے لیڈر کو مار ڈالا تو،

آپؐ نے یہودیوں کو یاد دلایا کہ وُہ مسلمانوں کے خلاف کیا کیا کر چکا ہے؟

پھر آپؐ نے

"یہودیوں کو دعوت دی کہ (از سرِ نو) معاہدہ کریں!"

ان تمام واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ کعب نے عہد شکنی کی اور اُن دشمنوں سے مل کر غداری کی جو مسلمانوں سے برسرِ جنگ تھے، لہٰذا اس سے وہی سلوک کیا گیا جو میدانِ جنگ میں لڑنے والے دشمن کے ساتھ کیا جاتا ہے، اور وہ ہلاک کر دیا گیا، اس کے برعکس دوسرے یہودی جو کعب کی حد تک نہیں گئے تھے لیکن اسلام اور داعیِ اسلام کے خلاف بدزبانی کیا کرتے تھے، ان سے کچھ تعرض نہیں کیا گیا۔ وُہ امن و عافیت سے مدینہ میں رہتے رہے بلکہ اُن سے کہا گیا کہ وہ معاہدہ کریں کہ مسلمانوں کے دشمنوں سے دوستی نہیں کریں گے۔

ایک اور سوال!

اب صرف ایک سوال اور رہ جاتا ہے، جو اس قابل ہے کہ اس پر غور کیا جائے، وُہ یہ

کہ کعب پر دفعۃً بعض مسلمانوں نے حملہ کر کے اسے کیسے ہلاک کر دیا؟ اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ جس طرح وہ قتل کیا گیا اس کی ذمہ داری آنحضرتؐ پر ہرگز نہیں عائد ہوتی، یہ صحیح ہے کہ آنحضرتؐ کعب کو سزائے قتل کا مستحق سمجھتے تھے، لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ جس طرح وہ قتل کیا گیا۔ اس کی ہدایت بھی آپؐ نے دی تھی، دوسری بات یہ کہ جب آپؐ سے محمد ابن مسلمہ نے دریافت کیا کہ میں کعب کو قتل کر دوں؟ تو آپؐ نے کوئی جواب نہیں دیا، خاموش رہے اور ایک دوسری روایت کے مطابق آپؐ نے فرمایا:

"اگر تمہارا یہی ارادہ ہے تو جلدی نہ کرو، پہلے سعد ابن مسعود سے مشورہ کر لو"

(ملاحظہ ہو زرقانی)

بہرحال یہ واقعہ ہے کہ تفاصیل کی آپؐ کو قطعاً اطلاع نہ تھی اور یہ بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ سکا، کہ جو تفصیلات ہمارے سامنے ہیں وہ سب کی سب صحیح ہیں، خود مورخین کو ان تفاصیل کی صداقت میں شبہ ہے۔

لیکن فرض کر لیجیئے کہ یہ تمام باتیں صحیح ہیں تو بھی ان سے آنحضرتؐ کا کوئی واسطہ نہیں (بات صرف اتنی ہے کہ کعب نے عہد شکنی کر کے دشمن سے دوستی کر لی، اور اس کا ساتھ دینے لگا، اور دنیا کے ہر قانون کی رو سے اس کے ساتھ جنگی دشمن ہی کا سا سلوک ہونا چاہیئے تھا، چنانچہ دشمن (کعب) سے عہدہ برآ ہونے کے لئے آپؐ نے ایک سریہ بھیجا، سیرت کی تمام کتابیں اس پر متفق ہیں کہ سریہ کعب سے لڑنے کے لئے بھیجا گیا تھا، اور یہ بات میر سپاہ کے اختیار تمیزی سے تعلق رکھتی تھی، کہ کیوں کر دشمن سے عہدہ برآ ہو جائے، محمد ابن مسلمہ و مقدمہ کے پیش رو تھے انہوں

نے وہی طریقہ پسند کیا، جو عرب میں عام طور پر رائج تھا، اور جو پیش آمدہ حالات میں سب سے بہتر تھا، اگر لیبڈ آف دی پارٹی (میر سپاہ) نے کھلم کھلا حملہ کعب پر کیا ہوتا تو زیادہ خوں ریزی ہوتی اور ایک شخص کے بدلے میں بنو نضیر کے سارے قبیلے کو مصیبتیں جھیلنی پڑتیں۔ کعب کے جرائم یہ ہیں:-

۱۔ اس نے عہد شکنی کی۔

۲۔ اس نے بغاوت کی۔

۳۔ وہ دشمن سے جا ملا۔

۴۔ اس نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کا عہد کیا۔

۵۔ اس نے آنحضرتؐ کو قتل کرنے کی سازش کی۔

مذکورہ جرائم میں سے کوئی ایک جرم اس سے سرزد ہوا ہوتا تو بھی اسے اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑتا۔

ابو الحقیق!

کعب کے واقعہ پر تفصیل سے بحث و گفتگو کرنے کے بعد ہمیں ابو الحقیق کے واقعہ پر زیادہ تفصیلی گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں۔ خود میور نے بھی اس کی غلطی کو مانا ہے کہ وہ خیبر کے یہودیوں کو مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے اکساتا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ بنی نضیر (ایک یہودی قبیلہ) مدینہ میں مقیم تھے! انہوں نے آنحضرتؐ سے دوستی کا معاہدہ کر لیا تھا لیکن اس کے باوجود، یہ درپردہ، قریشِ مکہ سے ساز باز اور خط و کتابت کرتے رہتے تھے، ان کے ایک حلیف عرب قبیلہ نے بڑی بے دردی سے کچھ مسلمانوں کو

قتل کر دیا، مگر انہوں نے اس کے خلاف کچھ نہ کیا، تو آنحضرتؐ نے ان سے تجدیدِ عہد کا مطالبہ کیا، لیکن انہوں نے انکار کر دیا، چنانچہ یہ مدینہ سے نکال دیئے گئے، مدینہ سے جا کر یہ خیبر میں مقیم ہو گئے، جو یہودیوں کا سب سے بڑا مرکز تھا، یہاں یہ آس پاس کے قبیلوں کو مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے اکسانے لگے، ابو الحقیق پیش پیش تھا، آنحضرتؐ نے ایک جماعت صرف ابو الحقیق کی سرکوبی کے لئے بھیجی، تاکہ خوں ریزی کم سے کم ہو۔ کیونکہ اصل لیڈر (Ring Leader) کے خاتمہ کے بعد ظاہر ہے اس کے متبعین کے حوصلے پست ہو جائیں گے۔ اس جماعت نے ابو الحقیق کے ساتھ وہی سلوک کیا جو کعب کے ساتھ کیا گیا تھا، ظاہر ہے اس واقعہ کی ذمہ داری بھی کسی طرح آنحضرتؐ پر عائد نہیں ہوتی۔

عورتوں کی عصمت دری!

مسٹر کیش CASH کا آخری الزام آنحضرتؐ پر یہ ہے کہ آپؐ نے بنی مصطلق کی عورتوں کی عصمت دری کی مسلمانوں کو اجازت دی، یہ نہایت مکروہ، اور سراسر جھوٹا الزام ہے مسٹر کیش cash نے سب سے زیادہ دیدہ دلیری یہ کی ہے۔ کہ کہا ہے کہ اس واقعہ کی تصدیق حدیث کی کتابوں سے ہوتی ہے۔

حدیث کی کسی کتاب سے اس الزام کا شائبہ بھی ثابت نہیں ہوتا، یہ ایسا جھوٹا اور گندہ الزام ہے کہ اس کی جرأت میور تک کو نہیں ہوئی۔

اس سلسلہ میں، حدیث میں جو کچھ وارد ہوا ہے وہ ابو سعید خدری کی یہ روایت ہے کہ مسلمان فوج کے کچھ لوگوں نے ان میں سے بعض اسیرِ جنگ عورتوں کے ساتھ متمتع کرنا، اور

عزل (برتھ کنٹرول) پر عمل کرنا چاہا، لیکن اس کا ذرا سا بھی ثبوت نہیں ہے کہ ایسا ہوا بھی۔ ابو سعید کی روایت صرف عزل (برتھ کنٹرول) کے جواز سے متعلق ہے، اس روایت میں کہیں یہ ذکر نہیں ہے کہ بنو مصطلق کی عورتوں کے ساتھ ایسا کیا بھی گیا۔

کوئی شبہ نہیں، شروع شروع میں متعہ (وقتی شادی) اسلام میں جائز تھا، لیکن (بعد میں) قرآن نے اس کی ممانعت کر دی، اس قسم کے تمام اجتماعی احکام رفتہ رفتہ نازل ہوئے۔

جہاں تک مصطلق کے واقعہ کا تعلق ہے حقیقت یہ ہے کہ اس قبیلہ کے تمام اسیر جنگ مردوں اور عورتوں کو (تمام کتب حدیث کی روایت کے مطابق) رہا کر دیا گیا، ان سے فدیہ تک نہیں لیا گیا، کیونکہ اس قبیلہ کی ایک خاتون جویریہ سے آنحضرتؐ نے شادی کر لی تھی، (لہٰذا احترام کے طور پر تمام اسیران جنگ بغیر معاوضہ لئے رہا کر دیئے گئے)۔

قلم قریشی محمد ناصر قادری خوش رقم جالندھری
تلمیذ پروین رقم مرحوم

Library
No. ......
Date ......
Boys Secondary S...tion

دین محمدی پریس لاہور